اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

مسائلُ المیزان

وہ فقہی مسائل جن کا تعلق ناپ تول، مساحت، مقدار اور تعداد سے ہے

شروع میں اوزانِ شرعیہ کا چارٹ اور اہم مسائل کے نقشہ جات بھی ہیں

تالیف

حضرت مولانا مفتی اسامہ صاحب پالن پوری

استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

نظرِ ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

مکتبہ عاصم دیوبند

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (ہود: ۸۵)

مسائل المیزان

یعنی

• وہ فقہی مسائل جن کا تعلق ناپ تول، مساحت، مقدار اور تعداد سے ہے

• شروع میں اوزانِ شرعیہ کا چارٹ اور اہم مسائل کے نقشہ جات بھی ہیں

تالیف

حضرت مولانا مفتی اسامہ صاحب پالن پوری

استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات)

نظرِ ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

مکتبہ عاصم سول ایجنٹ مکتبہ حجاز دیوبند

09997866990-9358914948

وضو و غسل کا بیان

پانی کا بیان

تیمم کا بیان

مسح علی الخفین کا بیان

حیض و نفاس کا بیان

حیض ونفاس کے احکام

نجاست کا بیان

کتاب الصلاۃ

اوقات نماز کا بیان

اذان واقامت کا بیان

شرائط نماز کا بیان

نماز کی صفات وارکان کا بیان

امامت و جماعت کا بیان

مفسدات نماز کا بیان

سترے کا بیان

نوافل کا بیان

قضا نماز کا بیان

سجدۂ سہو کا بیان

معذور اور مریض کا بیان

سجدۂ تلاوت کا بیان

سفر شرعی کا بیان

فدیہ کا بیان

کتاب الجنائز

کتاب الزکاۃ

کتاب الصوم

کتاب الحج

میقات کا بیان

کتاب النکاح

حدود کا بیان

کتاب البیوع

ذبح کا بیان

قربانی کا بیان

عقیقہ کا بیان

باب سوم: حظر و اباحت اور متفرقات

کھانے پینے کی اشیاء کا بیان ۲۵۷

دوا علاج کا بیان

لباس وزینت کا بیان

حجاب و پردے کا بیان

جسمانی وضع قطع کا بیان

تصویر اور فوٹو کا بیان

سلام ومصافحہ کا بیان

قطع تعلق کا بیان

متفرقات

فلکیات

پیش لفظ

محدث کبیر فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

أدام الله علينا بركات فيوضهم ومتعنا بأنوار علومهم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم أما بعد!

جناب مولانا مفتی اسامہ صاحب پالن پوری (استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات) کی کتاب مسائل المیزان پیش نظر ہے، میں نے اس پر ایک نظر ڈالی ہے، اس کتاب میں اوزان، مقادیر اور اعداد سے متعلق فقہی مسائل باریک بینی سے جمع کیے گئے ہیں، کتاب کے شروع میں مصنف نے ایسے نقشے بھی دیئے ہیں جن سے پوری کتاب بیک نظر سامنے آجاتی ہے، کتاب پڑھ کر حیرت ہوئی کہ مصنف نے موضوع سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کرلیا ہے اور آخر میں ستاروں پر کمند ڈالی ہے، ستاروں کی زمین سے دوری اور ان کے باہمی فاصلوں سے بحث کی ہے، اور حاشیہ میں ہر بات کا حوالہ ہے، کوئی مسئلہ بے حوالہ نہیں، اس سے کتاب باوقار بن گئی ہے اور اہلِ علم کے لیے قابل استفادہ ہوگئی ہے، دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال مصنف کی اس کتاب کو ان کی دیگر کتابوں کی طرح قبول فرمائیں اور امت مسلمہ کو اس سے فیض یاب فرمائیں اور مصنف کو ایسے دیگر اچھے کاموں کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

کتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

۱۲ / رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۱ مارچ ۲۰۱۸ء

تقریظ

نمونۂ اسلاف حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری

أدام اللہ ظلال برکاتھم ونوّرنا بأنوار فیوضھم

(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

باسمہ تعالیٰ

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:

شریعت کے بہت سے احکام ناپ تول اور مقادیر کے متعلق ہیں، اس موضوع پر زمانۂ قدیم سے علما و فقہا نے مستقل رسالوں اور متفرق فتاویٰ میں مفصل ومختصر بحثیں تحریر فرمائی ہیں، علما کی اِن بحثوں میں کچھ اختلاف بھی پیش آئے ہیں، یہ ایک اہم علمی موضوع ہے۔

زیرِ نظر کتاب مسائل المیزان اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہے، جس میں اوزان ومساحات وغیرہ کو بیان کرنے کے ساتھ ان سے متعلق فقہی مسائل کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے۔

کسی بھی علمی کتاب میں ایک بات بہ طورِ خاص دیکھی جاتی ہے: وہ یہ ہے کہ اس موضوع کے مواد وماخذ سے کس قدر نتائج کا استخراج کیا گیا ہے؟ یہ کاوش اس حیثیت سے قابلِ تعریف وتحسین ہے۔ مؤلفِ کتاب عزیزِ مکرم مفتی اُسامہ صاحب سلّمہ (مدرّس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) نے اپنی اس تالیف کے ذریعے طلبہ، علما اور اربابِ فتاویٰ کے لیے بڑی آسانی فراہم کردی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

موصوف اس سے پہلے ''فقہی ضوابط'' کے متعدد حصے تالیف فرما کر اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ مؤلف کی زیرِ نظر تالیف بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی، بہ نظرِ استحسان پڑھی جائے گی اور علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کی پوری قدر کی جائے گی۔ نیز احقر کی پُر زور سفارش ہے کہ فقہ کا ہر طالبِ علم اسے ضرور پڑھے، کوئی دار الافتا و کتب خانہ اس سے خالی نہ ہو۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قارئین کے لیے نافع و مقبول بنائے، اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے اسباب پیدا فرمائے اور موصوف کو اس نوع کی مزید علمی خدمات کی توفیقِ ارزانی نصیب فرمائے۔ (آمین)

املاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ
۳۱ر جنوری ۲۰۱۸ء بروز چہار شنبہ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وناظم: المعہد العالی اسلامی حیدرآباد؛ جنرل سیکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا؛ رکن رکین آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

ہماری اسلامی شریعت میں بطور خاص فقہ اسلامی میں زندگی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق وزن، پیمائش اور مسافتوں سے ہے، اسی لئے ہم اپنی درسی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ وضو کے مسائل سے لے کر نماز، زکوۃ، حج اور تمام ابواب میں ایسے متعدد مسائل آتے ہیں، جن کا تعلق اوزان وپیمائش یا شرعی مسافتوں سے ہے لیکن چونکہ اوزان بدلتے رہتے ہیں، اس لئے مختلف ادوار میں ان میں یا ان کی تعبیر میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، جن کا سمجھنا اوران کی حقیقت کو جاننا قدرے مشکل ہوتا ہے؛ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اوزان ومقادیر جو ہماری درسی وغیر درسی کتب میں آج بھی موجود ہیں؛ لیکن ان کی حقیقت یا صحیح کیفیت وکمیت کا علم کم ہی لوگوں کو ہے؛ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر متعدد اہل علم نے خاص کر انہیں اوزان وغیرہ پر کتابیں تصنیف کیں، جن میں ان کی کمیت وکیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ہمارے علماء ہند کی بھی اس سلسلہ میں متداول اور مقبول کتب ہیں؛ لیکن ایک ایسی کتاب جس میں ان اوزان ومساحات کے بیان کے ساتھ ان سے متعلق فقہی مسائل واحکام بھی سامنے آجائیں، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

یہ کام یقیناً محنت طلب اور جانفشانی کا متقاضی تھا؛ خوشی کی بات ہے کہ محبی فی اللہ

جناب مولانا اسامہ پٹنی (استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) نے یہ اہم اور بیش قیمت کام انجام دیا ہے، اور ان کی یہ تصنیف زیور طباعت سے آراستہ ہمارے سامنے ہے، وہ واقعی اس کام پر مبارک بادی کے مستحق ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور پرواز عطا فرمائیں، ان کے علم وعمل اور وقت میں برکت ہو، اور وہ دارین کی سعادت سے بہرہ مند ہوں، آمین یارب العالمین۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

سخن ہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس رب ذو الجلال کے لئے ہے جس نے ہر چیز کو اپنے یہاں ایک معین وزن اور مقدار کے ساتھ پیدا کیا اور عبادات سے لے کر معاشرت تک کے بہت سے امور میں اپنے بندوں کو وزن و مقدار کی رعایت کا پابند کیا، اور صلاۃ وسلام ہو انبیاء کے سردار محمد ﷺ پر جنہوں نے اپنے اقوال و کردار کے ذریعہ امت کی اس باب میں راہ نمائی فرمائی اور اس کی اہمیت کو واشگاف کیا اور صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء پر جنہوں نے ان علوم کو نہ صرف ہم تک پہنچایا بلکہ بڑی جانفشانی سے اس کی توضیح و تشریح کر کے ہم پر بے انتہاء احسان کیا۔

حمد و صلاۃ کے بعد:

بندہ اسامہ عفا اللہ عنہ (متوطن: ڈینڈرول، ضلع پٹن، گجرات) عرض کرتا ہے کہ: یوں تو دیگر فنون و ابواب کی طرح اس فن و باب میں بھی کتابوں کی -خواہ وہ ضمناً ہوں یا استقلا- چنداں کمی نہیں، تاہم ایک ایسی جامع کتاب جس میں اوزان، مساحات وغیرہ کو بیان کرنے کے ساتھ ان سے متعلق تمام فقہی مسائل کو بالترتیب بیان کیا گیا ہو اور اس سلسلے کی مکمل تحقیق و تفصیل مدنظر رکھی گئی ہو ہنوز نظر سے نہیں گذری، جبکہ اس کی ضرورت اہل علم سے مخفی نہیں؛ اس لئے عرصہ دراز سے دل میں مسلسل ایک داعیہ رہا کہ کاش کوئی کتاب اس طرح کی منظر عام پر آتی تو اس سے طلبہ و علماء کو اور خصوصاً اس میدان کے شہسواروں کے لئے بہت مفید اور مشعل راہ ہوتی؛ بے انتہاء کرم ہے رب کریم کا جو قادر مطلق کے ساتھ بندہ پرور بھی ہے کہ اس نے اس ذرہ بے مقدار و عاجز بے مایہ کو محض

اپنے فضل وکرم سے اس بابرکت کام کی توفیق عنایت فرمائی۔

واقعہ یہ ہوا کہ اس رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ کی غالباً پندرہ یا سولہ تاریخ تھی اور وقت کوئی ظہر سے قبل کا: ایک علمی کام کے دوران مذکورہ داعیہ نے شدت اختیار کر کے حواس پر ایسا تسلط جمایا کہ اپنے سواباقی افکار کو مغلوب کردیا اور ہمت وحوصلے کو مہمیز کر کے ارادۂ عمل کو جنم دے دیا، پھر کیا تھا کام میں کام کو داخل کرتے ہوئے یہ کہہ کر یہ کام شروع کردیا کہ:

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا ومرساہا

اور آج تقریباً چھ ماہ بعد مؤرخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، جس پر یہ سطریں لکھتے ہوئے حال یہ ہے کہ بدن کا رواں رواں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور شکرانے میں سربسجود ہے اور زبان حال سے گویا یہ کہہ رہا ہے:

کیا فائدہ فکر وبیش وکم سے ہوگا ❁ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے ❁ جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

کتاب کا انداز:

۱- اس کتاب کو تین ابواب پر منقسم کیا گیا ہے، پہلا باب جدول اور نقشے میں ہے، دوسرا باب وزن ومقدار سے متعلق بالترتیب فقہی مسائل میں، اور تیسرا باب حظر واباحت سے یک گونہ مناسب رکھنے والے متفرقات میں ہے۔

۲- ابواب ومسائل کو "ہدایہ" کی ترتیب پر رکھا گیا ہے۔

۳- ہر مسئلہ کو حوالے سے مزین کیا گیا ہے اور حوالہ میں عبارت کو بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ اہل علم کو مراجعت میں سہولت رہے۔

۴- حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کوئی مسئلہ تشنہ نہ رہے، اسی بنا پر اس کے متعلقات اور فوائد تک کو بھی بیان کیا گیا ہے، بلکہ بعض مقامات میں تو سطحی نگاہ میں

موضوع سے لاتعلق مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں مگر ایسا قاری کی نظر جستجو کی رعایت میں اس کے افادے کے لئے کیا گیا ہے گویا بلاغت کی اصطلاح میں اطناب سے کام لیا گیا ہے مگر تطویل سے نہیں۔

۵-اقوال میں راجح اور مفتی بہ قول کو ہی لیا گیا ہے، غیر ضروری اقوال سے اجتناب کیا گیا ہے۔

۶-جہاں اہل علم کے درمیان کچھ غلط فہمیاں ہیں وہاں تنبیہات اور استدراکات کے ذریعہ اس کا ازالہ کیا گیا ہے۔

۷-عبارت میں مسئلہ کی نوعیت کے پیش نظر وضاحت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۸-اگر کہیں اختلاف میں دونوں جانب عمل کی گنجائش ہے تو اس کو بیان کیا گیا ہے اور محتاط قول کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

۹-حسابات کو عام فہم اور مروج تعبیرات میں بیان کیا گیا ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ: اے رحیم وکریم ذات میری اس حقیر سی سعی کو اپنے دربار میں قبول فرما اور اس کے فیض کو تا قیامت جاری وساری فرما کر اس ناکارہ اور اس کے والدین اور اس کے اساتذہ ومحسنین کے لئے ذریعہ آخرت فرما۔ (آمین)

سُبحانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ .وَسَلامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ . وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

بندہ

اسامہ غفرلہ

خادم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

اس باب میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

۱-اوزان، پیمانہ جات اور مساحات سے متعلق نقشے۔
۲-کثرت سے پیش آنے والے مسائل کے نقشے۔
۳-پوری کتاب ایک نگاہ میں نقشوں کے جھروکوں سے۔

ضروری وضاحت:

۱-اوزان میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مثقال کا اعتبار کیا ہے، اس لئے علماء دیوبند اکثر اسی حساب پر فتوی دیتے ہیں، کتاب میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے۔

۲-إِرْدَب، قَدَح، مُدي، وَيْبَة وغیرہ یہ سب شافعی پیمانے ہیں اس لئے ان کو صاع شافعی کے مطابق لکھا گیا ہے۔

۳-بعض اوزان اور پیمانوں کے متعلق کتب اوزان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، وہاں خوب غور کر کے محقق قول اختیار کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ محقق اور قابل اعتبار کتاب ہمارے رفیق محترم مفتی عبدالرحمن عظیم آبادی مدظلہ کی مفتاح الاوزان نظر آئی، پس اختلافیات میں زیادہ تر اسی کتاب کا اتباع کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اوزان بترتیب حروف ہجاء

نمبر شمار	اصطلاحات	قدیم وزن	جدید وزن
۱	الأوقية	۱۲۶ ماشہ	۱۲۲ گرام، ۴۷۲ ملی گرام
۲	الإستار	۲۵.۲۰ ماشہ	۱۹ گرام، ۶۸۳ ملی گرام
۴	تولہ	۱۲ ماشہ یا ۹۶ رتی	۱۱ گرام، ۶۶۴ ملی گرام
۵	الجَرِیب حجازی	۴۸ صاع حجازی	۱۰۰ کلو ۷۷۶ گرام ۹۶۰ ملی گرام
۶	الجَرِیب عراقی	۴۸ صاع عراقی	۱۵۱ کلو ۱۶۵.۴۴ گرام
۷	چھٹانک	۵ تولہ	۵۸ گرام، ۳۲۰ ملی گرام
۸	الحَبّة	مثقال کا سوواں حصہ	۶۲ ملی گرام
۹	الخردل	رتی کا سولہواں حصہ	۷ ملی گرام، ۵۹۰ میکروگرام
۱۰	الدرهم	۲۵.۲ رتی	۳ گرام ۶۱.۸۰ ملی گرام
۱۱	الدينار	۴.۵ ماشہ	۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام
۱۲	الدانِق عندنا	۴ قیراط	۸۷۴.۸۰ ملی گرام
۱۳	الدانِق عند الثلاثة	سدس درہم	۵۱۰ ملی گرام، ۳۰۰ میکروگرام
۱۴	الرَّطل عندنا	۹۰ مثقال	۳۹۳ گرام، ۶۶۰ ملی گرام
۱۵	الرَّطل عند الثلاثة	۲۰۹.۵ ماشہ	۲۸۳ گرام، ۴۳۵ ملی گرام
۱۶	رتی	۸ ر چاول	۱۲۱ ملی گرام، ۵۰۰ میکروگرام
۱۷	سیر	۸۰ تولہ	۹۳۳ گرام، ۱۲۰ ملی گرام
۱۸	القیراط	۱.۸ ر رتی	۲۱۸ ملی گرام، ۷۰۰ میکروگرام

۱۹	القَفْلَة	۶۴ رحبہ	۲ گرام ۷۹۹.۳۶ ملی گرام
۲۰	القَمحَة	-	۴۲ گرام، ۷۴۰ میکروگرام
۲۱	القِنطَار	-	مال کثیر (اس کی کوئی تحدید نہیں)
۲۲	ماشہ	۸ رتی	۹۷۲ ملی گرام
۲۳	المَنّ (عربی)	ایک مد یا ربع صاع	۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام
۲۴	مَن (ہندی/اردو)	۴۰ سیر	۳۷ کلو ۳۲۵ گرام
۲۵	النَّواة	۱۸/ ماشہ	۱۷ گرام، ۴۹۶ ملی گرام
۲۶	النَّش	۶۳ ماشہ	۶۱ گرام، ۲۳۶ ملی گرام

پیمانہ جات بترتیب حروف ہجاء

نمبر شمار	اصطلاحات	قدیم وزن	جدید وزن
۱	الازدَب	۵۱.۵ صاع شامی	۷۷ کلو ۷۴۲.۴۳ گرام
۲	الجِمل	۶۰۰ رطل	۲۳۶ کلو، ۱۹۶ گرام
۳	الصَّاع عندنا	۲۷۰ تولہ	۳ کلو ۱۳۹.۲۸ گرام
۴	الصَّاع عنده	۱۳۰ تولہ	۱ کلو ۵۱۱.۶۵ گرام
۵	العَرَق	۳۰ صاع یا نصف وسق	۹۴ کلو ۴۷۸.۴۰
۶	الفَرَق	۳ صاع یا ۹۷۲۰ ماشہ	۹ کلو ۴۴۷.۸۴ گرام
۷	القِربَة	۱۰۰ رطل	۳۹ کلو، ۳۶۶ گرام
۸	القَدَح مصری	۲ مد شامی اور مد کا ساتواں	۸۰۹ گرام ۸۳.۷۸ ملی گرام
۹	القِسط	نصف صاع	۱ کلو ۵۷۳.۶۴ گرام

۱۰	القَفِیز	۱۲رصاع	۳۷ کلو۳۶۶۔۹۱۷ گرام
۱۱	القُلّة عندنا	۲۵۰رطل حنفی	۹۸ کلو،۴۱۵ گرام
۱۲	القُلّة عندهم	۲۵۰رطل شافعی	۷۰ کلو۸۰۔۸۵۸ گرام
۱۳	القُلّتین عندهم	۵۰۰رطل شافعی	۱۴۱ کلو۶۰۔۷۱۷ گرام
۱۴	الکِیلَجة	نصف صاع	۱رکلو۶۴۔۵۷۴ گرام
۱۵	الکُرُّ	۷۲۰صاع	۲۲۶۷ کلو۶۰۔۴۸۱ گرام
۱۶	المُدُّ عندنا	۸۱۰ماشہ/ ۲رطل حنفی	۷۸۷ گرام،۳۲۰ ملی گرام
۱۷	المُدُّ عندهم	۳۸۹ماشہ	۳۷۷ گرام ۱۰۔۹۱۳ ملی گرام
۱۸	المَکُّوك عندنا	۸۱۰ماشہ/ ۲رطل حنفی	۷۸۷ گرام،۳۲۰ ملی گرام
۱۹	المَکُّوك عندهم	۳۸۹ماشہ	۳۷۷ گرام ۱۰۔۹۱۳ ملی گرام
۲۰	المَخْتُوم	۱رصاع	۳ کلو۲۸۔۱۴۹ گرام
۲۱	المُدْي	۲۲.۵صاع	۷۰ کلو۸۰۔۸۵۸ گرام
۲۲	الوَسَق عندنا	۶۰صاع حنفی	۱۸۸ کلو۸۰۔۹۵۶ گرام
۲۳	الوَسَق عندهم	۶۰صاع شافعی	۹۰ کلو۱۲۔۱۰۵ گرام
۲۴	الوَیْبَة مصری	۳۴مد شافعی	۱۲ کلو۵۷۔۹۵۷ گرام

مساحات بترتیب حروف ہجاء

نمبر شمار	اصطلاحات	قدیم مساحات	جدید مساحات
۱	الإصبع	۶رجو کے برابر	۱رسینٹی میٹر۹۰۵ ملی میٹر
۲	البَاع	۴رذراع کرباس	۶رفٹ یا۷۲رانچ

۳	الخُطوۃ	۳؍قدم	پونہ فٹ یا ۹؍انچ
۴	الذِراع من الکرباس	۶ مشت یا ۲۴؍انگل	ڈیڑھ فٹ یا ۱۸؍انچ
۵	الذِراع من المساحۃ	۸ مشت یا ۳؍انگل	ساڑھے ۳ فٹ یا ۴۲؍انچ
۶	الغَلوۃ	۴۰۰ ذراع کرباس	۱۸۲؍میٹر، ۸۸۰؍سینٹی میٹر
۷	الفَرسَخ	۳؍میل شرعی	۵؍کلومیٹر ۴۸۶.۴۱؍میٹر
۸	القَبضَۃ	۴؍انگل	۳؍انچ ۷ سینٹی میٹر ۶۲ ملی میٹر
۹	القَدَم	نصف ذراع کرباس	۹؍انچ
۱۰	المِیل الشرعي عندنا	۴۰۰۰ ذراع کرباس	۱؍کلومیٹر ۸۲۸.۸۰ میٹر
۱۱	المیل عندالشافعية	۶۰۰۰ ذراع کرباس	دوکلومیٹر ۷۴۷.۲۰ میٹر
۱۲	المیل الإنکلیزیة	۱۷۶۰؍گز انگریزی	۱؍کلومیٹر ۶۰۹.۳۵ میٹر
۱۳	المَرحَلۃ	ایک دن کی پیدل متوسط رفتار کی مسافت، یہی صحیح ہے	

کثرت سے پیش آمدہ مسائل میں اوزان ومقادیر

۱	شرعی حوض	۱۵ بائی ۱۵ فٹ: کل رقبہ ۲۲۵؍مربع فٹ
۲	مسجد کبیر	۶۰ بائی ۶۰ فٹ: کل رقبہ ۳۶۰۰ مربع فٹ
۳	سترہ کی لمبائی	ڈیڑھ فٹ
۴	مسافت سفر شرعی	۷۷ کلومیٹر، ۲۴۸ میٹر، ۵۱۲ ملی میٹر
۵	نصاب زکاۃ	چاندی میں ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام (یا قیمت)
۶	= =	سونے میں: ۸۷ گرام، ۴۸۰ ملی گرام
۷	صدقہ فطر کی مقدار	گیہوں میں ایک کلو ۵۷۴ گرام ۶۴۰ ملی گرام

۸	= =	چھوہارے، جواور کشمش میں ۳ کلو ۱۵۰ گرام
۹	ایک نماز یا روزے کا فدیہ	صدقۂ فطر کی مذکورہ مقدار
۱۰	قسم کا کفارہ غلے میں	۱۵ کلو، ۶۴۶ گرام، ۴۰۰ ملی گرام
۱۱	روزے کا کفارہ غلے میں	۹۴ کلو، ۸۷۴ گرام، ۴۰ ملی گرام گیہوں
۱۲	مہر فاطمی	۱ر کلو، ۵۳۰ گرام، ۹۰۰ ملی گرام چاندی
۱۳	کم از کم مہر کی مقدار	۳۰ گرام، ۶۱۸ ملی گرام چاندی
۱۴	چاندی کی انگوٹھی مرد کے لئے	۴ر گرام، ۳۷۴ ملی گرام
۱۵	عمامہ کی لمبائی	۱۲۶ر انچ یا ۲۱۶ر انچ
۱۶	عمامہ کا شملہ	کم از کم ایک بالشت، زیادہ سے زیادہ کمر تک

نوٹ: کفارات کے متعلق تفصیل کتاب میں ضرور دیکھ لینا چاہئے۔
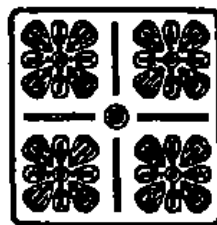
پوری کتاب ایک نگاہ میں

کتاب میں موجود تمام اصلی اور ضمنی مسائل بالترتیب جدول میں مختصراً بیان کئے گئے ہیں، چونکہ نصب العین ایک دو سطر میں مسئلہ اور اس کا حکم بیان کرنا ہے، اس لئے اگر اختصار کہیں اختلال کا سبب بنے تو کتاب کا صفحہ نمبر بھی ساتھ میں لکھ دیا گیا ہے، اس جگہ مراجعت فرمالیں۔

کتاب الطهارة

استنجاء کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
استنجاء میں ڈھیلے کی مسنون تعداد	کوئی نہیں، البتہ طاق عدد مسنون ہے	۷۸
ڈھیلے سے استنجاء کب تک جائز ہے؟	جب تک نجاست مخرج سے قدر درہم تجاوز نہ کرے	۷۹

وضو کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
وضو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانی کی مقدار	ایک مد یعنی ۷۸۷ گرام ۳۲۰ ملی گرام	۸۱
مسواک کی مستحب لمبائی وچوڑائی	ایک بالشت لمبی اور چھوٹی انگلی کے برابر چوڑی	۸۱
مسواک کرنے کی مسنون مقدار	کوئی نہیں، صفائی ہونے تک کرتا رہے	۸۲
سر میں مسح کی فرض ومسنون مقدار	چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور تمام سر کا سنت مؤکدہ	۸۳

مسائل	احکام	صفحہ
سر کے مسح کا مخصوص طریقہ	دو طریقے ہیں، اور دونوں صحیح ہیں	۸۴
خون کی وہ مقدار جو ناقض وضو ہے	جو خون زخم سے اوپر اٹھ کر بہہ جائے	۸۶
خون نکلتا رہا اور پچھتا رہا	ایک ہی مجلس میں مجموعہ بہنے کی مقدار ہو جائے تو وضو ٹوٹ گیا	۸۶
قے کی وہ مقدار جو ناقض وضو ہے	منہ بھر کر ہونا (خواہ عمداً ہو یا خطاءً)	۸۷
منہ بھر کر ہونے کی حد	دقت و مشقت کے بغیر روکنا ممکن نہ ہو	۸۸
چند بار کی قلیل قے کو جمع کرنا	ایک ہی مرتبہ کی متلاہٹ / جی گھبرانے سے ہو تو جمع کرے ورنہ نہیں	۸۸

غسل کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
غسل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی کی مقدار	ایک صاع سے سوا صاع تک یعنی تقریباً ساڑھے ۳ کلو	۸۱
بلوغ کی ادنی حد	لڑکے میں ۱۲ سال، اور لڑکی میں ۹ سال: احتلام وغیرہ کے ذریعہ	۸۹
بلوغ کی اعلی حد	لڑکا اور لڑکی دونوں میں ۱۵ سال	۸۹

پانی کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
کنویں میں کوئی نجاست گرے	پورا پانی نکالنا ضروری ہے، نجاست کم ہو یا زیادہ	۹۰
کنویں میں مرا ہوا زمینی جانور ملنا	اس میں تین درجے ہیں:	۹۰

= =	چوہے اور اس کے مثل میں ۲۰ ڈول	۹۰
= =	مرغی اور اس کے مثل میں ۴۰ ڈول	۹۰
= =	اور بکری کے مثل میں کل پانی نکالنا لازم ہے	۹۰
مشین وموٹر سے کنواں پاک کرنا	صحیح ہے، تفصیل کتاب میں ہے	۹۰
دوقلہ پانی کی مقدار	۱۴۱ رکلو، ۱۷ رگرام، ۶۰۰ رملی گرام	۹۲
دہ دردہ یا شرعی حوض	۱۵ بائی ۱۵ فٹ؛ کل رقبہ ۲۲۵ فٹ	۹۲
مدور (گول) حوض	محیط (گھیراؤ) ۵۴ فٹ اور محتاط قول میں ۷۲ فٹ	۹۲
مثلث (تین گوشہ والا) حوض	ہر جانب میں ۲۳.۲۵ (سوا تیئس) فٹ	۹۲
حوض کی گہرائی	کم از کم اتنی لازم کہ چلو لینے میں زمین نہ کھلے	۹۲
مسقف (چھت والا) حوض	ضروری ہے کہ اس کا پانی چھت سے نہ لگے ورنہ مختلف فیہ ہے	۹۳
ٹنکی یا حوض کو پاک کرنے کا آسان طریقہ	موٹر سے اتنا پانی داخل کرے کہ بھر کر بقدر ذراع (ڈیڑھ فٹ) بہہ جائے	۹۵
اگر پانی میں جانور گرنے کا وقت معلوم نہ ہو	۳ دن اور ۳ رات سے ناپاک شمار کریں جبکہ جانور پھول پھٹ گیا ہو؛ ورنہ بوقت علم سے	۹۶
دو کنوؤں کے درمیان حریم کی مقدار	متوسط زمین میں ۴۰ ذراع یعنی ۶۰ فٹ	۹۶
چشمہ کا حریم	چہار جانب ۵۰۰ ذراع یعنی ۷۵۰ فٹ	۹۷
پانی کے کنویں اور بالوعہ میں حریم	ساڑھے ۱۰ فٹ، لیکن صحیح یہ ہے کہ نفوذ نجاست کا اعتبار ہے	۹۸

تیمم کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
زخمی کے لئے جواز تیمم کی حد	بدن کا اکثر حصہ زخمی ہونا: وضو میں عدد اعضاء اور غسل میں پیمائش سے	۹۹
پانی تلاش کرنے کی حد	ایک غلوۃ: یعنی ۶۰۰ فٹ، ہر جانب میں ۱۵۰ فٹ	۱۰۰
جواز تیمم کیلئے پانی کی دوری	ایک میل شرعی، یعنی ارکلومیٹر ۸۲۸.۸۰ میٹر	۱۰۱

مسح علی الخفین کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
خفین پر مسح کی مدت	مقیم کے لئے ۱ر دن ۱ر رات؛ مسافر کے لئے ۳ر دن ۳ر رات	۱۰۲
مدت کی ابتداء	پہننے کے بعد پہلی بار حدث طاری ہونے سے	۱۰۲
مسح کی فرض مقدار	ہاتھ کی تین انگل کے برابر	۱۰۲
مسح کی مسنون مقدار	تمام انگلیاں کھول کر مع ہتھیلی پنڈلیوں تک کھینچ دیں	۱۰۳
مسح کا مقام	انگلیوں سے ٹخنوں تک خف کا اوپر والا حصہ	۱۰۳
خف میں پھٹن کی مانع مقدار	پیر کی چھوٹی تین انگل کے بقدر	۱۰۳
مختلف جگہ غیر مانع پھٹن ہونا	جمع کریں گے، کسی ایک خف کا مجموعہ مانع مقدار ہوگیا تو مسح جائز نہیں، دو خف کے مجموعہ کا اعتبار نہیں	۱۰۳
پھٹن سے مراد/پھٹن کی حد	وہ جس میں سُوا داخل ہو سکے اس سے کم معاف ہے	۱۰۳
خف نکلنے کی ناقض مقدار	پیر کا اکثر حصہ ظاہر ہو جانا، یا موزے کی پنڈلی میں آجانا	۱۰۴
خف میں پانی داخل ہونا	پیر کے اکثر حصے تک پانی پہنچ گیا تو مسح ٹوٹ گیا	۱۰۴

حیض ونفاس کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
حیض کی اقل واکثر مدت	اقل ۳دن؛ اکثر ۱۰ دن	۱۰۵
خلاف عادت خون آنے پر حیض کی تعیین	۱۰ دن سے زیادہ آیا تو عادت کے دن حیض کے؛ کم آیا تو سب دن حیض کے	۱۰۵
عادت سے پہلے خون بند ہوگیا	نماز شروع کردے، مگر عادت ختم تک جماع جائز نہیں	۱۰۵
نفاس کی اقل مدت	کوئی نہیں، یہ بھی ممکن ہے بعد ولادت بالکل خون نہ آئے	۱۰۵
نفاس کی اکثر مدت	۴۰ دن	۱۰۵
آپریشن کے بعد آنے والا خون	رحم دانی سے بذریعہ شرمگاہ خون آیا تو نفاس ہے، ورنہ زخم کا خون ہے	۱۰۵
اسقاط یا سقوط حمل کے بعد کا خون	حمل ۴رماہ کا ہو تو نفاس ورنہ حیض یا استحاضہ علی التفصیل	۱۰۶
خلاف عادت خون پر نفاس کی تعیین	۴۰ دن سے زائد آیا تو ایام عادت ہی نفاس کے رہیں گے، کم آیا تو سب دن نفاس کے	۱۰۷
عادت سے پہلے خون بند ہوگیا	نماز شروع کردے، تاہم عادت ختم ہونے تک صحبت جائز نہیں	۱۰۷
پہلے بچے میں چند روز خون آکر بند ہوگیا	نماز لازم ہے صحبت بھی جائز ہے، گو ۴۰ دن مکمل نہیں ہوئے	۱۰۷
شریعت میں جڑواں بچوں کی حد	جن کی ولادت میں ۶رمہینے سے کم فاصلہ ہو	۱۰۷

مسائل	احکام	صفحہ
جڑواں بچے پر نفاس کی حد	اول کی ولادت سے ۴۰ دن تک نفاس ہے، پھر آیا تو استحاضہ	۱۰۷
طہر (پاکی) کی اقل مدت	۱۵ دن	۱۰۸
طہر کی اکثر مدت	کچھ نہیں، تمام عمر بھی عورت پاک رہ سکتی ہے	۱۰۸
مدت نفاس میں وقفے وقفے سے خون آنا	بیچ میں پاکی کے سب ایام نفاس ہی کے ہیں، گو ۱۵ دن ہوں	۱۰۸
سن ایاس کی مدت	۵۵ سال، پھر خون آیا تو وہ استحاضہ ہے، مگر یہ کہ گہرا سرخ یا سیاہ ہو	۱۰۸
نماز کے آخری وقت میں خون بند ہونا	۱۰ روز سے کم خون آیا تو غسل اور اللہ اکبر کہنے کے بقدر اور ۱۰ روز آیا تو فقط اللہ اکبر کہنے کے وقت باقی ہو تو نماز فرض ہو گئی ورنہ نہیں	۱۰۹
خون رکنے پر بلا غسل کے صحبت کا جواز	جب ۱۰ دن مکمل خون آیا، یا خون بند ہونے کے بعد اس کے ذمہ کوئی نماز قضا ہو گئی تو بلا غسل صحبت جائز ہے ورنہ نہیں	۱۰۹
حیض ونفاس میں جماع ہو جانے پر کفارہ کی مقدار	شروع خون میں جماع ہوا تو ایک دینار آخر میں ہوا تو نصف دینار کا صدقہ مستحب	۱۱۰
دینار کی مقدار	۴ رگرام ۳۷۴ رملی گرام سونا	۱۱۰

نجاست کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
نجاست لگنے کا وقت جب معلوم نہ ہو	قریبی وقت کی طرف منسوب کرے	۱۱۴

نجاست غلیظہ میں معافی کی مقدار	ہتھیلی میں بقدر درہم کے پھیلاؤ (ہتھیلی کے گہرائی) اور گاڑھی میں وزن درہم یعنی ۴ گرام ۴۷ ۳ ملی گرام معاف ہے	۱۱۱
نجاست خفیفہ میں معافی کی مقدار	کپڑے یا بدن کے جس حصے میں لگے اس کی چوتھائی معاف ہے	۱۱۲
مختلف جگہ میں لگی مقدار عفو کو جمع کرنا	لازم ہے، اگر مجموعہ نا قابل عفو ہو جائے تو نماز جائز نہ ہوگی	۱۱۳
کپڑا پاک کرنے میں دھونے کی مقدار	نجاست مرئیہ میں کوئی مقدار نہیں، فقط عین کو دور کرنا ہے، غیر مرئیہ میں ۳ بار دھونا اور ہر بار بقدر طاقت نچوڑنا ہے	۱۱۴
واشنگ مشین سے کپڑے کی طہارت	صحیح ہے (تفصیل کتاب میں ہے)	۱۱۶
ناپاک چھینٹوں میں مقدار عفو	سوئی کے سرے کے برابر ہوں تو معاف ہیں البتہ پانی میں یہ معاف نہیں	۱۱۷

کتاب الصلاۃ

اوقات نماز کا بیان ۱۱۹

مسائل	احکام	صفحہ
طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقت	کم از کم وقت: ۱ ر گھنٹہ ۱۸ ر منٹ؛ زیادہ سے زیادہ: ۱ ر گھنٹہ ۳۵ منٹ	۱۱۸
غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض کا وقت	کم از کم وقت: ۱ ر گھنٹہ ۱۸ ر منٹ؛ زیادہ سے زیادہ: ۱ ر گھنٹہ ۳۵ منٹ	۱۱۸

جہاں عشاء وغیرہ کا وقت ہی نہیں آتا	مائل موسم یا قریبی ممالک پر قیاس کر کے پڑھنا لازم ہے	۱۱۸
اشراق کا ابتدائی اور آخری وقت	سورج کے ۱۲ ر بالشت بلند ہونے سے ربع نہار تک	۱۱۹
چاشت کا ابتدائی اور آخری وقت	ربع نہار سے زوال سے قبل تک	۱۱۹
گھر میں عورتوں کیلئے نماز کا مستحب وقت	ہر نماز کا اول وقت	۱۲۰
اوقات مکروہہ کی تعیین وتحدید:		
۱-سورج نکلتے وقت اندازاً ۱۰ منٹ		
۲-سورج ڈوبتے وقت اندازاً ۱۶ منٹ		
۳-زوال کے وقت اندازاً ۱۰ منٹ		
۴-صبح صادق سے سورج نکلنے تک علاوہ فجر اور اس کی سنت کے		
۵-عصر کے فرض کے بعد سے سورج کے متغیر (سرخ) ہونے تک		
نوٹ: مگر آخری دو وقت میں صرف نوافل جائز نہیں قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہے، جبکہ پہلے تین اوقات میں کچھ بھی جائز نہیں		
بروز جمعہ صلاۃ التسبیح کے دوران زوال ہو جانا	یہ مکروہ تحریمی ہے، ایسا ہو تو دو دو رکعت سے پڑھے	۱۲۲
نصف النہار شرعی کی مقدار	صبح صادق سے غروب آفتاب کے وقت کا نصف	۱۲۳
نصف النہار عرفی کی مقدار	طلوع آفتاب سے غروب آفتاب کے وقت کا نصف	۱۲۳
تکبیرات تشریق کا ابتدائی اور انتہائی وقت	۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ کی عصر تک، کل ۲۳ نمازیں	۱۲۸

اذان واقامت کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
کلمات اذان کی تعداد	عندنا واحمد ۱۵؛ عند الشافعی ۱۹؛ عند مالک ۱۷	۱۲۵
کلمات اقامت کی مقدار	عندنا ۱۷؛ عند الشافعی واحمد ۱۱؛ عند مالک ۱۰	۱۲۶
مغرب کی اذان واقامت کے مابین فاصلہ کرنا، یعنی اس کی جماعت میں تاخیر کرنا	ظہور نجوم تک تاخیر مکروہ ہے، اس سے قبل تک مباح ہے، اور ۲ رکعت سے زیادہ تاخیر نہ کرنا مستحب ہے	۱۲۷
بوقت اقامت کھڑے ہونے کا وقت	حی علی الصلاۃ پر، لیکن تسویۂ صفوف کیلئے پہلے کھڑا ہونا جائز بلکہ افضل	۱۲۷

شرائط نماز کا بیان ۱۳۰

مسائل	احکام	صفحہ
قبلہ میں معتبر	وہ معین جگہ ہے جو ثری سے ثریا تک ہے، نہ کہ تعمیر	۱۲۸
اہل مکہ کا قبلہ	عین کعبہ ہے، مگر کوئی مانع ہو تو مثل غائب کے جہت کعبہ ہے	۱۲۹
اہل مکہ کے علاوہ کا قبلہ	جہت کعبہ، برصغیر میں مغرب کی جانب	۱۲۹

جب قبلہ ہی معلوم نہ ہو	اس کا قبلہ تحری یعنی بعد غور وفکر ظن غالب کی جانب ہے	۱۳۰
دوران نماز تحری بدل جائے یا ٹرین مڑ جائے	اس طرف گم جانا ضروری ہے	۱۳۰
بغیر آلات کے قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ	۲۲ جون اور ۲۲ دسمبر کے طلوع آفتاب کے درمیان کا حصہ قبلہ ہے	۱۳۰
قبلہ سے کس قدر انحراف مفسد صلاۃ ہے؟	۴۵ ڈگری (ربع قوس) سے زیادہ	۱۳۱
مرد کا ستر	ناف سے گھٹنے تک۔ناف ستر نہیں، جبکہ گھٹنہ ستر ہے	۱۳۱
آزاد عورت اور خنثیٰ کا ستر	وہی ہے جو مرد کا ہے، تاہم اس کے کچھ اعضاء میں حجاب ہے جو متعلق کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے	۱۳۲
مرد کے اعضائے ستر کی تعداد	کل ۸ ہیں، تفصیل کتاب میں دیکھئے	۱۳۳
عورت کے اعضائے ستر وحجاب کی تعداد	کل ۲۶ ہیں، تفصیل کتاب میں ہے	۱۳۴
نماز میں ستر کھلنے کی مفسد مقدار	اس عضو ستر کا چوتھائی حصہ کھلنا، اس سے کم معاف ہے	۱۳۵
ایک ہی عضو میں مختلف جگہ سے ستر کھلنا	کسور (فیصد) سے جمع کرے، اگر چوتھائی عضو (۲۵ فیصد) کو پہنچ جائے تو نماز فاسد ورنہ نہیں	۱۳۵
الگ اعضاء میں تھوڑا تھوڑا ستر کھلنا	پیمائش سے جمع کرے، اگر مجموعہ ان میں سب سے چھوٹے عضو کے چوتھائی برابر ہو جائے تو نماز فاسد ورنہ نہیں	۱۳۶

نماز کی صفات وارکان کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
قیام میں دو قدموں کے مابین فاصلہ	۴ رانگل کا فاصلہ بہتر، مگر عورت کیلئے ملانا ہے	۱۳۷
رکوع میں ٹخنوں کے درمیان فاصلہ	اپنے حال پر رکھے، ملانا مسنون نہیں مگر عورت کیلئے ملانا ہے	۱۳۸
رکوع کی ادنی حد	اتنا جھکنا کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں	۱۳۸
رکوع کی اعلی حد	اتنا جھکنا کہ سر، سرین اور پیٹھ سب ایک سیدھ میں ہوجائیں	۱۳۸
بیٹھنے والے کے رکوع کی ادنی حد	سر کمر کے ساتھ کسی قدر جھک جائے	۱۳۸
بیٹھنے والے کے رکوع کی اعلی حد	پیشانی زانوں کے مقابل آجائے	۱۳۸
سجدے میں سر رکھنے کی حد	پیشانی وناک دونوں لگانا فقط پیشانی لگانا مکروہ ہے اور فقط ناک لگانے میں تو نماز ہی نہ ہوگی	۱۳۹
سجدے میں پیشانی کا جمنا	یہ لازم ہے، پس نرم بستر پر جس میں ماتھا نہ جمے نماز صحیح نہیں	۱۳۹
سجدے کے مقام کی بلندی	قدم رکھنے کے مقام سے ا ر بالشت سے اونچی نہ ہو، ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی	۱۳۹
سجدے میں قدم رکھنے کی فرض حد	کم از کم ا ر انگشت بقدر تسبیح واحدہ رکھنا	۱۳۹
آہستہ قراءت کرنے کی حد	اتنی آواز کہ خود سن سکے اور بقول کرخیؒ تصحیح حروف ہوجائے تو کافی ہے	۱۴۰

امام کیلئے آواز بلند کرنے کی حد	مقتدیوں کے لحاظ سے بلند کرے، پس بلاضرورت مائیک کا استعمال مکروہ ہے	۱۴۱
ماتجوز بہ الصلاۃ قراءت مقدار	۱ر لمبی آیت یا ۳ر چھوٹی آیات: بقدر ۱۰ کلمات یا ۳۰ حروف کے پڑھنا لازم ہے	۱۴۱
رکعتوں کی چھوٹائی و بڑائی کا حساب	آیات سے ہوگا، جبکہ آیات باہم برابر ہوں ورنہ کلمات وحروف سے	۱۴۲
دوسری رکعت میں قراءت کی زیادتی سے کراہت آنا	جب زائد حروف پہلی رکعت کی نصف سورت کے برابر ہوں تو آئے گی، ورنہ نہیں	۱۴۲
بین السورتین فاصلے (سورت، یا آیات چھوڑنے) کی مکروہ حد	اتنی مختصر سورت چھوڑنا کہ اس میں ۲ رکعت ادا نہ ہو سکے؛ یا اس چھوڑی ہوئی سورت کے پڑھنے پر دوسری رکعت کچھ طویل ہو جائے	۱۴۳

امامت وجماعت کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
امام اور مقتدیوں کے درمیان مانع فاصلہ	اتنا بڑا عام راستہ جس پر سے بیل گاڑی گذر جائے؛ یا بقدر دو صف (۸ فٹ) کا فاصلہ ہو، مگر مسجد وعیدگاہ میں یہ مانع نہیں	۱۴۴
صحت جماعت کے لئے کم از کم آدمی	عام نماز میں امام کے علاوہ ایک، جبکہ جمعہ وعیدین میں تین کا ہونا ضروری ہے	۱۴۵
نفل کی وہ جماعت جو کراہت لاتی ہے	جس میں تداعی ہو، اور امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا بھی حکماً تداعی ہے	۱۴۵

تکرار جماعت میں کراہت کا مدار:
۱-امام اور مؤذن معین ہوں
۲-نمازی معین ہوں
۳-محلہ کی مسجد میں اہل محلہ جماعت کریں
پس ان ۳ میں سے کوئی شرط نہ ہو تو تکرار جائز بلکہ افضل ہے گو تکرار اذان واقامت سے اور ہیئت اولیٰ پر ہو

مفسدات نماز کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز کھانا	چنے سے کم مقدار معاف ہے، چنے کی مقدار مفسد ہے	۱۴۶
منہ سے باہر کی کوئی چیز کھانا	مطلقاً مفسد ہے، خواہ تل کے برابر ہو بشرطیکہ حلق میں پہنچ جائے	۱۴۶
منہ میں سے قلیل چیز متعدد رکن میں کھانا	استحساناً ان کو جمع نہیں کیا جائے گا، پس یہ عمل مفسد نہ ہوگا	۱۴۷
نماز سے قبل کھائی گئی چیز کا اثر حلق میں جانا	یہ مفسد نہیں البتہ فی الحال منہ میں موجود چیز کا اثر حلق میں پہنچ رہا ہو تو مفسد ہے	۱۴۸
نماز میں چلنے کی مفسد مقدار	تابع مشی یعنی لگاتار چل کر سجدہ گاہ سے بڑھ جانا؛ اور مقتدی ہو تو بقدر دو صف یا امام سے آگے بڑھ جانا	۱۴۸

نماز میں چلنے کی غیر مفسد حد	غیر متابع یعنی بقدر تین تسبیح ٹھہر ٹھہر کر چلنا خواہ کتنا ہی چلے	۱۴۸
عمل قلیل اور کثیر کی حد	تفصیلی ہے، کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۱۴۹
مالی نقصان کی وہ مقدار جس پر نماز توڑنا جائز ہے	ایک درہم یعنی ۳ ر گرام ۶۲ ملی ر گرام چاندی یا قیمت	۱۵۳
امام سے آگے بڑھنے کا معیار	مقتدی کی ایڑی کا امام کی ایڑی سے آگے بڑھ جانا	۱۵۳

سترے کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
سترے کی کم از کم مقدار	لمبائی ۲ ر بالشت یعنی ڈیڑھ فٹ، چوڑائی بقدر ۱ ر انگل	۱۵۴
نمازی کے آگے شخص کا دائیں بائیں ہٹنا	ہٹنے میں حرج نہیں، گذرنا جائز نہیں	۱۵۴
بغل میں بیٹھے شخص کا سامنے ہاتھ رکھنا	گنجائش ہے مگر ہاتھ طولا رکھے عرضا نہیں	۱۵۵
مسجد کبیر کی پیمائش	۶۰ بائی ۶۰ فٹ (مربع ۳۶۰۰ فٹ) ہو تو مسجد کبیر ہے	۱۵۵
مسجد کبیر کا حکم	نمازی کے قدم سے دو صف کی دوری پر گذرنا جائز ہے	۱۵۵

نوافل کا بیان

رکعات اشراق	کم از کم ۲ ر کعت زیادہ سے زیادہ ۶ ر کعت	۱۵۶

مسائل	احکام	صفحہ
رکعات چاشت	اقل ۲؛ اکثر ۱۲؛ اوسط ۸؛ اور یہی اوسط افضل ہے	۱۵۶
رکعات اوابین	۶ ر رکعت، مغرب کی دوسنت کے ساتھ	۱۵۶
رکعات تہجد	اقل ۲ رکعت؛ اوسط ۴؛ اور اکثر ۸ اور یہی اکثر افضل ہے	۱۵۷
رکعات کسوف (سورج گہن)	۲ ر رکعت باجماعت سراً	۱۵۸
رکعات خسوف (چاند گہن)	۲ ر رکعت تنہا تنہا	۱۵۸

قضا نماز کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
صاحب ترتیب بننے کا معیار	جس شخص پر کوئی نماز قضا نہ ہو، یا ۶ ر سے کم نمازیں قضا ہوں	۱۵۸
تین صورتوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:	وقت تنگ ہونا، بھول جانا، ۵ سے اوپر نمازیں قضا ہونا	۱۵۹
وتر اور عشاء کا شمار	دونوں شمار میں ا ر ہیں، لیکن ترتیب ان میں لازم ہے	۱۶۱
جب قضا کرتے کرتے ۵ نماز رہ جائیں	ترتیب عود نہیں کرے گی یہی صحیح ہے	۱۶۱
قضا نماز: جہری یا سری قراءت کے حق میں	وہ ادا کے مثل ہے خواہ دن میں قضا کرے یا رات میں	۱۶۱

سجدۂ سہو کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
محل ادا میں خاموشی کی وہ مقدار جو موجب ہے	۳ بار سبحان ربی الأعلی کی مقدار	۱۶۲

مسائل	احکام	صفحہ
قعدۂ اولیٰ میں درود کی وہ مقدار جو موجب ہے	اللھم صل علی محمد تک پڑھنا مگر نفل اور سنت میں یہ موجب سجدہ نہیں	۱۶۲
پہلی اور تیسری رکعت میں قعدہ کرنا	بقدر تشہد کر لیا تو موجب سجدہ ہے	۱۶۳
جہر کی بجائے سر یا برعکس قراءت کرنا	ماتجوز بہ الصلاۃ یعنی ۳۰ حروف کے بقدر کرلی تو موجب ہے، ورنہ نہیں	۱۶۳
واجب الاعادہ نماز کے اعادہ کا وقت	جب تک نماز کا وقت باقی ہو، پھر فقط استغفار ہے تاہم اعادہ مستحب ہے	۱۶۴
سجدۂ سہو بھولنے پر تلافی کی حد: (صفحہ ۱۶۴)		
جب تک منافی صلاۃ قول وعمل نہ کرے (گو سینہ قبلہ سے پھر جائے) اور نہ مسجد سے نکلے		
خارج مسجد میدان میں ہو تو: جب تک صفوں سے تجاوز نہ کرے، اور اکیلا ہو تو چہار جانب بقدر موضوع سجود نہ نکلے		
اور ۳۳۴ میٹر مربع کمرے سے چھوٹے کمرے میں ہو تو باہر نہ گیا ہو، اس سے بڑا کمرا اور صحن بحکم میدان ہے		

معذور اور مریض کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
معذور شرعی بننے کی حد	عذر ایسا لگاتار لاحق ہو کہ بالکل نماز کا وقت نہ ملے	۱۶۵
عذر برقرار رہنے کی حد	ہر نماز کے وقت کم از کم ایک بار وہ عذر پایا جائے	۱۶۵

معذور کا حکم: (ص:۱۶۵)		
۱-ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے اب اس کا وضو اس عذر سے نہیں ٹوٹے گا نماز پڑھتا رہے		
۲-البتہ اس کے علاوہ دوسرے ناقض سے ٹوٹ جائے گا		
۳-اسی طرح نماز کا وقت نکلنے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے		
مسلسل کپڑا ناپاک ہونے پر معافی کا معیار	ہر ۲-۳ منٹ پر ناپاکی ہوتی رہتی ہو تو دھوئے بغیر نماز صحیح ہے	۱۶۶
بیہوشی کی وہ مقدار جو نماز کو معاف کرتی ہے	کل ۶ رنماز تک بیہوشی رہی تو معاف ہے، فدیہ لازم نہیں	۱۶۶
درمیان میں طاری شدہ افاقہ کا اعتبار	اگر اس کا کوئی وقت معین ہو تو معتبر ہے اور از سر نو حساب ہوگا ورنہ نہیں	۱۶۷

سجدۂ تلاوت کا بیان

سجدوں کی تعداد: (ص:۱۶۷)		صفحہ
عندنا: ۱۴- قرآن کے نصف اول میں ۴، نصف ثانی میں ۱۰		
عند الشافعی واحمد: ۱۴- لیکن ان کے یہاں سورہ ص کا سجدہ نہیں اور حج میں دو سجدے ہیں		
عند مالک: ۱۱- مفصلات یعنی نجم، انشقاق، اور علق کے سجدوں کے وہ قائل نہیں		
شافعی امام نے وہاں سجدہ کیا جہاں حنفی کے یہاں نہیں	مقتدی امام کی متابعت کرے البتہ خارج صلاۃ میں ہو تو سجدہ لازم نہیں	۱۶۸
جہاں حنفی کے یہاں سجدہ تھا مالکی نے نہیں کیا	امام کی متابعت میں حنفی بھی سجدہ نہیں کرے گا	۱۶۸

سفر شرعی کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
سفر شرعی کی حد	۷۷ رکلومیٹر ۲۴۸.۵۱ رمیٹر	۱۶۹
سفر شرعی کا اصل معیار	فجر سے زوال تک پیدل ۳ ردن کی مسافت، کل ۱۸ گھنٹے	۱۷۰
مسافت سفر: عند الشافعی واحمد رحمہا اللہ	۱۳۱ رکلومیٹر، ۶۷۳ رمیٹر، ۶۰۰ رملی میٹر	۱۷۱
مسافت سفر: عند مالک رحمہ اللہ	۱۱۵ رکلومیٹر، ۲۱۴ رمیٹر، ۴۰۰ رملی میٹر	۱۷۱
بحری سفر میں مسافت سفر کی حد	۹۶ ۳ بحر میل، تفصیل کتاب میں دیکھئے	۱۷۲
ہوائی سفر میں مسافت سفر کی حد	جہاز بحری یا بری جس راستہ سے اڑے اس کا اعتبار ہوگا	۱۷۳

فدیہ کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
ایک نماز کا فدیہ غلے میں	ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۰۰ رملی گرام، گیہوں یا قیمت	۱۷۴
ایک روزے کا فدیہ غلے میں	ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۰۰ رملی گرام، گیہوں یا قیمت	۱۷۵
ایک دن کی نماز کا فدیہ	کل ۶ نماز کا: ۹ رکلو ۶۰۰ رگرام گیہوں یا قیمت	۱۷۵
کشمس اور چھوہارے سے فدیہ	گیہوں کی مذکورہ مقدار سے دوگنا، اور یہ بہتر ہے	۱۷۵

مسائل	احکام	صفحہ
ایک نماز کے فدیہ کو تقسیم کر کے دینا	درست ہے	۱۷۵
کئی نمازوں کا فدیہ ایک ہی مسکین کو دینا	یہ بھی درست ہے، البتہ کفارات میں یہ درست نہیں	۱۷۵
مریض کا رمضان سے پہلے روزے کا فدیہ ادا کرنا	صحیح نہیں، البتہ رمضان آجانے کے بعد آئندہ کا بھی صحیح ہے	۱۷۶
فدیہ کا مصرف	وہی ہے جو زکاۃ مصرف ہے	۱۷۶
کس قدر بیہوشی پر فدیہ لازم نہیں؟	۶ر نماز تک بیہوشی رہی تو نمازیں معاف، فدیہ لازم نہیں	۱۷۷

کتاب الجنائز

مسائل	احکام	صفحہ
مرد کے لئے کفن سنت کی مقدار	۳ر کپڑے: ۱-کرتا (کفنی) ۲-لفافہ، ۳-تہبند	۱۷۷
عورت کے لئے کفن سنت کی مقدار	۵ر کپڑے: مذکورہ تین، اور ۴-اوڑھنی، ۵-سینہ بند	۱۷۸
کرتا (کفنی) کی پیائش	گلے سے پاؤں تک	۱۷۸
لفافہ یعنی لپیٹنے کی چادر کی پیائش	میت کے قد سے تقریباً دو بالشت لمبی	۱۷۸
تہبند (ازار) کی پیائش	میت کے قد کے برابر یعنی سر سے پاؤں تک	۱۷۸
اوڑھنی کی پیائش	چوڑائی: حسب ضرورت؛ لمبائی: ۳ر ہاتھ یعنی ۶ر بالشت	۱۷۹
سینہ بند کی پیائش	چوڑائی زیر بغل سے گھٹنوں تک، لمبائی اتنی کہ بندھ جائے	۱۷۹

کفن پہنانے کی ترتیب: (ص:۱۷۹)		
بدن سے متصل کرتا پھر ازار پھر لفافہ پہنا کر دو طرف گرہ باندھیں اور قبر میں یہ گرہیں کھول دیں		
اور عورت کے لئے:		
اوڑھنی کو کفنی کے بعد سر پر رکھ کر اس کے سرے مع بال کے دائیں بائیں سینہ پر ڈال دیں، اور سینہ بند کو ازار کے بعد لفافہ سے پہلے باندھیں پس عورت کے لئے ترتیب یوں ہوگی: پہلے کرتا، پھر اوڑھنی، پھر ازار، پھر سینہ بند، پھر لفافہ		
کفن کفایت کی مقدار مرد کیلئے	۲ رکپڑے: ازار اور لفافہ (اس سے کم مکروہ ہے)	۱۸۰
کفن کفایت کی مقدار عورت کیلئے	۳ کپڑے: ازار/کرتا، لفافہ، اوڑھنی	۱۸۰
کفن ضرورت کی مقدار مرد وعورت کیلئے	ایک اتنا کپڑا جس میں میت چھپ جائے یا پھر جو میسر ہو	۱۸۰
نابالغ کے کفن کی مقدار	مثل بالغ کے پورا ہی کفن دینا بہتر ہے، مگر یہ کہ مرا ہوا بچہ پیدا ہو	۱۸۰
خنثی کے کفن کی مقدار	خنثی مشکل ہو تو کفن عورت، ورنہ مرد یا عورت جسکی علامات زیادہ ہو اس کا کفن	۱۸۱
محرم کا کفن	وہ مثل حلال کے ہے، پس سرڈھانکنے اور خوشبو میں حرج نہیں	۱۸۲
شہید کا کفن	پہنے کپڑوں ہی میں دفن کردیں، البتہ کمی بیشی ہو تو اس کو ختم کردیں	۱۸۲
قبر کی اوسط گہرائی	متوسط قد والے کے سینہ تک، اور یہی عام معمول ہے	۱۸۳

قبر کی کم از کم گہرائی	نصف قامت تک، اس سے کم مکروہ ہے	۱۸۳
قبر کی اعلیٰ گہرائی	درمیانی شخص کے بقدر قامت	۱۸۳
قبر کی لمبائی	بقدر ضرورت، اور یہ معتدل انسان کیلئے ۲ میٹر ہوتی ہے	۱۸۳
قبر کی چوڑائی	بقدر ضرورت، معتدل شخص کیلئے ۷۵ / سینٹی میٹر یعنی پون میٹر	۱۸۳

کتاب الزکاۃ

مسائل	احکام	صفحہ
اونٹ، گائے بھینس اور بکری کا نصاب	تفصیل کتاب میں دیکھئے	۱۸۴
سونے کا نصاب جس پر زکاۃ واجب ہے	۸۷/گرام ۴۸۰ / ملی گرام سونا	۱۸۸
چاندی کا نصاب جس پر زکاۃ واجب ہے	۶۱۲/گرام، ۳۶۰/ملی گرام چاندی	۱۸۸
اگر سونے کے ساتھ چاندی یا کرنسی ہو	مجموعہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکاۃ واجب ہے	۱۸۸
صدقہ فطر اور قربانی کا نصاب	وہی ہے جو زکاۃ کا ہے	۱۸۸
درمیان سال میں نصاب میں کمی بیشی	زکاۃ بدستور لازم رہے گی، مگر یہ کہ نصاب بالکلیہ ختم ہو گیا ہو	۱۹۰
صدقہ فطر/قربانی اور زکاۃ کے نصاب میں دو فرق ہیں: (ص:۱۸۹)		
۱- اس میں مال غیر نامی بھی شمار ہوتا ہے، برخلاف زکاۃ کے		
۲- اس میں سال گذرنا ضروری نہیں، برخلاف زکاۃ کے		

تکمیل نصاب کے لئے مختلف اشیاء کو ملانا: (ص:۱۹۰)		
ایک ہی جنس کے اشیاء کو ملائیں گے مختلف اجناس کو نہیں اور اجناس کل ۴ ہیں:		
۱-سونا، چاندی، کرنسی اور مال تجارت، یہ چاروں ایک جنس ہیں		
۲-اونٹ؛ ۳-بھیڑ، بکری: یہ دونوں ایک ہیں؛ ۴-گائے بھینس: یہ دونوں بھی ایک جنس ہیں		
کس قدر غریبی پر زکاۃ لینا جائز ہے؟	جس کے پاس بقدر نصاب مال نامی ہو اور نہ غیر نامی	۱۹۱
کس قدر ناداری پر سوال کرنا جائز ہے؟	جس کے پاس ۲۴ ر گھنٹے کا بھی گذارا نہ ہو	۱۹۱
صدقہ فطر کی مقدار	۱ ر کلو ۵۷۴ ر گرام، ۶۴۰ ملی گرام گیہوں یا قیمت	۱۹۳

کتاب الصوم

مسائل	احکام	صفحہ
۳۰ اور ۲۹ کا چاند مسلسل کتنے ماہ ہو سکتا ہے؟	۳۰ کا ۴ ماہ تک اور ۲۹ کا ۳ ماہ تک	۱۹۵
رمضان کا چاند پیشگی معلوم کرنے کا طریقہ	رمضان کی ۵ تاریخ جو دن ہو اگلے رمضان کا وہ پہلا دن ہوگا؛ یا جس دن رجب کی ۴ تاریخ ہوگی اسی دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی	۱۹۵
روزے میں کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟	کامل جرم پر آتا ہے، تفصیل کتاب میں	۱۹۶
روزے کا کفارہ: (ص:۱۹۸)		
۱-ایک غلام آزاد کرے، اس پر قدرت نہ ہو تو:		

۲-لگاتار ۶۰ روزے رکھے، بالکل ناگاہ نہ ہو خواہ مرض یا سفر سے یا نفاس سے، البتہ حیض سے حرج نہیں		
۳-اگر روزوں پر واقعتاً قدرت نہ ہو تو ۶۰ مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے		
۴-کھلانے کی بجائے غلہ یا قیمت بھی دے سکتا ہے، ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار کے حساب سے دے		
ایک روزے کا کل کفارہ غلے میں	۳۰رصاع یعنی ۹۴رکلو ۴۷۸ر گرام ۴۰رملی گرام	۱۹۹
ایک وقت میں مجموعہ ۳۰ صاع ۱رفقیر کو دینا	درست نہیں، نصف صاع ہی ادا ہوگا	۱۹۹
ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دینا	جائز نہیں، ہر ایک کو کم از کم نصف صاع دینا لازم ہے	۲۰۰
ایک فقیر کو ۶۰ دن تک نصف صاع دینا	درست ہے کہ ہر آنے والے دن وہ نیا فقیر ہے	۲۰۰
البتہ فدیہ کا حکم اس سے الگ ہے: کئی روزوں کا فدیہ ایک کو دینا، یا ایک روزے کا فدیہ تقسیم کرکے دینا سب صحیح ہیں		
۱ر رمضان میں ۱ر سے زیادہ روزے توڑنا	ایک ہی کفارہ لازم ہوگا جبکہ کفارہ اگلا روزہ توڑنے سے پہلے ادا نہ کیا ہو	۲۰۰
الگ الگ رمضان میں روزے توڑنا	ہر رمضان کے حساب سے الگ الگ کفارہ لازم ہوگا	۲۰۰

کتاب الحج

صفحہ	احکام	مسائل
		احرام کی ممنوعات وجنایات ۷ رہیں: (ص:۲۰۱)
		(۱) سلا ہوا کپڑا پہننا (۲) سر اور چہرے کا ڈھانکنا (۳) خوشبو استعمال کرنا (۴) بدن کے بال دور کرنا (۵) ناخن تراشنا (۶) جماع یا دواعی جماع کرنا (۷) وحشی جانور کا شکار کرنا
		فائدہ: ان کے ارتکاب پر جزا مطلقاً لازم آتی ہے: خواہ جان کر کرے یا بھول کر، مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، سوتے میں ہو یا جاگتے میں، خود کرے یا دوسرے کے ذریعہ
۲۰۲	ایک دن یا ایک رات تک (یعنی معتدل ایام میں ۱۲ گھنٹے تک) پہنا تو دم لازم، ورنہ صدقہ واجب ہوگا	سلا ہوا کپڑا پہننے میں جزا کی مقدار
۲۰۳	ایک دن یا ایک رات تک ڈھانکا تو دم ورنہ صدقہ واجب ہوگا	سر یا چہرہ ڈھانکنے میں جزا کی مقدار
۲۰۳	وقت ضرورت گنجائش ہے بلکہ یک گونہ ضروری ہے	عورت کا ہاتھ یا دستی پنکھے سے پردہ کرنا
۲۰۴	جائز نہیں، کم چوڑے تسمے والے چپل میں حرج نہیں	مرد کا احرام میں موزے یا فل بٹ پہننا
۲۰۴	حرج نہیں، تاہم نہ پہننا بہتر ہے یہی حکم زیور کا ہے	عورت کا موزے اور دستانے پہننا
۲۰۴	جائز ہے البتہ سر اور چہرہ ڈھانکنا جائز نہیں	سوتے وقت چادر سے ہاتھ اور پیر ڈھانکنا
۲۰۴	گنجائش ہے، کہ یہ ڈھانکنے کے حکم میں نہیں	کان میں روئی کا پھایہ رکھنا

احرام میں خوشبو لگانے پر جزا کی مقدار	ایک کامل عضو پر لگائی تو دم، ورنہ صدقہ لازم ہے گو اس کو فوراً دھولیا ہو	۲۰۵
متعدد اعضاء میں تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی	بعد جمع ایک کامل عضو کو پہنچ جائے تو دم ورنہ صدقہ لازم ہے	۲۰۵
متعدد اعضاء میں کامل خوشبو لگائی	ایک ہی مجلس میں ہو تو ایک دم، ورنہ بقدر مجالس متعدد دم لازم ہوں گے	۲۰۵
کپڑے پر خوشبو لگانا	ایک دن یا ایک رات کامل تک وہ کپڑا استعمال کیا تو دم ورنہ صدقہ	۲۰۶
کھانے میں خوشبو استعمال کرنا	کھانا پکالیا گیا تو کچھ واجب نہیں، ورنہ دم لازم ہوگا جبکہ خوشبو کثیر ہو	۲۰۶
کثیر مشروبات میں خوشبو استعمال کرنا	اگر خوشبو غالب ہو اگرچہ اس کو پکالیا گیا ہو تو دم ورنہ صدقہ	۲۰۶
خوشبو سے مراد:	جس میں لذت بخش بو ہو، اور عند العقلاء وہ خوشبو شمار ہوتی ہو	۲۰۷
سینہ پنڈلی وغیرہ ایسے عضو کے بال کاٹنا جو معمول بہ نہیں	فقط صدقہ لازم ہے، خواہ کامل عضو کے کاٹے	۲۰۹
سر، ڈاڑھی، زیر ناف اور بغل کے بال کاٹنا	چوتھائی عضو کے کاٹنے میں دم، اس سے کم میں صدقہ واجب ہے	۲۰۹
فقط مونچھیں کاٹنا	صدقہ لازم ہے، کہ یہ ڈاڑھی کا جزو ہے اور چوتھائی نہیں بنتا	۲۰۹
ادائے ارکان سے قبل دیگر محرم کے بال کاٹنا	حالق پر صدقہ اور محلوق پر دم واجب ہے	۲۰۹

ادائے ارکان سے قبل محرم کا حلال کے بال کاٹنا	حالق پر ایک دومشت گیہوں، جبکہ محلوق پر کچھ لازم نہیں	۲۱۰
ادائے ارکان سے قبل حلال کا محرم کے بال کاٹنا	حالق پر کچھ نہیں محلوق پر دم لازم ہے	۲۱۰
ادائے ارکان کے بعد محرم کا محرم کے بال کاٹنا	جائز ہے اس میں کچھ لازم نہیں، البتہ ناخن کاٹنا جائز نہیں	۲۱۰

ملحوظہ: باب حج میں صدقہ سے مراد ہر جگہ صدقہ فطر ہے، البتہ خوشبو کے استعمال میں صدقہ سے مراد کمیت کے لحاظ سے بکرے کی قیمت ہے، یعنی اگر نصف عضو پر لگائی تو بکرے کی قیمت کا نصف صدقہ لازم ہوگا، اور اگر ثلث پر لگائی تو ثلث قیمت علی ہذا۔

احرام میں ناخن تراشنے پر جزا کی مقدار: (ص:۲۱۰)

۱-ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے پانچوں ناخن ایک مجلس میں کاٹے تو ایک دم واجب ہے

۲-دونوں ہاتھ اور پیر کے (کل ۲۰) ناخن ایک مجلس میں کاٹے، تو بھی ایک دم واجب

۳-ایک دو انگلیوں کے کاٹے، تو ہر انگلی کے عوض نصف صاع گندم یا قیمت واجب ہے

۴-ہر عضو میں ۵ سے کم یہاں تک کہ چار چار کر کے کل ۱۶ ناخن کاٹے، تو مثل بالا (نمبر ۳ کا) حکم ہے: البتہ سب ناخنوں کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے تو پھر دم یا صدقہ میں اختیار ہوگا

احرام میں جماع پر جزا کی مقدار: ۲۱۱

۱-وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا: ایک بکری لازم اور حج فاسد ہو گیا مگر آخر تک ارکان ادا کرتا رہے، اور آئندہ سال حج کرنا ضروری ہوگا گو نفل حج ہو۔

۲-وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا: ایک گائے یا اونٹ لازم، اور حج فاسد نہ ہوگا

۳- قارن نے عمرہ سے پہلے جماع کیا: حج اور عمرہ دونوں فاسد دونوں کی قضا واجب ہوگی، اور دو احرام پر جنایت سے ۲/دم واجب ہوں گے مگر دم قران ساقط ہو جائے گا

۴- قارن نے عمرہ کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا: عمرہ صحیح، حج فاسد اور ۲/دم (بکریاں) لازم ہوں گے اور دم قران ساقط ہو جائے گا

۵- قارن نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا: حج وعمرہ دونوں صحیح اور ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) اور ایک بکری لازم ہوگی اور دم قران بھی ساقط نہ ہوگا۔

۶- عمرہ کرنے والے نے اکثر طواف کے بعد حلق سے پہلے جماع کیا: ا/بکری لازم اور عمرہ ہوگیا

۷- عمرہ کرنے والے نے اکثر طواف سے پہلے جماع کیا: عمرہ فاسد ہوگیا اور ا/بکری لازم

متعدد بار جماع کرنا	ایک مجلس میں ہو تو ایک کفارہ، ورنہ باعتبار مجلس تعدد ہوگا	۲۱۳
دواعی جماع: شہوت سے بوسہ وغیرہ کرنا	یہ نہ مفسد ہے اور نہ موجب کفارہ، البتہ انزال ہوگیا تو دم لازم ہوگا	۲۱۳
محض تفکر یا فحش مواد دیکھنے سے انزال ہوگیا	اس میں سوائے غسل کے کچھ نہیں، تاہم یہ سب حرام ہیں	۲۱۳

احرام یا حرم میں وحشی جانور کے شکار کی جزا: (ص: ۲۱۴)

اس مقام کے ۲ واقف کار اشخاص سے جانور کی قیمت لگائی جائے پھر اس قیمت سے:

۱- قربانی کے لائق جانور خرید کر ذبح کردے مگر اس کا گوشت ہر دم کی طرح صدقہ کردے

۲- یا گیہوں خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع (تقریباً ا/کلو ۶۰۰ گرام) صدقہ کردے

۳- یا ہر نصف صاع کے عوض ا/روزہ رکھ لے (ان کو ان ۳ میں سے کسی ا/کا اختیار ہے)

غیر وحشی جانور مثلاً کتا، بلی وغیرہ کو مارنا	کوئی جزا لازم نہ ہوگی، یہی حکم ہر دریائی جانور کا ہے	۲۱۵

۷ ؍موذی جانور شکار سے مستثنیٰ ہیں

۱-کوا؛ ۲-چیل؛ ۳-بھیڑیا؛ ۴-سانپ؛ ۵-بچھو؛ ۶-چوہا؛ ۷-کٹ کھنا کتا:

پھر ان ۷ ؍ پر بعض حشرات الارض کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو موذی ہیں جیسے کن کھجورا، کاٹنے والی چیونٹی، مچھر، کھٹمل، مکھی، بھڑ، چھپکلی وغیرہ کہ ان میں بھی کوئی جزا لازم نہ ہوگی:

البتہ جوں کا مارنا جائز نہیں گو وہ موذی ہے کیونکہ جو کیڑا بدن سے پیدا ہو اس کا مارنا جائز نہیں

جوں کے مارنے پر جزا کی مقدار	ا ؍ مشت گیہوں یا روٹی کا ٹکڑا جو چاہے صدقہ کرے، البتہ ۳ ؍ سے زائد میں خواہ زائد کتنی ہی ہوں بقدر صدقہ فطر	۲۱۶
دیگر کے بدن کی یا زمین پر گری جوں مارنا	اس میں کچھ واجب نہیں	۲۱۶

وحشی جانور کا انڈا توڑنے میں جزا: (ص:۲۱۶)

۱-اگر وہ انڈا گندا نہیں ہوا تھا تو اس پر فقط اس انڈے کی قیمت واجب ہوگی

۲-اگر وہ انڈا گندا ہو چکا تھا تو اس پر کچھ واجب نہیں

۳-اگر انڈے سے مرا ہوا بچہ نکلا تو اگر یہ معلوم ہو کہ وہ توڑنے سے پہلے ہی مرا ہوا تھا تو کچھ واجب نہیں

۴-اور اگر توڑنے کی وجہ سے مرا یا مرنے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو ان دونوں صورتوں میں زندہ بچے کی قیمت واجب ہوگی

شکار کو زخمی کرنا	اگر زخم ایسا ہو کہ اب وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا تو کامل قیمت، ورنہ جس قدر جانور کی قیمت کم ہوئی وہ واجب ہوگی	۲۱۷

دو یا زیادہ محرم نے مل کر ایک شکار کیا	ہر ایک پر علاحدہ پوری جزا واجب ہوگی، بوجہ تعدد احرام کے	۲۱۷
دو یا زیادہ حلال نے مل کر حرم کا شکار کیا	ایک جزا میں سب شریک ہوں گے، بوجہ اتحاد محل کے	۲۱۷
قارن نے شکار کیا	اس پر دو جزا لازم ہوگی، بوجہ دو احرام میں جنایت کے	۲۱۸
بایں خیال کہ احرام نہیں رہا کئی جنایات کرلی	ایک ہی دم واجب ہوگا، بوجہ قصد واحد	۲۱۹
مقام حرم کے درخت اور گھاس کاٹنے پر جزا:		۲۱۹

۱- درخت ایسا ہو جسے انسان اگاتا ہے جیسے گیہوں، باجرہ، آم وغیرہ اس کا کاٹنا جائز ہے خواہ خود اگا ہو یا اگایا گیا ہو

۲- خودرو گھاس اور وہ درخت جسے عموماً بویا نہیں جاتا جیسے پیلو، نیم، کیکر وغیرہ اس کی ۲ صورتیں ہیں:

اول: کسی انسان نے اس کو بویا ہے، تو اس کا بھی کاٹنا جائز ہے

دوم: خود بخود اگا ہے، تو اس کا کاٹنا جائز نہیں، جزا واجب ہوگی:

جزا کا مطلب: اس کی قیمت صدقہ کرے، اور قصداً کاٹا ہے تو توبہ بھی کرے

البتہ ایسا درخت یا اس کی کوئی ٹہنی سوکھ جائے تو اس کے کاٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں

اسی طرح اذخر گھاس بھی کاٹ سکتے ہیں، اس کو شارع نے مستثنیٰ کیا ہے

اذخر یہ ایک خوشبودار گھاس ہے ہندی میں اس کو گندھیس، گندھیل اور بھڑاںچ کہتے ہیں

حرم کی گھاس جانور کو چرانا	جائز نہیں جزا واجب ہوگی، البتہ جانور خود چر لے تو حرج نہیں	۲۲۰

میقات کا بیان

حرم کی حدود	مدینہ کی طرف ۳ میل، عراق کی طرف ۷ جعرانہ کی طرف ۹ اور جدہ کی طرف ۱۰	۲۲۱
حرمی/اہل حرم کی تعریف	حرم میں رہنے والا، خواہ وہاں کا مستقل باشندہ ہو یا مسافر ہو	۲۲۱
اہل حرم کی میقات حج میں	حرم کی ساری زمین، تاہم مسجد حرام سے احرام افضل ہے	۲۲۱
اہل حرم کی میقات عمرہ میں	حدود حرم کی باہر حل کی ساری زمین، اور تنعیم سے افضل ہے	۲۲۱
حرمی نے حج کا احرام حل سے باندھا	دم واجب ہوگا، البتہ غلطی کی تلافی کرلے تو دم ساقط ہو جائے گا	۲۲۱
حرمی نے عمرہ کا احرام حرم سے باندھا	دم واجب ہوگا، مگر یہ کہ تلافی کرلے	۲۲۱
حلی/اہل حل کی تعریف	اہل آفاق کی میقات اور حرم کے درمیان رہنے والا شخص	۲۲۲
اہل حل کی میقات حج وعمرہ میں	حرم کی حد سے پہلے، بہتر ہے کہ اپنے گھر سے احرام باندھے	۲۲۲
حلی کا حج وعمرہ کا قصد کئے بنا حرم میں جانا	اس وقت اس پر احرام لازم نہیں	۲۲۲
حرمی کا حرم سے باہر آکر پھر داخل ہونا	اگر حل سے آگے نہ بڑھے تو احرام لازم نہیں، ورنہ لازم ہوگا	۲۲۲

اہل آفاق (حل سے باہر رہنے والوں) کی میقات ۵ رہیں: (ص ۲۲۳)
۱-ذوالحلیفہ: یہ اہل مدینہ کی میقات ہے، مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے صرف ۵-۶ میل پر یہ جگہ ہے، یہاں سے مکہ تقریباً ڈھائی سو میل ہے
۲-جحفۃ: یہ شام اور اہل مغرب کی میقات ہے، مکہ معظمہ سے تقریباً ۱۰۰ ارمیل پر بجانب مغربی ساحل ہے
۳-قَرْنُ المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، مکہ سے مشرق میں تقریباً ۳۵ رمیل نجد کے راستہ پر ایک پہاڑی ہے
۴-ذاتِ عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، یہ مکہ سے شمال مشرق میں ۵۰ رمیل کی دوری پر ہے
۵-یَلَمْلَم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، یہ تہامہ کی ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ سے جنوب مشرق میں تقریباً ۴۰ رمیل پر ہے
متفرقات میقات: (ص: ۲۲۴)
۱-اہل ہند، پاک، اور بنگلہ دیش کی میقات ہوائی سفر میں قرن منازل اور ذات عرق ہے
۲-بغیر احرام کے میقات سے تجاوز پر دم واجب ہوتا ہے، لیکن ارکان شروع نہ کئے ہوں تو کسی بھی میقات پر جا کر دوبارہ احرام باندھنے سے دم ساقط ہو جاتا ہے
۳-ہمارے یہاں میقات سے احرام بہر صورت ضروری ہے، خواہ حج وعمرہ کا قصد ہو یا تجارت یا سیر وتفریح کا
۴-کاروباری اور ٹیکسی والوں کو بدرجِ مجبوری امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے
۵-احرام کا مطلب عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے یا حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے
۶-اگر راستے میں دو میقات آئیں تو اول سے احرام افضل ہے اور ثانی سے بھی مضائقہ نہیں

۷-مواقیت کا فائدہ یہ ہے کہ: بغیر احرام تجاوز جائز نہیں، تاہم تقدیم جائز بلکہ افضل ہے

۸-احرام کے کپڑے پہننے کے بعد جب تک تلبیہ نہ پڑھے احرام شروع نہیں ہوتا

۹-کسی نے جدہ پہنچ کر احرام باندھا تو واجب شدہ دم ساقط ہو جائے گا کہ جدہ راجح قول میں میقات ہے البتہ قصداً ایسا کرنا یعنی اپنے میقات سے احرام کو مؤخر کرنا سخت گناہ ہے

۱۰-آفاقی حل کیلئے نکلے حرم جانے کا قصد نہ ہو تو میقات سے گذرنے پر احرام لازم نہیں

۱۱-سفر میں میقات مشتبہ ہو جائے تو مثل قبلہ کے تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے

کتاب النکاح

مسائل	احکام	صفحہ
مہر کی کم از کم مقدار	۳۰ گرام، ۶۱۸ ملی گرام چاندی	۲۲۶
مہر فاطمی کی مقدار	۱ کلو، ۵۳۰ گرام، ۹۰۰ ملی گرام چاندی	۲۲۶
کفارۂ ظہار کی مقدار	یہ اور کفارۂ صوم یکساں ہے، پس وہاں ملاحظہ فرمائیں	۲۲۷
ایلاء کی حقیقت	اپنی بیوی سے ۴ مہینے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا	۲۲۹
اگر مذکورہ قسم پوری کر لی	بیوی اس پر طلاق بائن کے ساتھ حرام ہو گئی	۲۲۹
اگر قسم میں حانث ہو گیا یعنی جماع کر لیا	اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا	۲۲۹
اگر ۴ مہینے سے کم کی قسم کھائی	یہ ایلاء نہیں، حانث ہو گیا تو کفارۂ یمین لازم ہوگا، ورنہ کچھ نہیں	۲۳۰
بغیر قسم کے یوں ہی عدم جماع کا عہد کیا	یہ ایلاء نہیں، اس سے کچھ لازم نہ ہوگا	۲۳۰

کفارۂ یمین/قسم: (ص: ۲۳۰)

۱-ایک غلام آزاد کرے

۲-یا ۱۰ مسکین کو صبح شام کھانا کھلائے، یا ہر ایک کو ار کلو ۶۰۰ ر گرام گیہوں یا قیمت دے

۳-یا دس مسکین کو ایک ایک جوڑا کپڑا دے، یعنی اتنا کپڑا دے کہ اکثر بدن ڈھانکا جا سکے

۴-ورنہ یعنی ان ۳ میں سے کسی پر بھی قدرت نہیں تو پھر ۳ر دن لگاتار روزے رکھے

۱۰ مسکین کو ۲ دن ایک وقت کا کھلانا	جائز ہے، حرج نہیں	۲۳۰
ایک مسکین کو ۱۰ دن صبح شام کھلانا	یہ بھی جائز ہے	۲۳۰
ایک مسکین کو ۲۰ دن ایک وقت کھلانا	یہ بھی کافی ہے کہ بوجہ تجدد حاجت ہر روز وہ نیا شمار ہوگا	۲۳۰
۲۰ مسکین کو ایک وقت کھلانا	یہ جائز نہیں، کہ ہر ایک کو کم از کم ۲ وقت کھلانا لازم ہے	۲۳۱
شام میں صبح کے علاوہ دیگر ۱۰ ر کو کھلانا	یہ بھی مثل بالا جائز نہیں	۲۳۱
غلے میں ۱۰ کی مجموعی مقدار ایک کو دینا	جائز نہیں نصف صاع ہی ادا ہوگا، مگر یہ کہ ۱۰ ر دن تک نصف نصف صاع دیتا رہے	۲۳۱
کسی مسکین کو نصف صاع سے کم دینا	جائز نہیں ہر ایک کو کم از کم نصف صاع دینا لازم ہے	۲۳۱
عنین کو مہلت دینے کی مقدار	ایک سال، صحیح ہو گیا تو فبہا، ورنہ تفریق کر دی جائے گی	۲۳۳
مجبوب (مقطوع الذکر) کی مہلت	اس کے لئے کوئی مہلت نہیں	۲۳۳

مفقود الخبر کی بیوی کیلئے انتظار کی مدت: (ص:۲۳۴)
۱-مقدمہ دائر کرنے کے بعد ۴ر سال تک ،جبکہ نفقہ کا انتظام ہو اور عفت وعصمت میں خطرہ نہ ہو،بعدہ تفریق کردی جائے گی اور عورت عدت وفات گذارے گی تب دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی
۲-اگر نفقہ کا انتظام نہ ہو،یا عصمت میں خطرہ ہوتو مناسب تحقیق وتشہیر کے بعد ہی تفریق کردی جائے گی اور عورت بجائے عدت وفات کے عدت طلاق گذارے گی،اس کے بعد نکاح کی مجاز ہوگی
ملحوظہ: یہ امام مالک کے مسلک کے مطابق ہے اور متاخرین احناف اسی پر فتوی دیتے ہیں
پھر جبکہ نکاح ثانی سے بچہ بھی ہو گیا مفقود آ گیا تو:
۱-بچہ بوجہ فراش کے زوج ثانی کا ہوگا،جبکہ نکاح کے ۶ر مہینے بعد پیدا ہو،ورنہ زوج اول (مفقود) کا شمار ہوگا
۲-عورت بہر حال مفقود کو ملے گی،نکاح کی ضرورت نہیں،البتہ تین حیض سے پہلے اس کے لئے وطی جائز نہ ہوگی

حدود کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
قتل کا کفارہ	غلام آزاد کرے،ورنہ ۲ر ماہ کے مسلسل روزے رکھے	۲۳۷
قسامہ میں قسم والوں کی تعداد اور طریقہ کار	تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۳۷

کتاب البیوع

مسائل	احکام	صفحہ
خیارشرط کی مدت	۳ر دن، اس سے اوپر ہو تو عقد موقوف ہوگا: اگر ۳ر دن میں عقد پر اتفاق کرلیا تو صحیح ورنہ فاسد	۲۳۸
عقد کے بعد اختیار دینا	یہ بھی صحیح ہے، یہ اختیار اب عقد کے وقت سے ۳ دن تک رہے گا	۲۳۹
خیارغبن کی تعریف	بقائے عقد وفسخ میں اس شخص کا خیار جس کو دھوکا دیا گیا	۲۳۹
اگر کسی کو خود دھوکا لگ گیا، بائع نے نہ دیا ہو	صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی خیار نہیں	۲۳۹
خیارغبن کا معیار	یہ فقط غبن فاحش میں حاصل ہوتا ہے غبن یسیر میں نہیں	۲۳۹

غبن فاحش اور غبن یسیر میں حد فاصل: (ص: ۲۴۰)

قیمت مقومین کے اندازہ میں نہ آتی ہو تو فاحش ورنہ یسیر: اور مجلة الأحکام میں ہے کہ جب غبن: منقولات میں ۵ فیصد؛ جانوروں میں ۱۰؛ اور زمین ومکانات میں ۲۰ فیصد پہنچ گیا تو فاحش ہے، ورنہ نہیں

ذبح کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
ذبح کی جگہ	لبہ (سینہ کے اوپر والا حصہ) اور حلق کے درمیان ہے	۲۴۱

کاٹے جانے والی رگوں کی تعداد	۴ ر ہیں: غذا، سانس اور خون کی دو رگیں؛ ۳ ر رگیں کٹ جانا بھی کافی ہے	۲۴۱
بوقت ذبح جانور کو لٹانے کا سنت طریقہ	بائیں پہلو پر لٹا کر اس کے پیر قبلہ کی سمت کریں	۲۴۲
اور ہند و پاک (برصغیر) کے لحاظ سے:	سر جنوب میں، دُم شمال میں، اور پیر مغرب کی سمت کریں	۲۴۲

قربانی کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
قربانی کا نصاب	کتاب میں جگہ ملاحظہ فرمائیں	۲۴۳
قربانی کے وجوب و سقوط میں معتبر وقت	آخری وقت کا اعتبار ہے، تفصیل کتاب میں ہے	۲۴۳
چاند مشکوک ہونے پر ۱۲ تاریخ کے متعلق ۱۳ کا شک ہو	۱۲ ر کو قربانی نہ کرے، اگر کر لی تو گوشت صدقہ کر دینا مستحب ہے	۲۴۴
جب ۹ ر اور ۱۰ ر تاریخ میں شک ہو جائے	یہی حکم ہے، یعنی مشکوک دن میں قربانی نہ کرے	۲۴۴
رات میں قربانی کرنا	روشنی کا معقول انتظام ہو تو بلا کراہت جائز ہے	۲۴۴
قربانی کی راتیں	یہ فقط دو ہیں، ۱۰ ر اور ۱۲ ر تاریخ کے درمیان	۲۴۴
اگر شہر میں کسی وجہ سے عید کی نماز نہ ہو سکے	ایسی صورت میں زوال کے بعد قربانی درست ہے	۲۴۴

اگر شہر میں کئی جگہ عید کی نماز ہوتی ہو	کسی بھی ایک جگہ نماز ہو جائے قربانی درست ہے	۲۴۴
قربانی کے بعد پتہ چلا کہ نماز کسی بنا پر فاسد تھی	قربانی صحیح ہے، فقط نماز کا اعادہ کرے	۲۴۵
دیہات جہاں نماز عید نہیں ہوتی قربانی کا وقت	صبح صادق کے بعد، تاہم طلوع آفتاب کے بعد قربانی کرنا بہتر ہے	۲۴۵
دیہاتی اپنا جانور شہر میں قربان کرے	نماز سے پہلے قربانی جائز نہ ہوگی	۲۴۵
شہری اپنا جانور دیہات میں قربان کرے	صبح صادق ہوتے ہی قربانی جائز ہے	۲۴۵
وکیل اور موکل کی جگہ میں تاریخ کا فرق ہو	دونوں ہی جگہ قربانی کا دن ہو اس کی رعایت لازم ہے	۲۴۵
قربانی کے جانور	فقط ۵ر ہیں: اونٹ، گائے، بھینس، بکرا، مینڈھا	۲۴۸
جانور کی عمریں	بکرا مینڈھا ایک سال، گائے بھینس ۲ سال، اور اونٹ ۵ سال	۲۴۸
اگر عمر میں ایک دو دن کم ہو	ایک دن بھی کم ہو کافی نہیں، البتہ مینڈھا فربہ ہو تو ۶ر ماہ کا بھی کافی ہے	۲۴۸
عمر میں بائع کی بات پر اعتماد جبکہ وہ کافر ہو	اگر ظاہری قرائن کے موافق ہو تو اعتماد کیا جا سکتا ہے	۲۴۸
کسی جانور میں عمر کے دانت نہ نکلے ہوں	اگر مطلوبہ عمر پوری ہے تو کافی ہے، اعتبار عمر ہی کا ہے	۲۴۸
بڑے جانور میں ۷ر سے زائد کی شرکت	کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی البتہ ۷ر سے کم میں حرج نہیں	۲۴۹

غریب نے فقط اپنے لئے جانور خریدا	اب کسی کو شریک نہیں کرسکتا، برخلاف غنی کے	۲۴۹
قربانی میں مانع اور غیر مانع عیوب کی تحدید	کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۵۰

عقیقہ کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکرا ذبح کرنا	گنجائش نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے	۲۵۵
بڑے جانور میں حصہ لینا	جائز ہے، لڑکی کا ایک اور لڑکے کے دو حصے رکھ لیں	۲۵۶
عقیقہ کے دن چاندی کا صدقہ	بچہ کے سر کے بال برابر؛ تاہم عقیقہ کیلئے یہ ضروری نہیں	۲۵۶
ساتویں روز عقیقہ کا مطلب	بچہ جمعہ کو پیدا ہو تو جمعرات کو عقیقہ کریں	۲۵۶
اگر ساتویں روز عقیقہ نہ کرسکا	۱۴ویں، یا ۲۱ویں، یا ۲۸ویں روز کرلیں إلى نهاية	۲۵۶
کیا سات کی رعایت لازم ہے؟	نہیں! مستحب ہے	۲۵۶
مرے ہوئے بچہ کا عقیقہ	درست نہیں، البتہ ۷ روز سے قبل مرگیا تو درست ہے	۲۵۶
عقیقہ کے جانور کے اوصاف وعمر	بالکل قربانی کی طرح ہے؛ چمڑے اور گوشت کا بھی یہی حکم ہے	۲۵۷

کتاب الحظر و الاباحۃ

کھانے پینے کی اشیاء کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
جلالہ جانور	نجاست کھانے پر جس کے گوشت میں بدبو پیدا ہو	۲۵۷

جلالہ کی حلت کیلئے حبس (روک کردانہ، چارہ کھلانے کی) کی مدت:

ہر الروایت میں مرغی میں ۳ دن، بکری میں ۴ دن اور گائے واونٹ میں ۱۰ دن کی قید مذکور ہے، مگر اصح یہ ہے کہ کوئی تحدید نہیں، جب بھی یہ ظن غالب ہو کہ نجاست کا اثر ختم ہو گیا تو حلال ہے ورنہ نہیں

حلال جانور کی ۷ ر چیزیں کھانا حرام ہے (ص:۲۵۹)

۱-۲-شرمگاہ: نر اور مادہ دونوں کی؛ ۳-خصیتین (فوطے) ۴-مثانہ (پیشاب کی تھیلی)

۵-غدود (گراہ / گانٹھ جو کھال اور گوشت کے درمیان ہوتی ہے؛ ۶-پتہ (جس میں زرد کڑوا پانی ہوتا ہے) ۷-بہتا خون (جو رگوں میں سے نکلتا ہے)

مسائل	احکام	صفحہ
بعد ذبح مرغی کو کتنے گرم پانی میں ڈالنے پر حرمت آتی ہے؟	تفصیلی بات ہے، کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۶۰
کھانا کتنی اور کونسی انگلیوں سے مستحب ہے؟	۳ ر انگل سے: شہادت کی، بیچ کی اور انگوٹھے سے	۲۶۲
کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی ترتیب	اولاً درمیان کی انگلی، پھر شہادت کی، پھر انگوٹھے کو صاف کریں	۲۶۲

دوا علاج کا بیان

اسقاط حمل کی تحدید:	۲۶۲

۱-جان پڑنے کے بعد (جس کی مدت عموماً ۱۲۰ دن ہے) جائز نہیں، زندہ انسان کا قتل ہوگا
۲-جان پڑنے سے پہلے کوئی واقعی مجبوری ہو تو اسقاط کی گنجائش ہے، واقعی مجبوری جیسے:
الف: حمل کو رکھنے میں عورت کی جان کا؛ یا کسی عضو کے تلف کا؛ یا بڑی بیماری کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ ماہر قابل اعتماد مسلمان ڈاکٹر کے بتلانے یا خود کے ظن غالب سے پیدا ہوا ہو
ب: عورت کا دودھ پیتا بچہ ہو اور حمل سے دودھ منقطع ہو گیا اور دایا بھی میسر نہیں یا اس کی اجرت کا انتظام نہیں
ت: عورت کو کوئی مہلک مرض ہے اور ڈاکٹروں کی رائے میں بچہ بھی اس سے متاثر ہوگا
ج: اطباء کی رائے میں بچہ بالکل اپاہج، یا نہایت عیب دار پیدا ہوگا جو خاندان کیلئے فقط ناتواں بوجھ کے سوا کچھ نہ ہوگا
د: حمل زنا کا ہو، جس کے بقا میں ضیاع نسب کے ساتھ عورت کیلئے معاشرہ میں بدنامی یا شورش کا اندیشہ ہو
لیکن معمولی اعذار کی بنا پر اسقاط کی اجازت نہ ہوگی، کیونکہ گو اس حمل میں ابھی اس میں جان نہیں پڑی مگر جزو انسان ہو چکا ہے

لباس وزینت کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
ریشم کا استعمال	عورت کیلئے جائز ہے، مرد کیلئے جائز نہیں مگر ۴ رانگل کے بقدر	۲۶۵
مرد کیلئے ۴ رانگل کی اجازت کا مطلب	چوڑائی میں اس سے زیادہ نہ ہو، لمبائی میں حرج نہیں	۲۶۵
کیا ۴ رانگل سے کم متفرقات کو جمع کیا جائے گا؟	نہیں! البتہ درمیانی فاصلہ اتنا ضروری ہے کہ ایک معلوم نہ ہو	۲۶۵

ریشم کا استعمال مصلی، بچھونا وغیرہ میں	یہ مرد کیلئے بھی حلال ہے، حرمت فقط بحیثیت لباس میں ہے	۲۶۶
ریشم کا استعمال چادر میں	یہ مرد کیلئے جائز نہیں، کہ یہ ایک گونہ لباس ہی ہے	۲۶۶
بانا ریشم کا ہو اور تانا غیر ریشم کا	یہ جائز نہیں کہ اعتبار بانے کا ہوتا ہے	۲۶۷
تانا ریشم کا ہو اور بانا غیر ریشم کا	یہ جائز ہے	۲۶۷
بانا اور تانا کا مطلب	عرض/چوڑائی کا تاگا 'بانا'، اور لمبائی کا تاگا 'تانا' کہلاتا ہے	۲۶۷
مصنوعی ریشم کا استعمال	اگر واقعی مصنوعی ہو اصلی نہ ہو تو جائز ہے	۲۶۷
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار	دو عمامے تھے: ایک بڑا: ۲۱۶/انچ کا؛ اور ایک چھوٹا: ۱۲۶/انچ کا؛ اور عرض (چوڑائی) ہر دو میں: ۱۸/انچ	۲۶۷
عمامہ میں شملہ کی مقدار	کم از کم ایک بالشت، زیادہ سے زیادہ کمر تک	۲۶۸
آستین کی لمبائی	گٹے تک ہونا بہتر ہے۔ اور انگلیوں سے بھی تجاوز کر جائے تو یہ خلاف سنت ہے	۲۶۹
مرد کیلئے چاندی کی انگوٹھی کی مقدار	۴/مثقال یعنی ۳/گرام ۴۷ ۳ ملی گرام	۲۷۰
مرد کا دو انگوٹھیاں پہننا	یہ جائز نہیں، خواہ دو دو گرام کی ہوں	۲۷۰
مرد کا چاندی کے علاوہ کی انگوٹھی پہننا	جائز نہیں، اس کیلئے چاندی مخصوص ہے، وہ بھی فقط انگوٹھی میں	۲۷۰

مسائل	احکام	صفحہ
انگوٹھی میں نگینہ کی مقدار	اعتبار حلقہ کا ہے نگینہ کا نہیں، پس نگینہ خواہ کتنے ہی وزن کا ہو جائز ہے، وزن میں اس کا شمار نہ ہوگا	۲۷۰
عورت کیلئے انگوٹھی کی تحدید	کوئی مقدار معین نہیں، البتہ سونا چاندی کے علاوہ پہننا جائز نہیں	۲۷۰
ڈائمن کی انگوٹھی جس میں ایلمونیم کا حلقہ ہو	جائز نہیں، حلقہ سونا یا چاندی کا ہونا ضروری ہے	۲۷۰
عورت کا دوسری دھات کا زیور پہننا	انگوٹھی کے علاوہ میں جائز ہے خواہ کوئی بھی دھات ہو	۲۷۱
سونا چاندی کے ساتھ اگر دوسری دھات مخلوط ہو	غالب کا اعتبار ہے، پس اصل غالب ہو تو اصلی ہے ورنہ نقلی	۲۷۱

حجاب و پردے کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
پردے کی عمر	لڑکی کے سیانی ہونے سے لے کر پوری زندگی	۲۷۴
سیانی ہونے کا مطلب	اتنی عمر ہو جائے کہ اس کو مرد کی یا مرد کو اس کی خواہش ہونے لگے	۲۷۴
مرد کے ستر کی مقدار	ناف سے گھٹنے تک، گھٹنہ ستر ہے ناف ستر نہیں	۲۷۵
عورت کے ستر کی مقدار	وہی ہے جو مرد کا ہے، تاہم اس کے بہت سے اعضاء میں حجاب بھی ہے جو:	۲۷۶

=	=	=	متعلق کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۷۶

جسمانی وضع قطع کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
ڈاڑھی کی حد	وہ ہڈی جس پر دانت ہوتے ہیں، باقی حصہ خارج ہے	۲۷۸
خط بنوانا، یعنی رخسار کے بال منڈانا	درست ہے، تاہم بہتر نہیں	۲۷۹
زیر لب کے بال یعنی بچہ ریش کا منڈانا	جائز نہیں وہ حکم میں مثل ڈاڑھی کے ہے	۲۷۹
بکھرے بدنما بال کو کاٹ کر درست کرنا	صحیح ہے، حرج نہیں، بلکہ حد اعتدال کے ساتھ ایسا کرنا بہتر ہے	۲۷۹
حلق کے بال کاٹنا	مکروہ ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں حرج نہیں	۲۷۹
ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنا	مستحب ہے	۲۸۰
مونچھوں کے کاٹنے کی اقل تحدید	لب کے کنارے اس حد تک کاٹنا کہ سرخی ظاہر ہو جائے	۲۸۲
مونچھوں کو استرے سے بالکل مونڈ دینا	جائز ہے، تاہم بہتر مبالغے کے ساتھ تراشنا ہے	۲۸۳
ابرو (بھوں) بنانا	جائز نہیں، اس پر لعنت آئی ہے	۲۸۴
ابرو اگر بہت پھیلے ہوئے بدنما ہوں	عام حالت میں (نہ کہ مخنث کی ہیئت میں) کر لینا جائز ہے	۲۸۴

سر کے بالوں میں تفصیل وتحدید: (ص:۲۸۵)

۱-حضور ﷺ کے بال کبھی کانوں کی لو تک ہوتے، اس کو عربی میں وَفْرَۃ کہا جاتا ہے

۲-اور کبھی کانوں کے لو اور کندھوں کے درمیان تک ہوتے، اس کو لِمَّۃ کہا جاتا ہے

۳-اور کبھی (جب کاٹنے میں دیر ہوتی) کندھوں تک ہوتے، اس کو جُمَّۃ کہا جاتا ہے

۴-کانوں کے اوپر تک کٹانا ثابت نہیں، تاہم تمام بال یکساں تراشے جائیں تو جائز ہے

۵-لیکن سر کے بعض بال منڈانا اور بعض چھوڑ دینا، یا کمی بیشی سے تراشنا یہ جائز نہیں

عورت کے بال اگر لمبے ہو سنبھالنا دشوار ہو	سرین سے بھی نیچے ہوں تو لمبائی قدرے کم کر سکتی ہے	۲۸۶
بال لمبا کرنے کیلئے انسان کے بال لگانا	جائز نہیں، خواہ خود اسی کے گرے ہوئے بال ہوں	۲۸۷
مصنوعی بال، یا کسی جاندار کے بال لگانا	جائز ہے، بشرطیکہ خنزیر کے نہ ہوں	۲۸۷
ناخن، زیر ناف، بغل وغیرہ کی صفائی کی مدت	افضل ہر ہفتہ صفائی ہے، ورنہ ۱۵ دن، اور انتہا ۴۰ دن ہے	۲۸۷
زیر ناف کی تحدید	پیڑو کی ہڈی سے اعضائے ثلاثہ اور ران کے حوالی تک	۲۸۸
اگر کوئی ناف سے متصل ہی سے کاٹے	بغرض صفائی مضائقہ نہیں	۲۸۸
دبر کے بال صاف کرنا	مستحب، بلکہ راجح قول کے مطابق ضروری ہے	۲۸۸
ناخن کاٹنے کی ترتیب اور اس کا حکم	یہ تفصیلی بات ہے کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۸۹

ختنہ کا وقت	کوئی تعیین نہیں، مولود کی صحت اور قوت برداشت پر موقوف ہے	۲۹۰
بالغ کا ختنہ	کر دینا چاہیے، بلکہ نومسلم ہو تو اہمیت زیادہ ہے	۲۹۰

سلام و مصافحہ کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
مواقع کراہت سلام	کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۲۹۵
الفاظ سلام کی مقدار	آخری حد 'وبرکاتہ' تک ہے، توجیہ کتاب میں دیکھئے	۲۹۵
اجازت طلبی کیلئے سلام کی حد	۳ دفعہ سلام کرے، جواب نہ ملے تو لوٹ جائے	۲۹۶
اگر کسی کے کمرے میں باربار آنا جانا ہو	فقط ایک بار سلام کافی ہے	۲۹۶
مصافحہ دو ہاتھ سے یا ایک ہاتھ سے	دو ہاتھ سے، توجیہ کتاب میں ہے	۲۹۷
معانقہ کی مقدار	بیک وقت ا ر بار معانقہ کرنا چاہیے تعدد مسنون نہیں	۲۹۸
معانقہ میں سینہ اور پیٹ ملانا	سنت سمجھنا غلط ہے، فقط گردن ملانا چاہیے	۲۹۸
معانقہ میں تیامن افضل ہے یا تیاسر	تیامن افضل ہے، توجیہ کتاب میں ہے	۲۹۸

قطع تعلق کا بیان

مسائل	احکام	صفحہ
قطع تعلق کی آخری حد	۳ دن؛ اس سے زیادہ جائز نہیں	۲۹۹

اگر قطع تعلقی دینی امر کے خاطر ہو	بغرض اصلاح ۳ دن سے اوپر بھی جائز ہے	۲۹۹
میاں بیوی یا ماں باپ اور اولاد میں لاتعلق	یہاں بھی ۳ دن سے اوپر گنجائش ہے	۳۰۰

متفرقات

مسائل	احکام	صفحہ
قرآنی معلومات	کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۳۰۱
کس صحابی سے کتنی روایات مروی ہیں	= =	۳۰۲
جہاں کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے	کم وبیش ۲۸ رمقام	۳۰۵
جہاں قرآن میں نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر ہے	کل ۳۱ رمقامات میں	۳۰۵
مدینہ سے مقام ذوالحلیفہ کی مسافت	تقریباً ۵ رمیل شرعی	۳۰۵
شمسی وقمری تقویم میں تفاوت	کتاب میں ملاحظہ فرمائیں	۳۰۶
شمسی وقمری تقویم میں موافقت جاننے کا ضابطہ	= =	۳۰۷
چاند کے باقی رہنے اور گھٹنے بڑھنے کی مقدار	= =	۳۰۸
نوری سال کی تعریف اور مقدار	= =	۳۰۸
فاصلوں کو نوری سال سے بتانے کی وجہ	= =	۳۰۹
چاند کی روشنی ہم تک کتنے وقت میں پہنچتی ہے؟	۱۳ رسیکنڈ میں	۳۱۰
اور سورج کی روشنی؟	ساڑھے ۸ رمنٹ میں	۳۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب دوم: متعلقہ فقہی مسائل میں

کتاب الطہارت

استنجاء کا بیان

استنجاء میں ڈھیلوں کی مقدار

ہمارے نزدیک ڈھیلے سے استنجاء میں کوئی مخصوص عدد سنت مؤکدہ کے ساتھ مسنون نہیں، بلکہ انقاء یعنی صاف کرنا شرط ہے، یہاں تک کہ ایک ڈھیلے سے صفائی حاصل ہوگئی تو سنت ادا ہوگئی، اور اگر تین ڈھیلوں سے بھی صفائی حاصل نہیں ہوئی تو سنت ادا نہیں ہوئی، البتہ مستحب یہ ہے کہ ڈھیلے طاق عدد ہوں اور کم سے کم تین ہوں؛ تو اگر ایک یا دو سے صفائی حاصل ہوجائے تو تین کی گنتی پوری کرلے، اور چار سے صفائی حاصل ہو تو ایک اور لے لے تاکہ طاق عدد پورا ہوجائے؛ البتہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تثلیث یعنی تین کا ہونا شرط ہے اس کے بغیر ان کے یہاں استنجاء درست نہ ہوگا۔(۱)

(۱) (ولیس العدد) ثلاثا (بمسنون فیه) بل مستحب (الدر المختار) (قوله: بل مستحب) أشار إلى أن المراد نفي السنة المؤكدة لا أصلها، لما ورد من الأمر بالاستنجاء بثلاثة أحجار، ولم نقل إن الأمر للوجوب كما قال الإمام الشافعي؛ لأن قوله -عليه الصلاة والسلام- "من استجمر فليوتر، فمن فعل فحسن، ومن لا فلا حرج" دليل على عدم الوجوب. فحمل الأمر على الاستحباب توفيقا، وتمام الكلام في الحلية وشرح الهداية للعيني. (رد المحتار: ۱/۳۳۷)

ڈھیلے سے استنجاء جائز ہونے کی حد

ڈھیلے سے استنجاء اس وقت جائز ہوتا ہے جبکہ نجاست مخرج سے تجاوز نہ کرے، اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے، اور وہ پیشاب ہو تو یہ زائد مقدار پھیلاؤ میں درہم کے بقدر یعنی ہتھیلی کی گہرائی کے بقدر (یعنی پھیلی ہوئی ہتھیلی میں جس قدر حصہ میں پانی رہ سکتا ہو اس حصے کے بقدر) ہو تو پانی سے دھونا واجب ہے اور نہ دھونا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر درہم سے زائد پھیل جائے تو دھونا فرض ہے، بغیر اس کے نماز جائز نہ ہوگی؛ اور اگر پاخانہ ہو تو وزن میں درہم مثقالی کے برابر یعنی ۴رگرام، ۳۷ر۳ ملی گرام وزن کے برابر ہو تو دھونا واجب اور اس سے زائد ہو تو دھونا فرض ہے یہ شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک متجاوز ہونے والی نجاست خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ پانی سے دھونا بہر حال فرض ہے یہ احوط ہے، اور شیخین کا مذہب اوسع ہے۔(۱)

ملحوظات:

۱-اکثر کتب میں یہاں باب نجاست واستنجاء میں درہم کا لفظ آیا ہے تو اس سے

(۱)ويعتبر في منع صحة الصلاة أن تكون النجاسة أكثر قدر الدرهم مع سقوط موضع الاستنجاء بناء على أن ما يخر على المخرج في حكم الباطن عندهما وعند محمد المخرج كالخارج فإن كان ما فيه زائدا على الدراهم يمنع، وإن كان أقل وكان في موضع آخر من بدنه نجاسة تجمع فإن كان المجموع أكثر من قدر الدرهم يمنع. (مجمع الأنهر: ۱/ ۶۲)والثاني إذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمه الله قل أو كثر وهو الأحوط وعندهما يجب إذا تجاوز قدر الدرهم؛ لأن ما على المخرج سقط اعتباره لجواز الاستجمار فيه فيبقى المعتبر ما وراءه.(هندية: ۱/ ۵۰)

مراد باب زکوۃ والا درہم نہیں، بلکہ وہ درہم مراد ہے جوایک مثقال کے برابر ہوتا ہے جس کو درہم مثقالی اور درہم کبیر بھی کہتے ہیں یہ دینار کا ہم وزن ہوتا ہے۔(۱)

۲- یہاں باب نجاست میں درہم کی مساحت مراد ہے یا اس کا وزن؟ تو اس سلسلہ میں امام محمد رحمہ اللہ سے مختلف تفسیریں مروی ہیں: کبھی انہوں نے ہتھیلی کی گہرائی کو بیان کیا، تو کبھی مثقال کے لفظ سے تفسیر کی؛ اسی لئے اس باب میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہے، بعضوں نے وزن مراد لیا ہے اور بعضوں نے چوڑائی، البتہ شیخ ابوجعفر ہندوانی رحمہ اللہ سے یہ تطبیق منقول ہے کہ: نجاست جرم (جسم) والی ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا، اور پتلی ہو تو پھیلاؤ کا اعتبار ہوگا، ابن نجیم وغیرہ فرماتے ہیں: اس تطبیق کو بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور بدائع میں ہے کہ علماء ماوراء النہر کے یہاں یہی مختار ہے، اور زیلعی اور زاہدی رحمہما اللہ نے اسی کو صحیح کہا ہے، اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، اور ینابیع میں ہے کہ یہی قول اصح ہے، کیونکہ دو روایتوں پر عمل کرنا جب ممکن ہو تو کسی ایک کو رد کرنے سے وہ بہتر ہے۔(۲)

---

(۱)(قوله: وهو مثقال) هذا هو الصحيح، بحر. وأفاد أن الدرهم هنا غيره في باب الزكاة فإنه هناك ما كان كل عشرة منه وزن سبعة مثاقيل (ردالمحتار:۱/۳۱۸)

(۲)(قوله: في نجس كثيف) لما اختلف تفسير محمد للدرهم، فتارة فسره بعرض الكف وتارة بالمثقال اختلف المشايخ فيه، ووفق الهندواني بينهما بما ذكره المصنف..الخ.(ردالمحتار: ۱/۳۱۸)...ووفق الهندواني بينهما بأن رواية المساحة في الرقيق كالبول ورواية الوزن في الثخين واختار هذا التوفيق كثير من المشايخ وفي البدائع وهو المختار عند مشايخ ما وراء النهر وصححه الشارح الزيلعي وصاحب المجتبى وأقره عليه في فتح القدير؛ لأن إعمال الروايتين إذا أمكن أولى خصوصاً مع مناسبة هذا التوزيع (البحرالرائق:۱/۲۴۰) ...وفي الينابيع: وهذا القول أصح.(اللباب: ۱/۵۲)

وضووغسل کا بیان

وضواورغسل میں پانی کی مقدار

وضواورغسل کے پانی کی مقدار میں کوئی تحدید شرعی نہیں ہے، انسانوں کے طبائع اور اجسام مختلف ہوتے ہیں، اصل اس میں یہ ہے کہ اسراف نہ ہواور حد سے کمی بھی نہ ہو، تاہم حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک صاع پانی سے سوا صاع تک (یعنی تقریباً ساڑھے ۳رکلو) پانی سے غسل، اور ایک مد یعنی ۷۸۷رگرام، ۳۲۰ملی گرام (یعنی تقریباً ۸۰۰ گرام) پانی سے وضوفرماتے تھے۔ بہت سے اسلاف کے متعلق منقول ہے کہ وہ حدیث شریف میں بیان کردہ مقدار پر عمل کو اپنے لئے لازم سمجھتے تھے، اوردوسروں کو بھی ترغیب دیتے تھے۔ (۱)

مسواک کی لکڑی کی مقداراوراس کے متعلقات

مستحب ہے کہ مسواک ایک بالشت لمبی اور چھوٹی انگل کے بقدر موٹی ہو، ایک

---

(۱)نقل غير واحد إجماع المسلمين على أن ما يجزئ في الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار. وما في ظاهر الرواية من أن أدنى ما يكفي الغسل صاع، وفي الوضوء مد للحديث الخ "ليس بتقدير لازم، بل هو بيان أدنى القدر المسنون. اهـ. قال في البحر: حتى إن من أسبغ بدون ذلك أجزأه، وإن لم يكفه زاد عليه؛ لأن طباع الناس وأحوالهم مختلفة كذا في البدائع اهـ وبه جزم في الإمداد وغيره. (ردالمحتار: ۱ر ۱۵۹) عن عبد الله بن عبد الله بن جبر، قال: سمعت أنسا، يقول: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل بخمس مكاكيك ويتوضأ بمكوك". (صحیح مسلم: ۱ر۲۵۷، حدیث: ۳۲۵)وفي حاشيته:قال النووي :ولعل المراد بالمكوك هنا المد كما قال في الرواية الأخرى يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد. (حاشية، شيخ محمد فواد)

بالشت سے لمبی اور انگوٹھے سے موٹی مسواک مناسب نہیں، بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ ایسی مسواک پر شیطان سوار ہوجاتا ہے (غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی مسواک کے غیر معتدل ہونے کی وجہ سے شیطان اس کو پسند کرتا ہے، اور ایسے بندے کو جلد اپنے جھانسے میں لے لیتا ہے مؤلف)(۱)

اور ایک بالشت ہونا اس کا استعمال شروع کرنے کے وقت ہے، بعد میں استعمال کرتے کرتے چھوٹی ہوجائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ بالشت سے استعمال کرنے والی کی بالشت مراد ہے، یا عام معتاد یعنی میانہ قد والے کی؛ تو ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرا قول مراد ہے کیونکہ اکثر مطلق سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔ (۲)

پھر استعمال کرتے کرتے جب چھوٹی اور نا قابل استعمال ہوجائے تو اس کو کسی پاک جگہ دفن کردیں، یا کسی جگہ احتیاط سے رکھ دیں، ناپاک جگہ میں اسے نہ ڈالیں، کیونکہ یہ ادائے سنت کی چیز ہے اس لئے اس کی تعظیم کرنی چاہئے۔ (۳)

فائدہ: ٹوتھ برش کے ذریعہ صفائی وستھرائی کی۔ یعنی فعل مسواک کی۔ سنت تو ادا ہوجاتی ہے؛ باقی خود نفس مسواک کی سنت ادا نہیں ہوتی۔ (۴)

مسواک کرنے کا مسنون عدد

دانتوں پر مسواک کرنے کی کوئی مخصوص مقدار مسنون نہیں، بلکہ اس قدر کرے

(۱)(و) ندب ... في غلظ الخنصر وطول شبر. (الدر المختار: ۱/ ۱۱۴) ولا یزاد علی الشبر، وإلا فالشیطان یرکب علیه. (الدر المختار: ۱/ ۱۱۵؛ حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح: ۱/ ۶۷)

(۲)(قوله: وطول شبر) الظاهر أنه في ابتداء استعماله، فلا یضر نقصه بعد ذلك بالقطع منه لتسویته، تأمل، وهل المراد شبر المستعمل أو المعتاد؟ الظاهر الثاني لأنه محمل الإطلاق غالبا. (رد المحتار: ۱/ ۱۱۴) (۳)(رد المحتار: ۱/ ۱۱۴)

(۴)(حلال وحرام: ۶۸، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۳۵)

کہ منہ کی بدبو اور دانتوں کی زردی زائل ہونے کا اطمینان ہوجائے، البتہ اگر تین دفعہ سے کم میں یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے، تو مستحب ہوگا کہ ہر بار نئے پانی سے تین کا عدد پورا کرلے، جیسا کہ ڈھیلے سے استنجاء کے متعلق حکم ہے۔ (۱)

سر میں مسح کی فرض اور مسنون مقدار ——— اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

سر میں مسح کی فرض مقدار بقدر ناصیہ یعنی چوتھائی سر کے برابر ہے، اس سے کم مسح سے وضو درست نہ ہوگا، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک استیعاب یعنی پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ مراعات خلاف کی بنا پر ہمارے یہاں بھی اس پر عمل ہونا چاہئے، مراعات کا مطلب ہے: دوسرے امام کے مسلک کی رعایت کرنا جبکہ اس پر عمل کرنے میں ہمارے مسلک کے لحاظ سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو، ظاہر ہے کہ پورے سر کے مسح میں ہمارے یہاں کوئی قباحت نہیں بلکہ مستحب ہے، اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے تاکہ امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق بھی ہماری نماز صحیح ہوجائے، عام لوگوں کا یہ جوذہن بنا ہوا ہے کہ بس چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور اسی پر اکتفاء کو قولاً یا عملاً ضروری سمجھتے ہیں یہ درست نہیں۔ (۲)

---

(۱) قال في المعراج: ولا تقدير فيه، بل يستاك إلى أن يطمئن قلبه بزوال النكهة واصفرار السن، والمستحب فيه ثلاث بثلاث مياه اهـ. والظاهر أن المراد لا تقدير فيه من حيث تحصيل السنة، وإنما تحصل باطمئنان القلب، فلو حصل بأقل من ثلاث فالمستحب إكمالها كما قالوا في الاستنجاء بالحجر (ردالمحتار: ۱/۱۱۴)

(۲) وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً، لأن خلاف الأئمة لا سيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال ﷺ الحلال بين والحرام بين وبينهما شبهات الخ (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۷، باب الربا)

(قوله: مستوعبة) هذا سنة أيضا. إذا داوم على ترك الاستيعاب بلا عذر يأثم (ردالمحتار: ۱/۱۲۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف چوتھائی سر کے مسح کی عادت ڈالنا مکروہ ہے، اس کا اثر نماز تک جاتا ہے۔ (۱)

سر کا مسح کہاں سے اور کتنی انگلیوں سے؟ ایک چشم کشا تفصیل

سر کے اگلے حصے سے مسح شروع کرنا بالاتفاق سنت ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک یہی تھا، نیز ہر عضو کو ابتداء سے دھونا سنت ہے تو اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مسح کی ابتداء سر کے اگلے حصے سے ہو۔

رہی یہ بات کہ کتنی انگلیوں سے مسح کرے تو اس سلسلہ میں فقہاء سے مسح کے دو طریقے مروی ہیں، ایک میں ہر ہاتھ کی تمام انگلیاں جبکہ دوسرے میں ہر ہاتھ کی تین تین انگلیاں استعمال ہوتی ہیں، وہ دو طریقے یہ ہیں:

۱- دونوں ہاتھوں کو نئے پانی سے تر کر کے دونوں ہتھیلیاں اور اس کی تمام انگلیاں اپنے سر کے اگلے حصے پر رکھے اور پچھلے حصے کی طرف اس طرح لے جائے کہ سارے سر پر تمام ہاتھ پھر جائے۔

پھر کانوں کا مسح کرے اس طرح کہ کانوں کے اندر کا مسح دونوں انگشت شہادت سے اور کانوں کے باہر کا مسح دونوں انگوٹھوں سے کرے اور دونوں ہاتھوں کی چھنگلیاں دونوں کانوں کے سوراخ میں داخل کرے اور ان کو حرکت دے، کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا سنت نہیں، کیونکہ کان سر کا حصہ ہے، اس کے بعد انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔ (۲)

۲- ہاتھوں کو نئے پانی سے تر کر کے دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں سب سے

---

(۱) (دیکھئے: امداد الفتاویٰ: ۱/۳۶)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/۱۶؛ المحيط البرهاني: ۱/۴۱، الفصل الأول في الوضوء تبيين الحقائق: ۱/۶، سنن الوضوء)

چھوٹی، اس کے پاس والی اور بیچ کی- ملا کر سر کے اگلے حصے پر رکھے اور پیچھے گدی کی طرف کھینچے، اس وقت دونوں انگوٹھوں، دونوں انگشت شہادت اور دونوں ہتھیلیوں کو سر سے الگ اٹھا کر رکھے یعنی سر سے نہ لگائے، اس کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو گدی کی طرف سے سر کے دائیں اور بائیں جانب رکھے اور آگے کی طرف کھینچے تاکہ پورے سر کا مسح ہو جائے، پھر کانوں اور گردن کا اس طرح مسح کرے جو بیان ہوا۔

اس طریقے میں کانوں کا مسح صورتاً غیر مستعمل تری سے ہوتا ہے، منحة الخالق میں ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ سے نبی کریم ﷺ کے مسح کا یہ طریقہ مروی ہے، محیط میں بھی اسی طریقہ کو ذکر کیا ہے، جبکہ خانیة اور فتح القدیر میں ہے کہ: سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے مراقي الفلاح کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: اس میں تکلف ومشقت ہے، اور البحر الرائق میں ہے کہ: یہ طریقہ ضعیف ہے، جبکہ مجمع الأنهر میں پہلے طریقے کو ضعیف کہا ہے، غرض دونوں طریقے درست ہیں خواہ جس پر چاہے عمل کرے۔(۱)

---

(۱)قال الزيلعي والأظهر أنه يضع كفيه وأصابعه على مقدم رأسه ويمدهما إلى قفاه على وجه مستوعب جميع الرأس ثم يمسح أذنيه بإصبعيه اهـ واختاره قاضيخان وقال الزاهدي هكذا روى عن أبي حنيفة ومحمد اهـ قال في الخانية ولا يكون الماء بهذا مستعملا ضرورة إقامة السنة اهـ وما في الخلاصة وغيرها من أنه يضع على مقدم رأسه من كل يد ثلاثة أصابع ويمسك إبهاميه وسبابتيه ويجافي بطن كفيه ثم يضع كفيه على جانبي رأسه ففيه تكلف ومشقة كما في الخانية بل قال الكمال لا أصل له في السنة.(حاشية الطحطاوي على المراقي: ۱/۷۲،سنن الوضوء؛ ردالمحتار: ۱/۱۲۱؛ البحر الرائق وحاشيته منحة الخالق: ۱/۲۷؛فتح القدير: ۱/۲۰)

کتنا خون نکلنا ناقض وضو ہے اور کتنا نہیں؟

جو بھی خون یا پیپ بہنے کی مقدار نکلے یعنی زخم سے نکل کر اوپر اٹھے اور بہہ جائے اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے، اور جو بہنے کی مقدار نہ نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اور بہنے میں برابر ہے کہ وہ بالفعل بہے یا بالقوۃ؛ جسم پر بہے یا اس کے علاوہ پر۔ (۱)

چنانچہ سیدھا انجکشن میں خون لیا گیا، یا بڑی چیچڑی اور جونک خون چوس کر پھول گئی تو وضوٹوٹ گیا کیونکہ یہ بالقوۃ بہنا ہے، لیکن اگر چھوٹی چیچڑی، مچھر، پسو، وغیرہ نے خون چوسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ ان کا پیا ہوا خون بہنے کی مقدار نہیں ہوتا۔ (۲)

اسی طرح کسی شخص کا تھوڑا تھوڑا خون نکلتا رہا اور وہ روئی یا کپڑے سے پونچھتا رہا تو اپنی غالب رائے واجتہاد سے جمع کرنے میں اگر بہنے کی مقدار ہو گیا تو وضوٹوٹ گیا، کیوں کہ یہ بالقوۃ بہنا ہے، اور اگر اتنا نہیں ہوا تو وضو نہیں ٹوٹا۔ مگر یہ جمع کرنے کا حکم ایک ہی مجلس کے ساتھ خاص ہے، متعدد مجالس کا خون جمع نہیں کیا جائے گا، پس متعدد مجلسوں میں تھوڑا تھوڑا خون نکلا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگر چہ جمع کے بعد وہ بہنے کی مقدار پہنچ جائے۔ (۳)

یہی حکم اس صورت کا ہے کہ زخم پر پٹی باندھی اور اندر اندر خون نکلتا رہا، یعنی اگر

(۱) ینقضه عین السیلان ولو بالقوۃ الخ (الدر المختار: ۱/ ۲۶۲)

(۲) وکذا ینقضه علقة مصت عضواً وامتلئت من الدم، ومثلها القراد إن کان کبیراً، لأنه حینئذ یخرج منه دم مسفوح سائل (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۱/ ۲۶۸؛ تاتارخانیه: ۱/ ۱۲۶)

(۳) وکذا إذا وضع علیه قطنا أو شیئا آخر حتی ینشف ثم وضعه ثانیا وثالثا فانه یجمع جمیع مانشف، فإن کان بحیث لو ترکه سال نقض، وإنما یعرف هذا بالاجتهاد وغالب الظن.. قالوا: یجمع إذا کان في مجلس واحد مرۃ بعد أخری فلو في مجالس فلا. (ردالمحتار: ۱/ ۲۶۲، تاتارخانیه: ۱/ ۱۲۵)

ایک ہی مجلس میں سارا خون بہنے کی مقدار تک پہنچ گیا تو وضو ٹوٹ گیا، ورنہ نہیں، اس میں زخم والوں کے لئے بڑی وسعت ہے۔ (۱)

استدراک: لیکن بستہ خون جو اکثر زکام میں، بلغم میں، یا فضلۂ ناک میں آتا ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ وہ دم سائل کے حکم میں نہیں ہے۔ (۲)

قے کی وہ مقدار جو نجس اور ناقض وضو ہے

وہ قے جو منہ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پس صفرا یا سودا یا بستہ خون یا کھانے یا پانی کی قے جو منہ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ قے خود بخود نکلی ہو یا عمداً (مثلاً منہ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) کی ہو اور خواہ منہ میں آنے کے بعد باہر پھینک دی ہو یا حلق میں واپس لوٹا دی ہو سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی وضو ٹوٹ جائے گا (۳) البتہ خالص بلغم کی قے ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ بلغم سر سے اترے یا معدہ سے نکلے کیوں کہ بلغم کے چکنا ہونے کی وجہ سے ناپاکی اس میں سرایت نہیں کرتی اور جو اس میں لگتی ہے وہ قلیل ہوتی ہے جو ناقض وضو نہیں۔ (۴)

---

(۱) وعلیه فما یخرج من الجرح الذی ینزّ دائماً ولیس فیه قوة السیلان ولکنه إذا ترك یتقوّی باجتماعه ویسیل عن محله فإذا نشفه أوربطه بخرقة صار کلما خرج منه شيء تشربته الخرقة ینظر إن کان ماتشربته الخرقة في ذالك المجلس شیأً فشیأً بحیث لوترك واجتمع سال بنفسه نقض وإلا لا، ولایجمع مافي مجلس إلی مجلس آخر، وفي ذالك توسعة لأصحاب القروح الخ (ردالمحتار: ۱/ ۲۶۲)

(۲) إذااستنثر فخرج من أنفه علق قدر العدسة لاتنقض الوضوء (ھندیہ: ۱/ ۱۱)

(۳) إن کونه ملء الفم شرط للنقض وإن لم یستقر ولیس عمده أو عدم عوده شرط الخ (اعلاء السنن: ۱/ ۱۴۳)

(۴) لاینقضه قيء من بلغم علی المعتمد أصلاً (الدرالمختار) أي سواء کان صاعداً من الجوف أو نازلاً من الرأس (ردالمحتار: ۱/ ۲۶۵، ط: زکریا دیوبند)

دودھ پیتے بچے کی قے:

اور ناپاک ہونے میں بڑے آدمی کی اور چھوٹے بچہ کی قے برابر ہے، خواہ دودھ پیتا بچہ ہو اور دودھ پیتے ہی فوراً نکال دیا ہو پس دودھ پیتے بچے نے منہ بھر کر قے کی تو وہ نجس ہے اور ذرا سی کی اتنی کہ غالب گمان میں منہ بھر سے کم ہے تو وہ نجس نہیں، مگر یہاں چوکنا رہنا چاہئے کیونکہ بچہ کا منہ چھوٹا ہونے سے اس کی منہ بھر تھوڑی سی ہی ہوتی ہے۔(۱)

منہ بھر کر کی تحدید

منہ بھر کر ہونے کی صحیح حد یہ ہے کہ دقت ومشقت کے بغیر منہ میں روکنا ممکن نہ ہو۔

چند بار کی قلیل قے کو جمع کرنا

اور اگر کسی کو تھوڑی تھوڑی قے چند بار آئے تو اگر یہ ایک ہی مرتبہ کی متلاہٹ (جی گھبرانا، بے چینی) برقرار رہتے ہوئے آئے تو انداز اً جمع کرے اگر منہ بھر کر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، یہ امام محمد کے نزدیک ہے اور بقاعدہ "اضافة الاحکام الی الاسباب" اسی پر فتویٰ ہے۔(۲)

تفسیر کی کتابوں کو بے وضو چھونے کے جواز وعدم جواز میں حد فاصل

تفسیر کی کتابوں کو بھی جبکہ اس میں تفسیر کے الفاظ قرآنی آیات سے زیادہ ہوں آیت کے علاوہ حصے کو بلا طہارت چھونا وپکڑنا جائز ہے، اور اگر تفسیر کے الفاظ قرآنی آیات کے برابر ہوں یا کم ہوں تو پھر اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے بلا طہارت چھونا جائز نہیں۔(۳)

---

(۱) وهو نجس مغلظ من صبي ساعة ارتضاعه وهو الصحيح (شامی: ۲/ ۲۶۵)

(۲) (البحر الرائق: ۱/ ۷؛ الدر المنتقى على هامش المجمع الأنهر: ۱/ ۳۲)

(۳) " في الأشباه وقد ←

اسی بنا پر تفسیر الجلالین کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ: اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، کیونکہ اس کے تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریبا برابر ہیں، اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں۔ (۱)

بلوغ کی اعلی وادنی مدت

لڑکا یا لڑکی کو جب احتلام نہ ہو تو صاحبین وائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ان کے بلوغ میں پندرہ سال کا اعتبار ہے، یعنی پندرہ سال کے بعد اگر چہ احتلام وغیرہ بلوغ کی کوئی علامت نہ پائی جائے عمر کے لحاظ سے بلوغ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ عموماً بلوغ کی علامت ان دونوں میں اس مدت سے مؤخر نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور احناف کے یہاں فتویٰ اسی پر ہے۔

اور بلوغ کی ادنی مدت احتلام، حیض وغیرہ سے لڑکے میں بارہ سال اور لڑکی میں نوسال ہے، پس لڑکے میں بارہ سال سے پہلے اور لڑکی میں نوسال سے پہلے کسی طرح بلوغ کا حکم نہ آئے گا، چنانچہ کسی لڑکی کو نوسال سے پہلے خون آنے لگے تو وہ استحاضہ کا

← جوز بعض أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيرا أو قرآنا ولو قيل به إعتبارا للغالب لكان حسنا وفي الجوهرة كتب التفسير وغيرها لا يجوز مس مواضع القرآن منها وله أن يمس غيرها بخلاف المصحف قلت وذلك هو الموافق لكلامهم لأنهم جعلوا المحرم في غير المصحف مس عين القرآن. (حاشية الطحطاوي: ۱/۱۴۲؛ الدر المختار: ۱/۱۷۷)

(۱) مراد وہ جلالین ہے جو بغیر حاشیہ کی ہو اس لئے کہ حاشیہ والی کتاب میں تو اس تحقیق کی ضرورت نہیں حاشیہ اور کتاب کی تفسیر ملا کر یوں ہی اس کے کلمات قرآنی کلمات سے زیادہ

ہوگا حیض شمار نہ ہوگا۔ (۱)

پانی کا بیان

کنویں کا ناپاک پانی نکالنے کی شرعی تحدید اور طریقہ کار

وہ کنواں جس کی اوپر کی سطح دہ دردہ سے کم ہو میں جاندار کے علاوہ کوئی نجاست مثلاً پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ گرجائے تو اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، خواہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ، البتہ جن جانوروں کے پیشاب اور مینگنیوں سے بچنا ممکن نہ ہو وہ معاف ہے۔

اور اگر کوئی جاندار گر کر مرجائے جبکہ اس میں بہتا خون ہو اور خشکی کا رہنے والا ہو تو اس صورت میں کنویں کا پانی نکالنے کے تین درجے ہیں: اول: وہ جانور چوہا یا اس کے مثل ہے تو بیس ڈول نکالنا؛ دوم: مرغی یا اس کے مثل ہے تو چالیس ڈول کا نکالنا؛ سوم: بکری یا اس کے مثل یا اس سے بڑا ہے تو کل پانی نکالنا: واجب ہے۔ (۲)

مشین سے پانی نکالنا:

پانی کی مذکورہ مقدار ڈول سے نکالنا ضروری نہیں، مشین (موٹر-انجن) وغیرہ کے ذریعہ سے بھی جب اتنا پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہوجائے گا (لیکن اس میں اندازہ کچھ زیادہ کیا جائے کم نہ ہو، ایک ڈول بھی کم پانی نکلے گا تو جب تک اس کو نہ نکالا

(۱) (وعندهما) والأئمة الثلاثة (إذا تم خمس عشرة سنة فيهما) أي في الغلام والجارية (وهو رواية عن الإمام وبه يفتى)؛ لأن علامة البلوغ لا تتأخر عن هذه المدة فيهما غالبا (وأدنى مدته) أي مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه (له) أي للغلام (ثنتا عشر سنة ولها) أي للجارية أدنى المدة (تسع سنين) كذا ذكروا. (مجمع الأنهر: ۲/۴۴۴ كتاب الحجر، فصل في بيان احكام البلوغ)

(۲) (مستفاد: نور الايضاح، هداية، رد المحتار وغيره)

جائے پانی ناپاک رہے گا)

بلکہ اگر کنواں چشمہ دار ہو تو مشین سے نکالنے میں بہت سہولت ہے، ایک دو منٹ مشین چلنے کے بعد نیچے رہنے والے پاک پانی کے اختلاط سے کنویں کا پانی جاری ہوجائے گا اور اسی وقت تمام پانی پاک ہوجائے گا، اب مذکورہ مقدار پانی نکالنا بھی ضروری نہ ہوگا،(۱) کیونکہ پاک پانی نجس پانی کے ساتھ ملنے کے بعد اس کو جاری کردے اور ایک ذراع کے بقدر بہادے تو وہ پانی پاک ہوجاتا ہے۔(۲)

مگر یاد رہے کہ یہ اس وقت ہے جب اس پانی میں نجاست کے رنگ، بو، مزہ میں سے کوئی اثر نہ پایا جائے ورنہ اثر کے باقی رہنے تک تمام پانی ناپاک شمار ہوگا، اثر کے ختم ہونے پر پاکی کا حکم لگایا جائے گا، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اگر اس میں جسم دار نجاست مثلاً چوہا وغیرہ موجود ہو تو پہلے اس کو نکالدیا جائے ورنہ جب تک مشین چلتی رہے گی پانی پاک شمار ہوگا جوں ہی رک جائے گی پانی ناپاک شمار ہوگا کیونکہ اس کنویں کا پانی دہ دردہ نہیں ہے اور ابھی تک نجاست اس میں موجود ہے، ہاں جب نجاست کے تمام ذرات کے نکل جانے یا گل سڑ کر مٹی بن جانے کا یقین ہوجائے تو پھر مشین کے رکنے کے بعد بھی اس کنویں کا پانی پاک رہے گا۔(۳)

نوٹ: احسن الفتاویٰ میں ہے کہ: کتب فقہ میں کنویں کو اس طرح سے پاک کرنے کا ذکر اس لئے نہیں ملتا کہ اس زمانہ میں پانی کھینچنے کی مشینیں نہیں تھیں۔

---

(۱) وفي شرح المنية يطهر الحوض بمجرد مايدخل الماء من الأنبوب ويفيض من الحوض هو المختار لعدم تيقن بقاء النجاسة فيه وصيرورته جاريا. (ردالمحتار: ۱/۱۹۰، باب المياه)

(۲) لو أصابت الأرض نجاسة فصب عليها الماء فجرى قدر ذراع طهرت الأرض والماء بمنزلة الماء الجاري. (ردالمحتار: ۱/۱۸۸)

(۳) (شامی: ۱/۱۸۸ و ۳۲۶؛ هنديه: ۱/۱۸؛ احسن الفتاوی: ۱۰/۳۶ تتمة)

دوقلہ پانی کی مقدار

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں دوقلہ پانی کثیر ہوتا ہے، اس سے کم قلیل شمار ہوتا ہے۔ دوقلہ کی مقدار ہوتی ہے: ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سوملی گرام (۱۴۱رکلو، ۷۱۷رگرام، ۶۰۰رملی گرام) (مفتاح الأوزان: ۸۴)

احناف کے یہاں کثیر پانی اور شرعی حوض کی پیمائش

ہمارے نزدیک کثیر پانی اور شرعی حوض کے لئے ضروری ہے کہ لمبائی دس گز اور چوڑائی دس گز ہو یعنی کل رقبہ ۱۰۰رمربع گز اور اس کے چاروں کناروں کا مجموعہ چالیس گز ہو؛ ایک گز شرعی ۴۶ پوئنٹ، ۲ سینٹی میٹر یعنی تقریباً اٹھارہ انچ، مطلب کہ "ڈیڑھ فٹ" کا ہوتا ہے، اس حساب سے شرعی گز پندرہ بائی پندرہ فٹ ہوگا، یہ مربع یعنی چوکر حوض کا حکم ہے۔

مدور حوض:

اگر حوض مدور (گول) ہے تو اس کا محیط (گھیراؤ) ۳۶رگز یعنی ۵۴رفٹ ہونا چاہئے؛ اور بقول صاحب محیط احتیاط اس میں ہے کہ ۴۸رگز (۷۲رفٹ) ہو۔

مثلث حوض:

اگر حوض مثلث (تین گوشہ والا) ہے تو ہر جانب سے ساڑھے پندرہ گز، یعنی ۲۳.۲۵ (سواتیئس) فٹ ہونا چاہئے۔

حوض کی گہرائی:

حوض کی گہرائی کم از کم اتنی ضروری ہے کہ چلو سے پانی لینے میں نیچے کی زمین نہ کھلے یہی صحیح ہے۔ اگر حوض بہت زیادہ گہرا ہو لیکن اوپر کی سطح دہ دردہ نہ ہو تو وہ شرعی حوض نہ ہوگا، گہرائی کی زیادتی سے طول وعرض کی کمی کی تلافی نہیں ہوگی؛ البتہ طول

وعرض میں سے کسی میں کمی ہوتو دوسرے کی زیادتی سے اس کی تلافی ہوجاتی ہے، پس پندرہ بائی پانچ گز بھی شرعی حوض ہے۔(۱)

مسقّف حوض:

اور اگر حوض مسقّف یعنی چھت والا ہوتو وہ بھی شرعی حوض ہے، بشرطیکہ پانی چھت سے نہ لگے (کبیری: ۸۷، الدر المختار: ۱/ ۳۴۴) اور اگر پانی چھت سے لگ جائے اس طرح کہ چھت سے لگنے کی وجہ سے پانی ہل نہیں سکتا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے: امداد الفتاوی: ۱/ ۵۹ میں اسے شرعی حوض کہا ہے جبکہ فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۲۷۵ میں شامی اور کبیری کے حوالے سے اسے غیر شرعی بیان کیا ہے؛ لہٰذا ایسا حوض نہیں بنانا چاہئے۔

کیا ماء کثیر کے لئے دہ دردہ کی مقدار حدیث سے ثابت ہے؟

جاننا چاہئے کہ دہ دردہ یعنی دس بائی دس کو ماء کثیر شمار کرنا یہ ہمارا اصل مسلک نہیں، اصل مسلک جو غدیر والی حدیث سے ثابت ہے وہ خلوص الأثر وعدمہ ہے یعنی نجاست کا ایک جانب سے دوسری جانب سرایت کرنا اور نہ کرنا، یعنی پانی اتنے پھیلاؤ میں ہو کہ ایک کنارے میں گرنے والی نجاست دوسرے کنارے تک سرایت کرجائے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا گیا کہ وضو کرنے والا ایک

---

(۱) أي في المربع بأربعين، وفي المدور بستة وثلاثين، وفي المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعا وخمسا بذراع الكرباس، ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر جاز تيسيرا (الدر المختار) (قوله: وربعا وخمسا) في بعض النسخ أو خمسا بأو لا بالواو، وهي الأصوب. (ردالمحتار: ۱/ ۱۹۳) وإن كان الحوض مدورا يعتبر ثمانية وأربعون ذراعا. كذا في الخلاصة وهو الأحوط. كذا في محيط السرخسي. (هندية: ۱/ ۱۸)

طرف بیٹھ کر وضو کرے تو دوسری طرف کا پانی نہ ہلے تو وہ ماء کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، اور ہلنے سے مراد یہ ہے کہ ایک کنارے کے پانی کو حرکت دینے سے دوسرے کنارے کا پانی اوپر نیچے ہو، ارتعاش اور لہروں کی حرکت کا اعتبار نہیں۔ پھر چونکہ عوام کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کیونکہ ان کو اس سلسلہ کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، اس لئے فقہاء نے اپنے تجربہ کی بنا پر یہ واضح کیا کہ پانی دہ دردہ کی پھیلاؤ میں ہوتو وہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ اس میں ایک جانب کی نجاست دوسری جانب تک سرایت نہیں کرتی ہے اس لئے وہ کثیر ہے اور جو اس سے کم ہو اس میں سرایت کرجاتی ہے اس لئے وہ قلیل ہے، پس دہ دردہ کا مسلک بالواسطہ حدیث ہی سے ثابت ہے، اور اب سہولت کی بنا پر احناف کے یہاں اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (مستفاد: البنایة: ۳۸۶/۱، ردالمحتار: ۱۹۲/۱؛ المحیط البرھانی: ۹۴/۱-۹۵)

دہ دردہ کے جاننے کا آسان طریقہ

جو لوگ اصطلاحات سے واقف نہیں ان کو اس طرح سمجھایا جاسکتا ہے کہ کاپی میں ایک لکیر لمبائی میں کھینچ لیں جس میں فاصلہ فاصلہ سے ایک سے دس تک کا عدد لکھیں، پھر ایک دوسری لکیر چوڑائی میں اسی طرح عدد لکھ کر کھینچ دیں، اس کے بعد دو اطراف سے اعداد کو ملاتے ہوئے باقی لکیریں طول وعرض میں کھینچ لیں، اس طرح کرنے سے مربع (چوکور ڈبہ) کی شکل میں متعدد خانے بن جائیں گے، اب جب خانوں کو شمار کریں گے تو کل سو خانے ہوں گے تو یہ سو مربع گز ہوا، یہی مطلب ہے دہ دردہ کی تعبیر کا، اور فٹ کے حساب میں چونکہ ایک گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، اس لئے ایک سو پچاس مربع فٹ ہوگا، اس میں اعداد لمبائی اور چوڑائی میں دس کی بجائے پندرہ کرلیں گے، پس گویا اصطلاحی اعتبار سے یوں کہیں گے کہ جس حوض کا کل رقبہ سو مربع گز؛ یا ایک سو پچاس مربع فٹ؛ یا ۲۰ میٹر، ۹۰۳ ملی میٹر، ۱۸۴ میکرو میٹر (تقریبا

۲۱ مربع میٹر) ہو وہ حوض کبیر ہے۔

فائدہ: ٹنکی اور چھوٹے حوض کو پاک کرنے کی ایک آسان تدبیر:

ٹنکی اور چھوٹے حوض کا پانی اس طرح پاک کیا جاسکتا ہے کہ موٹر وغیرہ سے پاک پانی اس میں اتنا داخل کیا جائے کہ وہ اوپر سے بھر کر بہنے لگے تو جب جریان والی صورت پیدا ہو جائے یہاں تک کہ ایک ذراع بھی بہہ جائے۔ جیسا کہ شامی وغیر میں یہ مقدار بیان کی گئی ہے۔ تو اس سے ٹنکی اور حوض کا پانی پاک شمار ہوگا اس کے بعد تمام پانی نکالنا ضروری نہ ہوگا۔ (۱)

لیکن اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ موٹر کے ذریعہ ٹنکی میں پانی چڑھائیں اور اس ٹنکی سے غسل خانوں وغیرہ کی طرف آنے والی لائنوں کو کھولدیں تو اس طرح سے پانی کا جاری ہونا طہارت کے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ اس میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تردد ظاہر فرمایا ہے، احسن الفتاویٰ میں ہے: ”علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار میں حاشیۃ الأشباہ سے مندرجہ ذیل جزئیہ نقل فرمایا ہے:

أقول رأيت بعد كتابتي لهذا المحل في حاشية الأشباه والنظائر في آخر الفن الأول للعلامة الكفيري التي تلقاها عن شيخه الشيخ اسماعيل الحائك مفتي دمشق مانصه مسألة إذا كان في الكوز ماء متنجس فصب عليه ماء طاهر حتى جرى الماء من الأنبوب بحيث يعد جريانا ولم يتغير الماء فإنه يحكم بطهارته. (ردالمحتار: ۱/۱۸۰)

اس جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ٹنکی کی طہارت کے لئے نیچے سے پانی کا جاری ہونا کافی ہے اس لئے کہ لوٹے کی ٹونٹی لوٹے کے وسط میں ہوتی ہے“ اھ

(۱)(وفي شرح المنية يطهر الحوض بمجرد ما يدخل الماء من الأنبوب ويفيض من الحوض هو المختار لعدم تيقن بقاء النجاسة فيه وصيرورته جاريا. (ردالمحتار: ۱/۱۹۰، باب المياه)

پانی میں جانور گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو نجاست کا حکم کب سے ہوگا؟

اگر ٹنکی وغیرہ میں ایسا جانور مرا ہوا ملا جس میں بہتا خون ہوتا ہے، اور گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ: جس وقت پانی میں جانور ہونے کا علم ہوا اس سے ایک دن اور ایک رات پہلے کی نمازیں لوٹائی جائیں بشرطیکہ جانور پھولا، پھٹا نہ ہو۔ اور اگر پھول پھٹ گیا تو تین دن اور تین راتوں کی نمازیں لوٹائی جائیں، اور اس عرصے میں جس چیز کو وہ پانی لگا ہو اس کو دھویا جائے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہی احوط و معتمد ہے؛ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ: جس وقت لوگوں کو پانی میں جانور ہونے کا علم ہوا اس وقت سے نجاست کا حکم ہوگا، اس سے پہلے نہیں، پس اس قول کے مطابق کوئی نماز نہیں لوٹائیں گے، یہ قیاس کے عین مطابق ہے، اور بعض نے اسی کو مفتیٰ بہ کہا ہے۔[1] (پس ضرورت کے وقت اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے بلا ضرورت امام صاحب کے قول کو ترک نہ کیا جائے کہ اس میں احتیاط ہے، مرتب)

دو کنوؤں کے درمیان حریم کی مقدار

حریم کہتے ہیں: اس جگہ کو جس کی حفاظت واجب ہو، پس ارض موات میں کسی

---

(۱) ویحکم بنجاستها من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذ یوم ولیلة إن لم ینتفخ ولم یتفسخ، وهذا في حق الوضوء والغسل؛ وما عجن به فیطعم للکلاب الخ ، ومذ ثلاثة أیام بلیالیها إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. وقالا: من وقت العلم فلا یلزمهم شيء قبله، قیل وبه یفتی. (الدر المختار) (قوله قیل وبه یفتی) قائله صاحب الجوهرة. وقال العلامة قاسم في تصحیح القدوري: قال في فتاوی العتابي: قولهما هو المختار. قلت: لم یوافق علی ذلك، فقد اعتمد قول الإمام البرهاني والنسفي والموصلي وصدر الشریعة، ورجح دلیله في جمیع المصنفات، وصرح في البدائع بأن قولهما قیاس، وقوله استحسان، وهو الأحوط في العبادات. اهـ (رد المحتار: ۱/ ۲۱۹)

شخص کا پانی کا کنواں ہو اور دوسرا شخص اس کے قریب میں ایسا ہی کنواں کھودنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے کنویں سے ۴۰؍ذراع (۶۰؍فٹ) کے احاطہ میں اپنا کوئی کنواں نہ کھودے، کہ یہ جگہ اس کی حریم ہے تاکہ اول کے کنویں کا پانی اس میں جذب نہ ہوجائے اور اس کا پانی کم نہ ہوجائے۔

واضح رہے کہ: یہ حکم متوسط زمین کا ہے ورنہ اراضی کی صلابت ورخاوت کے لحاظ سے حریم کی مقدار مختلف ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں اہل تجربہ کی بات معتبر ہوگی کہ وہ اتنا حریم مقرر کریں گے کہ کنویں کا پانی دوسری جانب نہ جائے۔ (۱)

چشمہ کا حریم

ارض مباحہ میں اگر دو چشمے قدرتی ہوں تو ان کے درمیان کوئی حریم نہیں، اور اگر لوگوں نے کھودے ہوں تو (ارض متوسطہ میں) جو چشمہ پہلے نکالا گیا ہوگا اس کا حریم چہار جانب ۵۰۰؍ذراع (ساڑھے سات سوفٹ) ہوگا، اور دوسرے کا جوانب ثلاثہ

---

(۱)(وحريم بئر الناضح) وهي التي ينزع الماء منها بالبعير (كبئر العطن) وهي التي ينزع الماء منها باليد، والعطن مناخ الإبل حول البئر (أربعون ذراعا من كل جانب. (الدر المختار) والصحيح الأول لأن المقصود من الحريم دفع الضرر كي لا يحفر بحريمه أحد بئرا أخرى فيتحول إليها ماء بئره وهذا الضرر لا يندفع بعشرة أذرع من كل جانب فإن الأراضي تختلف بالصلابة والرخاوة عناية...(قوله فوق الأربعين) وفي التتارخانية عن الينابيع ولا حاجة إلى الزيادة، ومن احتاج إلى أكثر من ذلك يزيد عليه وكان الاعتبار للحاجة لا للتقدير ولا يكون في المسألة خلاف في المعنى اهـ ونقل العلامة قاسم في تصحيحه عن مختارات النوازل أن الصحيح اعتبار قدر الحاجة في البئر من كل جانب.(رد المحتار : ۶؍۴۳۴ كتاب إحياء الموات)

میں ۵۰۰ رذراع ہوگا، پہلے چشمے کی طرف اس کا کوئی حریم نہیں۔ (۱)

ارض مملوکہ میں کوئی حریم نہیں

اوپر حریم کی جو مقدار بیان کی گئی وہ ارض موات/ ارض مباحہ، یعنی سرکاری زمین کا ہے، ملکیت کے کنویں میں کوئی حریم نہیں ہے، یعنی دوسرا شخص اپنی ہی ملک میں کنواں کھودے تو وہ اس فاصلہ کا مقید نہیں، وہ اپنی ملک میں جہاں چاہے کنواں کھود سکتا ہے، خواہ اس سے دوسرے کے کنویں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ (۲)

پانی کے کنویں اور بالوعہ میں حریم کی مقدار

پانی کے کنویں اور بالوعہ (نجاست کے کنویں) کے درمیان دوری میں اختلاف ہے ایک روایت میں پانچ ذراع (ساڑھے سات فٹ) جبکہ دوسری روایت میں سات ذراع (ساڑھے دس فٹ) بیان کی گئی ہے، مگر صحیح اور معتمد بات یہ ہے کہ اس میں کوئی قطعی مقدار معین نہیں، بلکہ اس میں نجاست کے نفوذ کا اعتبار ہے، اگر کنویں کے پانی میں نجاست کا اثر پہنچ جائے یعنی پانی کے رنگ یا بو یا ذائقہ میں اس کی وجہ سے فرق آجائے تو کنویں کا پانی ناپاک ہے گو نجاست کا کنواں اس سے سات گز سے

---

(۱) (وحريم العين خمسمائة) ذراع (من كل جانب) كما في الحديث (ويمنع غيره من الحفر) وغيره (فيه) الخ (وللحافر الثاني الحريم من الجوانب الثلاثة دون جانب الأولى) لسبق ملك الأول فيه. (الدر المختار: ۴۳۵/۶ كتاب إحياء الموات)

(۲) إذا حفرها في موات بإذن الإمام) فلو في غير موات أو فيه بلا إذن الإمام لم يكن الحكم كذلك. وعبارة القهستاني: وفيه رمز إلى أنه لو حفر في ملك الغير لا يستحق الحريم، فلو حفر في ملكه فله من الحريم ما شاء. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله لم يكن الحكم كذلك) أي لم يثبت له الحريم المذكور. (الدر المختار: ۴۳۴/۶ كتاب إحياء الموات)

بھی دور ہو، ورنہ پاک ہے اگر چہ قریب ہو، پس یہ مقدار زمین کی نرمی اور سختی کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے اور فقہاء نے جو مقدار بیان کی ہے وہ اپنے یہاں کی زمین کے اعتبار سے ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں زمین کے ماہرین سے تحقیق کر کے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ (۱)

تیمم کا بیان

زخمی شخص کے لئے جواز تیمم میں اعضاء کے عدد و پیمائش

اگر کسی شخص کے اعضاء زخمی ہوں تو وضو میں عدد کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ چہرہ سر، دو ہاتھ، اور دو پیر: کل چھ اعضاء میں سے اکثر اعضاء زخمی ہیں تو اس کے لئے تیمم جائز ہے ورنہ جائز نہیں؛ جبکہ غسل میں پیمائش کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ اکثر بدن پیمائش کے لحاظ سے زخمی ہے تو تیمم جائز ہے ورنہ جائز نہیں (البتہ اگر نیچے کا بدن زخمی ہو اور اوپر کے حصے کو دھونے میں پانی نیچے آکر نقصان دہ ثابت ہوتا ہو تو اب اکثر بدن کا زخمی ہونا ضروری نہیں بلکہ ضرر کی بنا پر تیمم بہر حال جائز رہے گا) وجہ فرق یہ ہے کہ وضو میں ہر عضو علاحدہ حکم رکھتا ہے، اور غسل میں پورا بدن عضو واحد کے حکم میں ہے۔ (۲)

(۱) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة. وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا ولو كان عشرة أذرع. وفي الخلاصة والخانية: والتعويل عليه وصححه في المحيط بحر. والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (ردالمحتار: ۱/۲۲۱، باب المياه)

(۲) (تيمم لو) كان (أكثره) أي أكثر أعضاء الوضوء عددا وفي الغسل مساحة (مجروحا) أو به جدري اعتبارا للأكثر (وبعكسه يغسل) الصحيح ←

پانی تلاش کرنے کی حد

اگر کوئی مسافر پانی کو نہ پائے، لیکن اس کو غالب گمان ہو کہ قریب میں کہیں پانی مل سکتا ہے تو تلاش کرنا ضروری ہے، اب کہاں تک وہ پانی تلاش کرے اس کی حد کیا ہے تو فقہاء کی صراحت کے مطابق ایک ''غلوۃ'' تک پانی تلاش کرنا ضروری ہے، ایک غلوۃ چارسو ذراع کا ہوتا ہے، اور ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا، اس حساب سے ۶۰۰ رفٹ تک اور میٹر کے حساب سے ۴۵ رمیٹر، ۲۰۷ رملی میٹر تک وہ پانی تلاش کرے۔ پھر یہ مقدار چاروں سمت یعنی آگے پیچھے دائیں بائیں کا مجموعہ ہے یا ہر سمت اتنی ہی مقدار تلاش کرے تو اس میں اختلاف ہے، صاحب نہر نے پہلی رائی کو ترجیح دی ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اقرب کہا ہے، پس اس لحاظ سے ہر جہت میں ڈیڑھ سو، ڈیڑھ سو فٹ تلاش کرنا لازم ہوگا۔ اور اس تلاش کے لئے خود چل کر جانا ضروری نہیں، بلکہ کسی معتبر آدمی کو بھیجے یا بلند ٹیلے پر چڑھ کر دیکھ لے تو

← ویمسح الجریح (و) کذا (إن استویا غسل الصحیح) (الدر المختار) وقد اختلفوا في حد الكثرة؛ فمنهم من اعتبرها في نفس العضو، حتى لو كان أكثر كل عضو من الأعضاء الواجب غسلها جريحا تيمم وإن كان صحيحا يغسل. وقيل في عدد الأعضاء حتى لو كان رأسه ووجهه ويداه مجروحة دون رجليه مثلا تيمم، وفي العكس لا. اهـ درر البحار. قال في البحر: وفي الحقائق المختار الثاني، ولا يخفى أن الخلاف في الوضوء، أما في الغسل فالظاهر اعتبار أكثر البدن مساحة. اهـ... (قوله وبعكسه) وهو ما لو كان أكثر الأعضاء صحيحا يغسل إلخ، لكن إذا كان يمكنه غسل الصحيح بدون إصابة الجريح وإلا تيمم حلية، فلو كانت الجراحة بظهره مثلا وإذا صب الماء سال عليها يكون ما فوقها في حكمها فيضم إليها كما بحثه الشرنبلالي في الإمداد. (ردالمحتار: ۱/۲۵۷، فروع التيمم)

بھی کافی ہے۔[1]

جوازِ تیمم کے لئے پانی کی دوری کی حد

مذکورہ مقدار تلاش کے بعد جب یقین یا غالب گمان ہوجائے کہ پانی ایک میل کے اندر کہیں موجود نہیں تو اب اس کے لئے تیمم جائز ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، خواہ مسافر ہو یا مقیم، اور اگر چہ وقت ختم ہونے سے پہلے پانی مل جانے کا یقین بھی ہو، البتہ جب پانی ملنے کا یقین ہو تو نماز کی تاخیر مستحب ہے، تاہم ضروری نہیں، اور اگر پانی ایک میل سے کم فاصلے پر موجود ہو اور اس پر قدرت بھی ہو تو تیمم جائز نہیں، وضو کر کے نماز پڑھنا لازم ہے اگر چہ وقت تنگ ہو اور نماز قضا ہوجائے۔[2]

ایک میل شرعی: "۱رکلومیٹر ۸۲۸رمیٹر ۸۰رسینٹی میٹر" کا ہوتا ہے۔ اور یہ مقدار چاروں جہت میں سے ہر جہت کے لئے ہے، بعض نے کہا آگے کی جانب

(۱)(ويجب) أي يفترض (طلبه) ولو برسوله (قدر غلوة) ثلثمائة ذراع من كل جانب. (الدر المختار: ۱/۲۴۶)(قوله ولو برسوله) وكذا لو أخبره من غير أن يرسله بحر عن المنية الخ. قال في البحر: وظاهره أنه لا يلزمه المشي بل يكفيه النظر في هذه الجهات وهو في مكانه إذا كان حواليه لا يستتر عنه...ولكن هل يقسم الغلوة على الجهات أو لكل جهة غلوة؟ محل تردد. والأقرب الأول كما مر عن النهر. (ردالمحتار: ۱/۲۴۷)

(۲)من عجز عن استعمال الماء المطلق الكافي لطهارته لصلاة تفوت إلى خلف لبعده ولو مقيما في المصر ميلا أربعة آلاف ذراع...تيمم(الدر المختار)قوله ولو مقيما: لأن الشرط هو العدم فأينما تحقق جاز التيمم...(قوله ميلا) هو المختار في المقدار هداية، وهو أقرب الأقوال بدائع. والمعتبر غلبة الظن في تقديره إمداد وغيره. (ردالمحتار: ۱/۲۳۴)(وألا) يغلب على ظنه قربه (لا) يجب بل يندب إن رجا وإلا لا. (الدر المختار: ۱/۲۴۷)

دو میل اور باقی تین سمتوں میں ایک ایک میل کا اعتبار ہے، لیکن قول اول مختار ہے یعنی ہر سمت میں ایک ایک میل معتبر ہے۔ (۱)

خفین کا بیان

خفین پر مسح کی مدت

مقیم کے لئے خفین (چمڑے کے موزے) پر مسح کی مدت ایک دن رات (۲۴ گھنٹے) اور مسافر کے لئے تین دن تین رات (۷۲ گھنٹے) ہے؛ اس مدت کی ابتدا پہننے کے بعد پہلی مرتبہ حدث لاحق ہونے کے وقت سے ہوگی۔ (۲)

اگر مقیم نے ۲۴ گھنٹے پورے ہونے سے پہلے سفر کرلیا تو سفر کی مدت پوری کرے، یعنی پہننے کے وقت سے ۷۲ گھنٹے تک مسح کرتا رہے۔ اور اگر ۲۴ گھنٹے کے بعد سفر کیا ہے تو موزے نکال کر دونوں پیر دھولے، اب نئے سرے سے مدت شمار ہوگی۔ (۳)

اور مسافر اگر "مدت مسح اقامت" یعنی ۲۴ گھنٹے پورے ہونے سے پہلے مقیم ہو گیا تو ۲۴ گھنٹے پورے کرے۔ اور گر ۲۴ گھنٹے پورے ہونے کے بعد مقیم ہوا ہے تو آگے مسح کی اجازت نہ ہوگی، موزے نکالے اور پیر دھوئے، نئے سرے سے مدت شروع ہوگی۔ (۴)

خفین پر مسح کی مقدار اور طریقہ

خفین پر مسح کی فرض مقدار ہاتھ کی تین انگل کے برابر ہے، لیکن اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ تر کرکے انگلیاں کھول کر موزوں کے اگلے حصے سے

(۱) وأقل خرق يجمع ليمنع الخ ماتدخل في المسلة لا مادونه إلحاقا له بمواضع الخرز (درمختار) قوله المِسلة: الإبرة العظيمة صحاح (ردالمحتار: ۱/ ۲۷۴)

(۲) (هداية: ۱/ ۴۰، اعلاء السنن: ۱/ ۳۴۱) (۳-۴) (هداية: ۱/ ۴۴)

پنڈلیوں کی طرف خط کھینچ دے، اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی شامل کرلے تو بہتر ہے، صرف انگلیوں کے سرے (پوروں) سے مسح جائز نہیں، مگر یہ کہ پانی ٹپکتا ہوا ہو (۱)

مسح ایک ہی بار کرنا چاہئے، کئی بار سنت نہیں ہے اور تیمم کی طرح اس میں استیعاب شرط نہیں بلکہ صرف اوپر کے حصے میں مسح کرے اوپر کے ساتھ نیچے یعنی تلوے میں مسح کرنا احناف کے یہاں مسنون بھی نہیں۔ (۲)

خفین کا کتنی مقدار پھٹنا ناقض مسح ہے؟

پیر کی چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر موزے کا پھٹ جانا مسح کو توڑ دیتا ہے، خواہ یہ مقدار ایک ہی جگہ ہو یا ایک موزے کے مختلف پھٹوں کو جمع کے بعد ہوئی ہو؛ البتہ دونوں موزوں کے پھٹوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ (۳)

اور پھٹن سے مراد وہ ہے جس میں سُوا (بڑی سوئی) داخل ہو سکے، اس سے کم جو

(۱) وفرض ذلك مقدار ثلاث أصابع من أصابع اليد (الجوهرة النيرة: ۱/ ۲۷) وإذا مسح خفه برءوس أصابعه فإن كان الماء متقاطرا يجوز وإلا لا. (هندية: ۱/ ۳۳-۳۴) والسنة أن يخطه خطوطا بأصابع يد مفرجة قليلا، يبدأ من قبل أصابع رجله متوجها إلى أصل الساق الخ. (الدر المختار: ۱/ ۲۶۷)

(۲) ولا يسن تكراره. (حاشية الطحطاوي: ۱۳۲) المذهب عند أصحابنا أن ما سوى ظهر القدم من الخف ليس بمحل للمسح لا فرضا ولا سنة، وبه قال أحمد. (ردالمحتار: ۱/ ۲۶۷) (۱۲) مسح میں خط کا ظاہر ہونا شرط نہیں ہے، البتہ سنت ہے یہی صحیح ہے۔ أفاد أن إظهار الخطوط ليس بشرط وهو ظاهر الرواية، بل هو شرط السنة في المسح. (ردالمحتار: ۱/ ۲۶۷، الجوهرة النيرة: ۳۳)

(۳) ولا يجوز المسح على خف فيه خرق كبير يبين منه قدر ثلاث أصابع من أصابع الرجل فإن كان أقل من ذلك جاز... ويعتبر هذا المقدار في كل خف على حدة فيجمع الخرق في خف واحد ولا يجمع في خفين. (هداية: ۱/ ۳۱)

سوراخ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ معاف ہے، اس کو سیون کے سوراخ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔(۱)

کس قدر خفین کا نکلنا ناقض مسح ہے؟

دونوں موزوں یا ایک موزے کو اتار دینا؛ یا پیر کے اکثر حصے کا موزے میں سے نکل جانا؛ یا موزے کی ساق (پنڈلی) میں آجانا مسح کو توڑ دیتا ہے۔(۲)

کتنی مقدار پانی کا خفین میں جانا ناقض ہے؟

موزے کے اندر ہی کسی پیر کے اکثر حصے تک پانی پہنچ جانا اور پیر کا دھل جانا مسح کو توڑ دیتا ہے، اس سے کم پہنچنا ناقض نہیں۔(۳)

فائدہ: جو چیز وضو کو توڑتی ہے، جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ اس کے پیش آنے پر نیا وضو کرتے وقت دوبارہ مسح کرلے؛ اس کے علاوہ باقی صورتوں میں یعنی موزہ کے پھٹنے؛ یا نکلنے؛ یا اس میں پانی داخل ہونے؛ یا مسح کی مدت ختم ہونے کے وقت جو مسح ٹوٹتا ہے ان میں باقاعدہ موزہ اتار کر پیر دھونا ضروری ہے صرف مسح کرلینا کافی نہ ہوگا، البتہ وضو موجود ہے تو نیا وضو لازم نہیں۔ (تبیین الحقائق: ۱/۵۱)

---

(۱) وأقل خرق يجمع ليمنع الخ ماتدخل في المسلة لا مادونه إلحاقا له بمواضع الخرز (درمختار) قوله المِسلة: الإبرة العظيمة صحاح. (ردالمحتار: ۱/۲۷۴)

(۲) وحكم النزع يثبت بخروج القدم إلى الساق لأنه لا معتبر به في حق المسح وكذا بأكثر القدم هو الصحيح. (هداية: ۱/۳۱، بدائع الصنائع: ۱/۱۳)

(۳) وينتقض أيضا بغسل أكثر الرجل فيه لو دخل الماء خفه وصححه غير واحد. (الدر المختار: ۱/۲۷۷)

حیض ونفاس کا بیان

حیض کی اقل واکثر مدت

حیض کی اقل مدت ۳؍دن اور اکثر مدت ۱۰؍دن ہے، ۳؍دن سے کم اور ۱۰؍دن سے زیادہ خون استحاضہ ہے۔

خلاف عادت خون آنے پر حیض کے ایام کی تعیین

اگر کسی عورت کو عادت کے خلاف ایک دو دن زیادہ خون آیا تو اگر خون ۱۰؍دن سے زیادہ نہیں بڑھا تو سب دن حیض کے شمار ہوں گے، اور سمجھیں گے کہ اس کی عادت بدل گئی ہے؛ اور اگر خون ۱۰؍دن سے تجاوز کر جائے تو عادت کے دن حیض کے ہیں، باقی استحاضہ، لہٰذا استحاضہ کی نمازیں قضا کرے۔ (۱)—— اگر ۱۰؍دن سے زیادہ خون آیا اور عادت بھول گئی ہو تو ۱۰؍دن حیض کے شمار کرے، باقی استحاضہ۔ (۲) —— اگر کسی عورت کو عادت سے پہلے خون بند ہو جائے تو اسی وقت غسل کر کے احتیاطا نماز پڑھنا لازم ہے، مگر جب تک ایام عادت پورے نہ ہو جائیں شوہر کے لئے جماع جائز نہیں۔ (۳)

نفاس کی اقل واکثر مدت اور آپریشن کے بعد آنے والا خون

نفاس کی اقل مدت کوئی نہیں، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ولادت کے بعد بالکل خون نہ آئے، جیسے آپریشن کے ذریعے پیٹ چاق کر کے بچہ نکالا گیا اور بچہ دانی کو بالکل صاف

(۱)(الدر المختار: ۱/ ۴۹۸، ملتقی الأبحر: ۱/ ۸۲)

(۲)(فتاوی دار العلوم: ۱/ ۲۷۹)

(۳)(ھندیہ: ۱/ ۳۹، الدر المختار: ۱/ ۴۹۰)

کردیا گیا یہاں تک کہ شرمگاہ کے راستہ سے بالکل خون نہ نکلا۔اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ: آپریشن کے بعد اگر خون بچہ دانی سے شرمگاہ کے راستے سے بہے تو وہ نفاس ہے اوراگر بچہ دانی سے نہ بہے تو اس کا حکم زخم سے بہنے والے خون کی طرح ہے، اس کو نفاس شمار نہیں کیا جائے گا؛ تاہم غسل ہر حال میں ضروری ہوگا۔(۱) اور نفاس کی اکثر مدت ۴۰/دن ہے، چالیس دن سے جو زیادہ آئے وہ استحاضہ ہے۔

اسقاط یا سقوط حمل کی صورت میں مدت حمل کے لحاظ سے خون کی تعیین

حاملہ کا حمل گر جائے یا گرادیا جائے تو اگر بچے کے اعضا بن گئے تھے (جس کی مدت عموماً ۴/ماہ ہے) تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے، ورنہ حیض ہے جبکہ شرائط حیض پائے جائیں، یعنی وہ خون تین دن سے کم نہ ہو اور اس سے پہلے پورا طہر یعنی پندرہ دن گذر گئے ہوں؛ ورنہ یعنی ان مذکورہ شرائط حیض میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو استحاضہ ہوگا۔(۲)

فائدہ: ساقط شدہ مردہ حمل کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر بدن کا کوئی جز انگلی وغیرہ نمودار ہو تو غسل، کفن، دفن سوائے نماز کے سب کیا جائے ،البتہ غسل مسنون وکفن مسنون ضروری نہیں بلکہ غسل کی نیت سے پانی ڈال دیا جائے اور ایک کپڑے

(۱) فلو ولدته من سرتها إن سال الدم من الرحم فنفساء وإلا فذات جرح. (الدر المختار: ۱/۴۹۶) ولم تر دما لاتكون نفساء،ثم يجب الغسل عند أبي حنيفة رحمه الله احتياطاً. (البحر ۱/۳۷۸)

(۲) و(سقط) أي مسقوط (ظهر بعض خلقه كيد أو رجل) أو أصبع أو ظفر أو شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد مائة وعشرين يوما (ولد) حكما (فتصير) المرأة (به نفساء والأمة أم ولد ويحنث به) في تعليقه وتنقضي به العدة،فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء، والمرئي حيض إن دام ثلاثا وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة. (الدر المختار: ۱/۳۰۲؛ البحر الرائق: ۱/۳۸۰)

میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے؛ اور اگر بدن کا کوئی جز ظاہر نہ ہو تو کچھ لازم نہیں۔ (۱)

خلاف عادت خون آنے پر ایام نفاس کی تعیین

اگر نفاس والی عورت کو خلاف عادت زیادہ خون آئے تو اگر چالیس دن کے اندر ہی خون رہا تو سب دن نفاس کے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس کی عادت بدل گئی؛ اور اگر خون چالیس دن سے تجاوز کر گیا تو عادت کے دن نفاس کے ہیں باقی استحاضہ کے ہوں گے، لہٰذا استحاضہ کے دنوں کی نمازیں اور روزیں قضا کرے۔ (۲)

اور اگر عادت سے پہلے نفاس کا خون بند ہو گیا مثلاً اس سے پہلے بچے میں تیس دن خون آیا تھا اور اس مرتبہ پچیس دن آ کر بند ہو گیا تو طہر کا حکم ہوگا، غسل کر کے احتیاطاً نماز روزہ شروع کر دے، تاہم احتیاطاً صحبت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس سے پہلے والے دن پورے نہ ہو جائیں (۳) البتہ اگر پہلے بچے میں چند روز خون آ کر بند ہو گیا تو شوہر کے لئے صحبت جائز ہے، اگرچہ ۴۰ روز پورے نہ ہوئے ہوں۔ (۴)

جڑواں بچے میں نفاس کی حد

اگر دو جڑواں بچے پیدا ہوں، یعنی دونوں کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ

---

(۱) وإذا استبان بعض خلقه غسل وحشر هو المختار (الدر المختار) قال في الشرنبلالية: يمكن التوفيق بأن من نفى غسله أراد غسل المراعى فيه وجه السنة، ومن أثبته أراد الغسل في الجملة كصب الماء عليه من غير وضوء وترتيب لفعله كغسله ابتداء بسدر وحرض. اهـ. قلت: ويؤيده قولهم ويلف في خرقة حيث لم يراعوا في تكفينه السنة فكذا غسله. (ردالمحتار: ۲۲۸/۲، كتاب الجنائز)

(۲) (ردالمحتار: ۳۰۰/۱) (۳) (ردالمحتار: ۲۹۴/۱)

(۴) وإن انقطع ... لعادتها... لا يحل حتى تغتسل. (درمختار) (قوله وإن لعادتها) وكذا لو كانت مبتدأة درر. (ردالمحتار: ۲۹۴/۱؛ امداد الفتاوی: ۸۴/۱)

ہوتو اول بچے کی ولادت سے ۴۰؍دن تک جوخون آوے وہ نفاس ہے، باقی استحاضہ، پس اگر دوسرا بچہ ۴۰؍دن کے بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہوگا، نفاس نہیں؛ البتہ نہانے کا حکم دوسرے بچے پر بھی ہوگا کہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔ (۱)

طہر کی اقل واکثر مدت

دوحیض کے درمیان پاک رہنے کی کم ازکم مدت پندرہ دن ہے، اس سے پہلے اگر خون آجائے تو وہ دوسرا حیض شمار نہ ہوگا؛ اور اکثر مدت کی کوئی انتہاء نہیں کتنے ہی مہینے خون نہ آئے عورت پاک ہے، اگرچہ تمام عمر نہ آئے۔ (۲)

البتہ مدت نفاس چالیس دن میں وقفے وقفے سے خون آئے تو بیچ میں پاکی کا پورا زمانہ نفاس شمار ہوگا، اگرچہ طہر کی مدت پندرہ دن سے بھی زیادہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے (۳)

عورت کے سن ایاس کی مدت

ہمارے یہاں مفتی بہ قول کے مطابق سن ایاس ۵۵؍سال ہے، پس پچپن سال کے بعد ایاس (ناامیدی) کا زمانہ ہے اس میں عموماً عورت کو خون نہیں آتا ہے، لیکن

---

(۱)(والنفاس لأم توأمين من الأول)هما ولدان بينهما دون نصف حول. (الدرالمختار) (قوله من الأول) والمرئي عقيب الثاني، إن كان في الأربعين فمن نفاس الأول وإلا فاستحاضة وقيل إذا كان بينهما أربعون يجب عليها نفاس من الثاني والصحيح هو الأول. (ردالمحتار: ۱/ ۳۰۱)

(۲)(البحر الرائق: ۱/ ۳۵۶، هدايه: ۱/ ۵۰)

(۳)الطهر المتخلل بين الأربعين في النفاس لا يفصل عند أبي حنيفة سواء كان خمسة عشر أو أقل أو أكثر، ويجعل إحاطة الدمين بطرفيه كالدم المتوالي وعليه الفتوى. (ردالمحتار: ۱/ ۲۹۰)

اگر کسی عورت کو آجائے تو ظاہر مذہب میں اس پر حیض کا حکم نہ ہوگا بلکہ استحاضہ شمار ہوگا۔ البتہ اگر خون کا رنگ قوی یعنی گہرا سرخ یا سیاہ ہے تو مختار قول کے مطابق وہ حیض ہے اور اگر دوسرا رنگ ہے تو وہ حیض نہیں استحاضہ ہے، مگر یہ کہ پچپن سال سے قبل اس عورت کو دوسرے رنگ کا خون آنے کی عادت رہی ہو تو اب دوسرے رنگ کا خون بھی حیض شمار ہوگا اور اگر عادت نہ رہی ہو تو استحاضہ ہے۔ (۱)

خون بند ہونے پر وقت کی وہ مقدار جس پر فرضیت نماز کا مدار ہے

نماز کے بالکل آخری وقت میں خون بند ہوا تو اگر دس دن سے کم خون آیا ہے تو غسل کرنے اور اللہ اکبر کہنے کے بقدر اور اگر پورے دس دن آکر بند ہوا تو صرف اللہ اکبر کہنے کے بقدر نماز کا وقت باقی ہو تو وہ نماز فرض ہوگئی، اس کی قضا لازم ہوگی، ورنہ یعنی اتنا بھی وقت نہ ہو تو قضا لازم نہیں۔ (۲)

خون رکنے پر وقت کی وہ مقدار جس پر بلا غسل کے جواز صحبت کا مدار ہے

اگر کسی عورت کو اکثر مدت حیض یعنی دس دن پر خون بند ہوا تو وہ اسی وقت پاک شمار ہوگی صحبت کے لئے غسل ضروری نہیں تاہم غسل کر لینا مستحب ہے، اور اگر دس

(۱) الإياس مقدر بخمس وخمسين سنة وهو المختار. كذا في الخلاصة وهو أعدل الأقوال. كذا في المحيط وعليه الاعتماد. كذا في النهاية والسراج الوهاج وعليه الفتوى. هكذا في معراج الدراية فما رأت بعدها لا يكون حيضا في ظاهر المذهب والمختار أن ما رأته إن كان دما قويا كان حيضا. كذا في شرح المجمع لابن الملك. (هندية: ۳۶/۱)

(۲) فإذا كانت طهارتها لعشرة وجبت الصلاة وإن كان الباقي لمحة، وإن كانت لأقل منها وذلك عادتها فإن كان الباقي من الوقت مقدار ما يسع الغسل والتحريمة وجبت وإلا فلا. (مجمع الأنهر: ۵۳/۱) ولو لعشرة فقدر التحريمة فقط الخ. (الدر المختار: ۲۹۷/۱/۱)

دن سے کم پر بند ہوا تو غسل ضروری ہے، البتہ ایک نماز کا وقت گذر جائے یعنی عورت کے ذمہ ایک نماز واجب ہو جائے مثلاً ظہر کے شروع یا درمیانی وقت میں خون بند ہوا یا آخری وقت میں اس وقت بند ہوا جبکہ غسل اور تحریمہ کی گنجائش تھی مگر اس نے غسل نہیں کیا اور وقت نکل کر نماز قضا ہو گئی تو اب بغیر غسل کے صحبت جائز ہوگی، کیونکہ جب شریعت نے اس کے ذمہ قضا کی صورت میں نماز کو لازم قرار دیا تو معلوم ہوا کہ اس کے لئے طہارت ثابت ہوگئی، مگر خیال رہے جان بوجھ کر بلا عذر نماز قضا کرنا سخت گناہ کی بات ہے، پھر یہ حکم اس وقت ہے جب کہ عادت سے پہلے خون بند نہ ہوا ہو اگر عادت سے پہلے خون بند ہو گیا تو جب تک عادت کے دن پورے نہ ہو جائیں صحبت جائز نہ ہوگی، جیسا کہ اوپر گذر چکا، نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔ (۱)

حیض ونفاس میں جماع صادر ہونے پر کفارہ کی مقدار

اگر نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر حائضہ یا نفساء سے جماع کر لیا تو سچے دل سے توبہ لازم ہے، اور مستحب ہے کہ اس کی تلافی میں ایک دینار (۴ رگرام ۳۷ ملی گرام سونا یا اس کی قیمت) مسکین کو صدقہ کرے: جبکہ شروع حیض میں جماع کیا ہو؛ یا نصف دینار (۲ رگرام ۱۸۷ ملی گرام سونا یا اس کی قیمت) صدقہ کرے: اگر جماع

---

(۱) وإذا انقطع دم الحيض لأقل من عشرة أيام... لم يحل وطؤها حتى تغتسل...أو يمضي عليها وقت صلاة كامل بأن تجد من الوقت زمناً يسع الغسل ولبس الثياب والتحريمة وخرج الوقت ولم تصل؛ لأن الصلاة صارت ديناً في ذمتها فطهرت حكماً، ولو انقطع الدم لدون عادتها فوق الثلاث لم يقربها حتى تمضي عادتها وإن اغتسلت؛ لأن العود في العادة غالب...فإن انقطع دمها لعشرة أيام جاز وطؤها قبل الغسل ؛ لأن الحيض لا مزيد له على العشرة ،إلا أنه لا يستحب قبل الغسل؛ للنهي في القراءة بالتشديد هداية.(اللباب في شرح الكتاب: ۱/۴۴)

اخیر حیض میں کیا ہو۔ظاہراً یہ حکم مرد کے لئے ہے،عورت کیلئے نہیں ہے۔(۱)

نجاست کا بیان

نجاست غلیظہ میں معافی کی مقدار

اگر نجاست غلیظہ ہو: جیسے پاخانہ، خون، شراب، مردار کا گوشت، آدمی کا پیشاب (اگر چہ دودھ پیتے بچے کا ہو) حرام جانوروں کا پیشاب اور ایسے پرندے کی بیٹ جو ہوا میں اچھی طرح اڑ نہیں سکتا (مثلاً مرغی، مور، بطخ وغیرہ) تو اس کا حکم یہ ہے کہ: اگر پتلی ہو تو درہم کے پھیلاؤ کے بقدر۔یعنی ہتھیلی کی گہرائی کے بقدر، یعنی اندازاً ہندوستان پاکستان کے بڑے روپیہ کے برابر۔اور اگر گاڑھی ہو تو درہم کے وزن کے بقدر، یعنی ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام، مطلب کہ سوا چار گرام سے کچھ زائد کپڑا یا بدن پر لگ جائے تو وہ معاف ہے یعنی نماز کو نہیں توڑتی اور اگر مذکورہ مقدار سے زیادہ لگے تو اس حال میں نماز جائز نہ ہوگی۔(۲)

---

(۱) ثم هو كبيرة لو عامدا مختارا عالما بالحرمة لا جاهلا أو مكرها أو ناسيا فتلزمه التوبة؛ويندب تصدقه بدينار أو نصفه،ومصرفه كزكاة ،وهل على المرأة تصدق؟قال في الضياء: الظاهر لا.(الدر المختار)ثم قيل إن كان الوطء في أول الحيض فبدينار أو آخره فبنصفه، وقيل بدينار لو الدم أسود وبنصفه لو أصفر. قال في البحر: ويدل له ما رواه أبو داود والحاكم وصححه الخ. (ردالمحتار:۱/۲۹۸)

(۲)(وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريما، فيجب غسله، ومادونه تنزيها فيسن، وفوقه مبطل فيفرض...(وهو مثقال) عشرون قيراطا (في) نجس (كثيف) له جرم(وعرض مقعر الكف) وهو داخل مفاصل أصابع اليد (في رقيق من مغلظة كعذرة) آدمي، وكذا كل ما خرج منه موجبا لوضوء أو غسل مغلظ(وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم)...(وخرء) كل ←

وضاحت: معافی کا مطلب ہے بے خبری میں مذکورہ مقدار نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی، اس کا اعادہ لازم نہیں، لیکن اگر نماز سے پہلے معلوم ہوجائے تو حکم یہ ہے کہ: وہ قلیل نجاست اگر درہم سے بھی کم ہو تو دھونا مستحب ہے، بغیر دھوئے نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، اور اگر بقدر درہم ہو تو اس کو دھونے کی اور زیادہ تاکید ہے، تاہم دھوئے بغیر اس وقت بھی۔ کراہت کے ساتھ۔ نماز ہوجائے گی، نماز کا جائز نہ ہونا درہم سے زائد نجاست میں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ (۱)

نجاست خفیفہ میں معافی کی مقدار

اور اگر نجاست خفیفہ ہو: جیسے حلال جانوروں کا پیشاب اور ہوا میں اڑنے والے حرام پرندے مثلاً کوا، باز وغیرہ کی بیٹ تو اس کا حکم یہ ہے کہ: کپڑے اور بدن کے جس حصے میں وہ لگے مثلاً آستین، کلی دامن وغیرہ میں اور بدن میں ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ میں تو اس حصے کی چوتھائی تک معاف ہے اس سے زائد میں نماز جائز نہیں۔ (۲)

تنبیہ: نجاست غلیظہ وخفیفہ کا مذکورہ حکم کپڑے اور بدن میں جاری ہوتا ہے پانی میں جاری نہیں ہوتا۔ یعنی اگر قلیل پانی میں گرے تو خواہ غلیظہ ہو یا خفیفہ کل پانی ناپاک

← طير لا يذرق في الهواء كبط أهلي (ودجاج) أما ما يذرق فيه، فإن مأكولا فطاهر وإلا فمخفف (وروث وخثي) الخ (الدر المختار: ۱/۳۲۱)

(۱) والأقرب أن غسل الدرهم وما دونه مستحب مع العلم به والقدرة على غسله، فتركه حينئذ خلاف الأولى، نعم الدرهم غسله آكد مما دونه، فتركه أشد كراهة كما يستفاد من غير ما كتاب من مشاهير كتب المذهب. (ردالمحتار: ۱/۳۱۷)

(۲) (وعفي دون ربع) جميع بدن و (ثوب) ولو كبيرا هو المختار، ذكره الحلبي ورجحه في النهر على التقدير بربع المصاب كيد وكم وإن قال في الحقائق وعليه الفتوى (من) نجاسة (مخففة كبول مأكول) الخ (الدرالمختار: ۱/۳۲۱)

ہوجائے گا، اگرچہ نجاست کا ایک ہی قطرہ گرے۔ پھر گرنے والی نجاست غلیظہ ہے تو پانی نجاست غلیظہ اور خفیفہ ہے، خفیفہ ہوجائے گا۔ (۱)

مختلف اعضاء میں لگی تھوڑی تھوڑی نجاست کو جمع کرنا

مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ، پیٹ، ران وغیرہ میں تھوڑی تھوڑی قابل عفو نجاست لگی تو ان سب کو اندازاً جمع کیا جائے گا، اگر جمع کے بعد نا قابل عفو ہوجائے تو اس حال میں نماز جائز نہ ہوگی، یہی حکم ستر کے کھلنے؛ محرم کے خوش بولگانے؛ اور ریشم کے گوٹ اور پیوند لگانے کا ہے؛ برخلاف دو خف کے پھٹن، کہ ان کو جمع نہیں کیا جائے گا؛ وجہ یہ ہے کہ خف میں پھٹن کا ممنوع ہونا مسافت طے کرنے میں حرج کی وجہ سے ہے اور یہ حرج اس وقت تک لازم نہیں آتا جب تک کہ کسی ایک خف میں تین انگل کے بقدر پھٹن نہ ہو، جبکہ کپڑے میں ستر اور نجاست وغیرہ کی صورت میں کشف وحمل کا اعتبار ہے اور یہ معنی بہر صورت لازم آتا ہے خواہ مقدار ممنوعہ ایک ہی عضو میں ہو یا مختلف اعضاء میں جمع کے بعد، پس اس میں پورا بدن مثل عضو واحد ہوگا۔ (۲)

---

(۱) والحاصل أن المائع متى أصابته نجاسة خفيفة أو غليظة وإن قلت تنجس ولا يعتبر فيه ربع ولا درهم، نعم تظهر الخفة فيما إذا أصاب هذا المائع ثوبا أو بدنافيعتبر فيه الربع كما أفاده الرحمتي. (ردالمحتار: ۱/۳۲۲)

(۲) (وتجمع الخروق في خف واحد لا فيهما... بخلاف نجاسة متفرقة، وانكشاف عورة، وطيب محرم، وأعلام ثوب من حرير، فإنها تجمع مطلقا. (الدرالمختار) (قوله فإنها) أي هذه الأربعة تجمع مطلقا: أي سواء كان التفرق في موضع واحد أو في مواضع ح وذلك لوجود القدر المانع. وأما الخرق في الخف فإنما منع لامتناع قطع المسافة معه، وهذا المعنى مفقود فيما إذا لم يكن في كل خف مقدار ثلاث أصابع كما أشار إليه في الهداية. (الردالمحتار: ۱/۲۷۵؛ تبيين الحقائق: ۱/۵۰)

کپڑے پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہ ہو تو کب سے نجس شمار کرے؟

اگر کپڑے وغیرہ پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اس نجاست کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کرے (قواعد الفقہ: ۵۸) جیسے اگر نجاست منی ہے تو سونے کے وقت سے نجس شمار کرے اور پاخانہ یا پیشاب ہے تو استنجا کے وقت سے اور نکسیر کا خون ہے یا قے ہے تو آخری نکسیر پھوٹنے یا قے ہونے کے وقت سے نجس شمار کرے۔ اور اگر ایسی نجاست ہے جس کا کوئی قریبی وقت معلوم نہیں جیسے زخم کا خون وغیرہ تو دیکھنے کے وقت سے نجس شمار کرے، اور اسی حساب سے نمازوں کا اعادہ کرے۔ (۱)

کپڑا پاک کرنے میں دھونے کی مقدار

کپڑے پر لگنے والی نجاست اگر مرئیہ ہو یعنی خشک ہونے کے بعد نظر آنے والی ہو جیسے پاخانہ، خون وغیرہ تو پانی سے دھو کر اس کا عین اور وجود، دور کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اس کا اثر (رنگ وبو) بھی اگر بغیر مشقت کے دور ہو جائے تو اس کو بھی دور کرنا ضروری ہے؛ مگر صابن اور گرم پانی کا استعمال ضروری نہیں۔ (۲)

اور اگر نجاست غیر مرئیہ ہو یعنی خشک ہونے پر نظر نہ آتی ہو تو تین بار دھونا اور ہر بار اپنی طاقت کے بقدر نچوڑنا ضروری ہے، لیکن اگر کپڑا باریک ہو کہ نچوڑنے میں

(۱) وقالا: من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل وبه يفتى. [فرع] وجد في ثوبه منيا أو بولا أو دما أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف. (الدر المختار: ۱/۲۱۹ فصل فی البئر) "الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته منها ما قدمناه فيما لو رأى في ثوبه نجاسة وقد صلى فيه ولا يدري متى أصابته يعيدها من آخر حدث أحدثه، والمني من آخر رقدة" الخ. (الأشباه والنظائر: ۱/۵۵)

(۲) أفاد في النهر أن الأثر إذا توقف زواله على تسخين الماء وغليه لا يلزمه ذلك ويكتفي بالبارد وإن بقي الأثر. (حاشية الطحطاوی: ۱/۱۶۰)

پھٹنے کا اندیشہ ہو یا بھاری ہو کہ نچوڑنا ممکن نہ ہو تو اس کو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ خشک کرے اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا؛ خشک کرنے کی حد یہ ہے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے، سوکھ جانا شرط نہیں۔ (اور اس دوران جو قطریں ٹپکیں گے وہ ناپاک ہوں گے) (۱)

پھر پاکی کے لئے تین مرتبہ دھونا اور ہر بار نچوڑنا یہ کوئی تحدید نہیں، بلکہ اصل غلبۂ ظن حاصل ہونا ہے، جب اس بات کا غلبہ ظن ہو جائے کہ نجاست جو کپڑے میں تھی وہ نکل گئی ہے تو کپڑا پاک ہو گیا خواہ ایک مرتبہ دھونے اور نچوڑنے میں یہ ظن حاصل ہوا ہو، لیکن چونکہ عام طور پر کپڑے میں جذب کرنے والی نجاست جب تک اس کو تین مرتبہ دھویا اور نچوڑا نہ جائے :اس میں باقی رہتی ہے، اس لئے فقہاء نے قطع وساوس کے لئے تین کے عدد کی تعیین کی ہے، کہ تین سے پہلے غلبۂ ظن عموماً حاصل نہیں ہوتا، نیز نجاست کے زوال پر اطلاع دشوار ہے اور قاعدہ ہے کہ: جس کی حقیقت پر اطلاع دشوار ہو وہاں ظاہری سبب کو مسبب کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ سفر میں مشقت پر اطلاع دشوار ہے تو نفس سفر کو ہی جواز قصر کے لئے اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ (۲)

(۱) و قدر بتثليث جفاف أي: انقطاع تقاطر في غيره أي: غير منعصر مما يتشرب النجاسة (الدر المختار) (غير منعصر) بأن تعذر عصره كالخزف أو تعسر كالبساط. (ردالمحتار: ۱/۳۳۲) وحد التجفيف أن يخليه حتى ينقطع التقاطر ولا يشترط فيه اليبس. (البحر الرائق: ۱/۲۱۳، هنديه: ۱/۴۳، كبيرى: ۱۵۲، تاتارخانية: ۱/۳۰۷)

(۲) فعلم بهذا أن المذهب اعتبار غلبة الظن و أنها مقدرة بالثلاث لحصولها به في الغالب و قطعا للوسوسة و أنه من إقامة السبب الظاهر مقام المسبب الذي في الاطلاع على حقيقته عسر كالسفر مقام المشقة (ردالمحتار: ۱/۳۳۱)

اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ کسی برتن یا چھوٹے حوض میں ڈال کر کپڑا دھویا جائے، اگر اوپر سے پانی ڈالا جائے یا بہتے پانی میں ڈالدے تو پھر نہ تثلیث شرط ہے اور نہ عصر وتجفیف، بلکہ یوں اندازہ کیا جائے کہ برتن میں پانی بھر کر اس میں کپڑا ڈالا جاتا تو جس قدر پانی میں کپڑا ڈوب جاتا اس سے تین گنا پانی بہادینے سے کپڑا پاک ہوجائے گا۔(۱) اسی سے معلوم ہوگیا کہ نل کھول کر اس کے نیچے کچھ دیر ناپاک کپڑا رکھ دے اور ملتا رہے تو نجاست زائل ہونے پر کپڑا پاک ہوجاتا ہے، اب الگ سے تین بار دھونا اور نچوڑنا ضروری نہیں۔

واشنگ مشین میں کپڑا پاک کرنا

ناپاک کپڑا واشنگ مشین سے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ: اس کے سکھانے والے حصے (SPINDRAI) میں ڈال کر پانی جاری کردیا جائے تو مشین کے ذریعہ تین مرتبہ کے بقدر نچوڑنے اور غلبۂ ظن حاصل ہونے سے کپڑا پاک ہوجائے گا، علاحدہ پاک کرنا ضروری نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ: جس ٹب میں کپڑے دھلتے ہیں (wash tub) اس میں پانی جاری کردیا جائے جب ایک جانب سے پانی آتا رہے اور دوسری جانب نکلتا رہے تو کپڑا جاری پانی میں دھلنے سے پاک ہوجائے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ ناپاک بستر اگر جاری پانی میں ڈال دیا جائے اور اس میں سے نجاست نکل جانے کا ظن غالب ہوجائے تو اس سے وہ بستر پاک ہوجاتا ہے، پس اسی طرح یہ کپڑا بھی مذکورہ عمل سے

---

(۱) و أما لو غسل في غدير أو صب عليه ماء كثير، أو جرى عليه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس هو المختار. (الدالمختار) (قوله: أو صب عليه ماء كثير) أي: بحيث يخرج الماء ويخلفه غيره ثلاثا، لأن الجريان بمنزلة التكرار والعصر هو الصحيح سراج. (ردالمحتار: ۱/۳۳۳)

پاک ہوجائے گا، پھر اس حکم میں برابر ہے کہ مشین: منی آٹو ہو یا فلی آٹو ہو۔ (۱)

ناپاک چھینٹوں میں مقدار عفو

ناپاک کپڑا دھوتے وقت اگر معمولی چھینٹیں سوئی کے سرے کے برابر بدن یا کپڑے پر لگیں تو کوئی حرج نہیں معاف ہے، البتہ احتیاط لازم ہے۔ مگر پانی میں یہ چھینٹیں گریں تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔ (۲)

(۱) فعلم بهذا أن المذهب اعتبار غلبة الظن وأنها مقدرة بالثلاث لحصول لها به في الغالب وقطعاً للوسوسة. (ردالمحتار: ۱/۵۴۰) و أما لو غسل في غدير أو صب عليه ماء كثير، أو جرى عليه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس هو المختار. (الدالمختار: ۱/۳۳۳) وقالوا في البساط النجس إذا جعل في نهر ليلة طهر قال في البحر: والتقييد بالليلة لقطع الرسوسة وإلا فالمذكور في المحيط أنه إذا أجرى عليه الماء إلى أن يتوهم زوالها طهر؛ لأن إجراء الماء يقوم مقام العصر. (ردالمحتار: ۱/۳۳۲)

(۲) البول المنتضح قدر رءوس الإبر معفو للضرورة وإن امتلأ الثوب. كذا في التبيين. هذا إذا كان الانتضاح على الثياب والأبدان أما إذا انتضح في الماء فإنه ينجسه ولا يعفى عنه؛ لأن طهارة الماء آكد من طهارة الأبدان والثياب والمكان. كذا في السراج الوهاج. ولو كان المنتضح مثل رأس المسلة منع. (هندية: ۱/۴۶)

کتاب الصلاۃ

اوقات نماز کا بیان

بین الطلوعین و بین الغروبین اقل و اکثر وقت

ہمارے دیار: ہندو پاک وغیرہ میں طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ ۱۸/منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵/منٹ ہوتا ہے؛ اور اتنا ہی وقت غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض تک رہتا ہے، یعنی موسم کے لحاظ سے وقت اس کے درمیان ہی رہتا ہے اس سے باہر نہیں جاتا، البتہ کہیں محل وقوع کے فرق کی بنا پر قدرے کم و بیش ہو سکتا ہے۔

پس گرمیوں میں احتیاطاً ایک گھنٹہ ۴۰/منٹ اور سردیوں میں ایک گھنٹہ ۳۰/منٹ طلوع آفتاب کے رہ جانے پر سحری چھوڑ دینی چاہئے۔ اسی طرح عشا کی اذان و نماز میں بھی مذکورہ وقت کا خیال رکھنا چاہئے۔ (۱)

جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا وہاں وقت کی تعیین

بلغار جیسے شہروں میں جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا صحیح، محقق و محتاط قول یہ ہے کہ: ایسی جگہوں میں بھی عشاء کی نماز فرض ہے، نماز کو اندازہ کر کے پڑھے یعنی جس موسم میں وہاں عشاء کا وقت ہوتا تھا اس وقت مغرب کے جتنے فاصلے سے عشاء کی نماز پڑھی جاتی تھی اتنے فاصلے پر عشاء کی نماز ادا کرے، یا اطراف کے شہروں اور ممالک میں جس وقت عشاء پڑھی جاتی ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ اور یہ نماز ادا کی نیت سے پڑھے قضا کی نیت سے نہیں، کیوں کہ جب وقت ہی نہیں آیا تو قضا

(۱) (عمدۃ الفقہ: ۲/۲۶، ملخصاً)

کا مسئلہ کہاں رہا؛ یہی حکم ان مقامات کی نمازوں کا ہے جہاں مہینوں سورج غروب یا طلوع نہیں ہوتا۔ (۱)

نماز اشراق اور چاشت کا ابتدائی وآخری وقت اور رکعتوں کی تعداد

فقہاء اور محدثین کے یہاں نماز اشراق اور چاشت دونوں ایک ہیں، اگر سورج نکلنے کے بعد جلدی یعنی ربع نہار سے پہلے پڑھے تو اشراق ہے اور دیر سے یعنی ربع نہار کے بعد زوال سے پہلے تک پڑھے تو چاشت ہے، اور اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اور اوسط آٹھ رکعتیں ہیں، اور وہی افضل ہیں، کیونکہ آٹھ کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل دونوں سے ہے۔

جبکہ صوفیاء کے یہاں نماز اشراق اور چاشت دو الگ الگ نمازیں ہیں، اشراق کا وقت آفتاب ایک نیزہ (بارہ بالشت) بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور ایک پہر (یعنی چوتھائی) دن چڑھنے تک رہتا ہے۔ اور نماز چاشت کا وقت بھی آفتاب ایک نیزہ بلند ہونے سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن افضل وقت دوسرا پہر شروع ہونے (یعنی چوتھائی دن گزر جانے) سے ہوتا ہے اور دوپہر ختم تک، یعنی زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ نماز اشراق کی دو رکعت بھی ہیں اور چار بھی ہیں بلکہ چھ بھی ہیں؛ جبکہ نماز چاشت کی وہی رکعتیں ہیں جو اوپر عند الفقہاء والمحدثین بیان ہوئیں۔

ظاہر ہے اس مسئلہ میں صوفیاء کی رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ صوفیاء شریعت کے رموز شناس نہیں ہوتے، شریعت کے رموز شناس اور نصوص کو سمجھنے والے اول نمبر پر فقہاء ہیں، پھر محدثین ہیں، پس ان حضرات کی جو رائے ہے

(۱)(مستفاد: ردالمحتار: ۱/ ۳۶۲ تا ۳۶۶؛ دنیا میرے آگے: ۳۳۱: از مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم؛ فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۱۹۳؛ فتاوی دار العلوم: ۲/ ۶۱؛ فتاوی محمودیۃ: ۵/ ۳۵۵)

وہی صحیح ہے۔ (۱)

گھروں میں عورتوں کے لئے نماز کا مستحب وقت

گھروں میں عورتوں کو ہر نماز اول وقت ہی میں پڑھنا افضل ہے فجر وغیرہ کو تاخیر سے پڑھنا- جیسا کہ مردوں کے لئے جماعت کی نماز میں مستحب ہے- ان کے لئے مستحب نہیں، کیونکہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتیں اور نماز کی تاخیر تکثیر جماعت کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ (۲)

اوقات مکروہہ کی تعیین وتحدید

ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

اول: سورج نکلتے وقت، اندازاً ۱۰ رمنٹ۔

دوم: سورج ڈوبتے وقت، اندازاً ۱۶ رمنٹ۔

سوم: بوقت استواء یعنی سورج سر پر ہونے سے ڈھلنے تک، اندازاً ۱۰ امنٹ۔

---

(۱) (مستفاد: ردالمحتار: ۲/ ۲۳، باب الوتر والنوافل؛ عمدۃ الفقہ: ۲/ ۱۰۳؛ تحفۃ الألمعي: ۲/ ۳۲۹؛ معارف السنن: ۲/۲۶۶)

(۲) ولهذا كان أولى للنساء أن يصلين في أول الوقت؛ لأنهن لا يخرجن إلى الجماعة كذا في مبسوطي شمس الأئمة وفخر الإسلام كذا في معراج الدراية وكذا في كثير من شروح الهداية وتعقبهم في غاية البيان بأن هذا سهو وقع من الشارحين وليس مذهب أصحابنا كذلك، فإن كلام أئمتنا صريح في استحباب تأخير بعض الصلوات من غير اشتراط جماعة وما ذكروه في التيمم مفهوم والصريح مقدم على المفهوم. وأجاب عنه في السراج الوهاج بأن الصريح محمول على ما إذا تضمن ذلك فضيلة كتكثير الجماعة؛ لأنه إذا لم يتضمن ذلك لم يكن للتأخير فائدة وما لا فائدة فيه لم يكن مستحبا. (البحر الرائق: ۱/ ۲۶۳؛ ردالمحتار: ۱/ ۲۴۹، باب التيمم)

ان تینوں اوقات میں کوئی نماز خواہ ادا ہو یا قضا جائز نہیں اسی طرح نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی جائز نہیں، البتہ اس جنازہ کی نماز جو ان وقتوں میں سے کسی وقت میں تیار ہوا ہو تو بلا کراہت جائز ہے، بلکہ افضل ہے اور تاخیر مکروہ ہے، اور اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت جائز ہے، مگر بلا عذر اتنی تاخیر مکروہ تحریمی ہے۔

اور صبح صادق سے سورج نکلنے تک، اور عصر کی فرض نماز کے بعد سے سورج کے متغیر (سرخ) ہونے تک ان دو وقتوں میں بھی نفل، سنت (علاوہ فجر کی دو رکعت سنت کے) اور واجب [illegible]یرہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، مگر قضا نماز، سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ ان دو وقتوں میں بلا کراہت جائز ہے۔ (۱)

ملحوظات:

۱- یہ منٹوں کا وقت تقریب اور آسانی کے لئے ہے، ورنہ اس سلسلہ میں اصل ضابطہ جو پوری دنیا کے لئے کار آمد ہے یہ ہے کہ: جب تک آفتاب طلوع کے بعد اس کیفیت پر رہے کہ اس کو دیر تک دیکھنے میں آنکھوں کو دشواری اور خیرگی نہ ہو اس وقت تک نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح عصر میں جب یہ کیفیت ہو جائے تو نماز مکروہ ہے (إلا عصر یومه) پھر یہ معیار اس وقت صحیح ہوگا جب مطلع پر ابر اور غبار وغیرہ نہ ہو، ورنہ کیفیت مذکورہ عوارض کی وجہ سے، بہت دیر تک حتی کہ بعض ایام میں دوپہر تک رہتی ہے، اور بعض علاقوں میں دن بھر آفتاب کی روشنی میں تیزی نہیں آتی؛ ایک دوسرا معیار فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تخمین کے لحاظ سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: جب آفتاب طلوع کے بعد افق سے ایک رمح (نیزہ) کی مقدار بلند ہو جائے تو نماز پڑھنا درست ہے، اسی طرح عصر کے بعد جب آفتاب کی بلندی افق سے ایک رمح کی مقدار سے کم ہونے لگے تو نماز درست نہیں (إلا عصر یومه) رمح کی مقدار ۱۲ ر بالشت ہے۔ (۲)

۲- اور استواء کا وقت چار منٹ کا ہوتا ہے، لیکن چوں کہ اس عین وقت کا مشاہدہ

(۱) (ردالمحتار: ۱/ ۳۷۰-۳۷۶ ملخصاً) (۲) (أحسن الفتاوی ۲/ ۱۴۱)

بہت دشوار ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عام طور پر جنتریوں میں جو نصف النہار کا وقت ہوتا ہے اس سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔(۱)

انتباہ: جمعہ کے دن بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ مسجد میں کچھ پہلے آکر صلاۃ التسبیح شروع کردیتے ہیں، حالانکہ دوران نماز زوال کا وقت آجاتا ہے، جس سے ان کی نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت میں نماز کا حکم یہ ہے کہ فرض اور واجب نماز تو بالکل صحیح نہیں ہوتی، اور نفل نماز کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوتی ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ جو مروی ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز جائز ہے، تو اس پر فتویٰ نہیں، فتویٰ عدم جواز یعنی کراہت تحریمی ہی کا ہے۔(۲)

ہاں! اس وقت یہ کیا جاسکتا ہے کہ صلاۃ التسبیح دو دو رکعت کرکے پڑھے، کیونکہ یہ طریقہ بھی درست ہے، گو بہتر ایک سلام سے چار رکعت ادا کرنا ہے، مگر بوقت ضرورت

(۱)(مستفاد: أحسن الفتاوی ۲/۱۳۸؛ محمودیة: ۲/۴۶؛ رحیمیه: ۴/۲۸۴)

(۲) قال ابن حجر، أي تصلي بنية صلاة التسبيح، ولو في الوقت المكروه فيما يظهر، قلت: هذا مما لم يظهر، فإن الأحاديث الواردة الصحيحة الصريحة بالنهي عن الصلاة في الأوقات المكروهة، مانعة من إرادة الإطلاق المفهوم من هذا الحديث، قاضية عليه. (مرقاة المفاتيح: ۳/۹۹۴، باب صلاة التسبيح) (وينعقد نفل بشروع فيها) بكراهة التحريم (لا) ينعقد (الفرض) وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر (وصح) مع الكراهة (تطوع بدأ به فيها). (الدر المختار: ۱/۳۷۴) (وكره) تحريما... صلاة مطلقا ولو قضاء أو واجبة أو نفلا ...مع شروق ...واستواء إلا يوم الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد، كذا في الأشباه. (الدر المختار) (قوله: المصحح المعتمد) اعترض بأن المتون والشروح على خلافه... شراح الهداية انتصروا لقول الإمام. وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهي عن الصلاة وقت الاستواء فإنها محرمة. (رد المحتار: ۱/۳۷۲، كتاب الصلاة)

حرج نہیں، بلکہ اس وقت یہی طریقہ بہتر ہوگا، پس جب وقت میں تنگی دیکھے اور اندیشہ ہو کہ چار رکعت ایک ساتھ پڑھنے میں دوران نماز زوال کا وقت ہو جائے گا، تو پہلے دو رکعت پڑھ کر انتظار کرے، جب زوال کا وقت ختم ہو جائے تو باقی دو رکعت ادا کرے(۱)

استدراک: یہ جو مشہور ہے کہ زوال کے وقت نماز جائز نہیں ہوتی، اسی طرح جنتریوں اور نماز کی تقویمات میں بھی یہ لکھا ہوا ہوتا ہے، وہ درحقیقت صحیح نہیں، مکروہ وقت: ''وقت زوال'' نہیں بلکہ ''وقت استواء'' ہے یعنی جس وقت سورج سر کے بالکل برابر ہو جاتا ہے، اور زوال کے معنی تو ہیں: ہٹنا، جب سورج اس محاذات سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے؛ مگر یہ غلطی اتنی عام ہوگئی ہے کہ استواء لکھنے یا کہنے سے جلدی کوئی سمجھتا ہی نہیں اس لئے علی الرغم بنیت مجاز استواء کے لئے ''وقت زوال'' لکھ دیا جاتا ہے۔

نصف النہار شرعی وعرفی کی پہچان وحد

نصف النہار شرعی: ''صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کے کل وقت کا نصف'' ہے؛ اور نصف النہار عرفی سے مراد: ''طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کے کل وقت کا نصف'' ہے۔

نصف النہار شرعی معلوم کرنے کا آسان قاعدہ یہ ہے کہ: صبح صادق کی ابتداء سے طلوع آفتاب تک جتنا وقت ہو اس سے آدھا وقت نصف النہار عرفی سے کم کردیا جائے، مثلاً صبح صادق کا کل وقت ایک گھنٹہ ہو، تو نصف النہار عرفی سے آدھا گھنٹہ پہلے نصف النہار شرعی ہوگا۔

(۱)(فتاویٰ دار العلوم: ۴/۱۵ ۴) وهي أربع بتسليمة أو تسليمتين. (رد المحتار: ۲۷/۲، باب الوتر والنوافل) وقيل: يصلي في النهار بتسليمة، وفي الليل بتسليمتين، وقيل: الأولى أن يصلي مرة بتسليمة وأخرى بتسليمتين. (بذل المجهود: ۲۷۶/۲، ط: سهارنفور)

روزے کی نیت نصف النہار شرعی سے قبل کرنا ضروری ہے، اور کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔ (أحسن الفتاوی: ۲/۱۲۷)

وقت استواء، زوال اور سایۂ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ

استواء اور زوال کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: کسی دن سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد تقریباً ایک فٹ زمین کو ہموار کرلیں، پھر چار یا پانچ انچ 'پرکار' (دائرہ کھینچنے کا آلہ) کو کھول کر اس سطح پر ایک گول دائرہ بنالیں، اس کے بعد دائرے کے قطب (مرکزی نقطہ) پر پانچ چھ انچ لمبی ایک سیدھی لکڑی گاڑ دیں، گاڑنے کے بعد اس کی لمبائی اس قدر ہو جتنا پرکار کھول کر دائرہ بنایا تھا، یعنی مرکزی نقطے سے دائرے کی لکیر کے برابر، شروع میں اس لکڑی کا سایہ مغرب کی جانب دائرہ سے باہر ہوگا، جب وہ سایہ سمٹتے سمٹتے دائرہ کی لکیر پر ٹھیک برابر ہوجائے تو وہاں مدخل (سایہ داخل ہونے کی جگہ) پر نشان لگالیں، پھر سایہ کے مغرب کی جانب نکلنے کا انتظار کریں، جب مغرب کی جانب سایہ بڑھتے بڑھتے دائرہ کی لکیر پر پہنچے تو وہاں بھی مخرج (سایہ نکلنے کی جگہ) پر نشان لگادیں، پھر مدخل اور مخرج والے دونوں نشانوں کے درمیان والے فاصلے کی تنصیف کر کے عین وسط میں ایک نقطہ لگادیں؛ اس کے بعد جنوباً شمالاً ایک خط بالکل سیدھا اس طرح کھینچیں کہ وہ شمالی محیط دائرے سے شروع ہو کر مخرج اور مدخل والے عین وسط کے نقطہ اور مرکزی نقطہ سے گذرتا ہوا دوسری جانب والے محیط جنوبی پر ختم ہو اور دائرے کی تنصیف کردیں؛ یہ خط: ''خط نصف النہار'' کہلاتا ہے؛ یہ عمل ایک دن میں ہوگا۔

اب دوسرے دن یہاں ہندوستان کے حساب سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس دائرے کے پاس بیٹھ جائیں، جب دائرے کے مرکز میں نصب شدہ لکڑی کا سایہ خط نصف النہار پر پہنچ جائے تو سایہ کے سرے پر خط نصف النہار میں نشان لگادیں، یہ

وقت: "وقت استواء ہے"، اورخط نصف النہار میں اس نشان سے لے کر لکڑی کی جڑ تک یا کہیے مرکز دائرہ تک "سایۂ اصلی" ہے، اس سایہ اصلی کی پیائش کرلیں، اب سایہ جونہی خط نصف النہار سے بجانب مغرب بڑھنا شروع ہوگا، استواء ختم ہوکر "وقت زوال" ہوجائے گا اور ظہر کا وقت شروع ہوجائے گا، پھر جب سایہ آگے بڑھتے بڑھتے مذکورہ سایۂ اصلی کے علاوہ اس لکڑی کے برابر ہوجائے تو یہ ایک مثل ہوگیا، اور لکڑی کے دوچند (دوگنا) ہوجائے تو دو مثل ہوگیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہی دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے پھر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ ظہر ایک مثل سے پہلے اور عصر دو مثل کے بعد پڑھیں تاکہ دونوں نمازیں یقیناً اپنے وقت میں ہوں اور بالاتفاق صحیح ہوجائیں، تاہم اگر کبھی کسی وجہ سے ظہر میں تاخیر ہوجائے اور ایک مثل سے اوپر وقت چلاجائے تو دو مثل سے پہلے پہلے ادا کی نیت ہی سے ظہر پڑھے، کیونکہ دو مثل تک ظہر کا وقت رہنا ہمارے یہاں مفتی بہ قول ہے۔

اذان واقامت کا بیان

کلمات اذان کی تعداد میں ائمہ کا اختلاف اور وجہ اختلاف

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کلمات اذان ۱۹/ ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ۱۷/ ہیں، امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ۱۵/ ہیں، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ۱۳/ ہیں۔ اختلاف کی وجہ یہ ہیں کہ: جمہور کے نزدیک اذان کے شروع میں اللہ أکبر چار مرتبہ کہنا سنت ہے، جبکہ امام مالک اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک صرف دو مرتبہ کہنا سنت ہے؛ پھر امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ ترجیع کو

سنت کہتے ہیں اور امام اعظم، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ اس کی سنت کے قائل نہیں، پس ان دو وجہوں سے تعداد کلمات میں اختلاف ہو گیا۔ ترجیع کے معنی ہیں: شہادتین (أشهد أن لا إله إلا الله اور أشهد أن محمداً رسول الله) کو آہستہ کہنے کے بعد دوبارہ زور سے کہنا یعنی پہلے چاروں کلمات کو ہلکی آواز سے کہا جائے پھر پلٹ کر بلند آواز سے کہے۔ (۱)

وقت سے پہلے اذان دینا

وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں، یہاں تک کہ بعض کلمات بھی وقت سے پہلے ادا کئے گئے تو اذان صحیح نہ ہوگی، اس اذان کا اعادہ وقت میں لازم ہے۔ (۲)

کلمات اقامت کی مقدار اور طریقۂ ادا میں فرق

کلمات اقامت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ۱۰؍ ہیں، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ۱۱؍ ہیں، اور احناف کے نزدیک ۱۷؍ ہیں۔ وجہ فرق نص فہمی میں اختلاف ہے، حدیث شریف میں ہے: ''اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری کہیں'' اس حدیث میں ایتار کلماتی مراد ہے یا ایتار صوتی؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایتار کلماتی مراد ہے اسی بنا پر ان کے یہاں اقامت میں کلمات کم ہو گئے، پھر امام مالک رحمہ اللہ قدمت الصلاۃ میں بھی ایتار کے قائل ہیں اور باقی دو امام اس میں ایتار کے قائل نہیں اس لئے ان کے درمیان ایک کلمہ کا فرق ہو گیا؛ اور احناف کے نزدیک

(۱) (مستفاد: تحفة الألمعي: ۱/ ۵۰۳-۵۰۴ کتاب الصلاة)

(۲) فلو أوقع بعض كلمات الأذان قبل الوقت وبعضها في الوقت فينبغي أن لا يصح وعليه استئناف الأذان كله وفهم من كلامه أن الإقامة قبل الوقت لا تصح بالأولى كما صرح به ابن الملك في شرح المجمع وأنه متفق عليه (البحر الرائق: ۱/ ۲۷۷، الأذان قبل الوقت)

حدیث میں ایتار سے مراد ایتار صوتی ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اذان میں مماثل کلمات کو دو سانس میں کہیں اور تکبیریں ایک ہی سانس میں کہیں، البتہ قدقامت الصلاۃ دو الگ الگ سانسوں میں کہیں، کیونکہ یہی کلمات اقامت میں مقصود ہیں اور ایک روایت میں اس کا استثناء بھی وارد ہے، پس احناف کے نزدیک اذان کے سب کلمات اقامت میں بلا حذف باقی رہے اور دو کا اضافہ ہوا تو کل سترہ ہو گئے۔ (۱)

مغرب کی اذان وقامت کے درمیان فاصلہ کی مباح ومکروہ مقدار

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان اتنی تاخیر کہ دو رکعت ادا کی جاسکیں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے اور بقدر دو رکعت یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک، یہ درمختار کی روایت پر مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق پر مباح مگر خلاف مستحب ہے اور ظہور نجوم ہو جائے (یعنی ستارے بکثرت چمکنے لگے) تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے (پس اس کے پیش نظر رمضان میں اذان کے بعد آٹھ دس منٹ کی تاخیر کرنی چاہئے اس سے زیادہ نہیں) (۲)

بوقت اقامت مقتدی کب کھڑے ہوں؟... ایک غلط فہمی کا ازالہ

اکثر فقہا نے لکھا ہے کہ امام اور مقتدی کو حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہئے (جس کو بدعتیوں نے اپنا شعار بنالیا ہے) تو یہ من جملہ آداب ہے، واجب یا سنت نہیں ہے، نیز فقہا کی عبارتوں کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ: حی علی الصلوٰۃ پر مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے تاخیر نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ حاشیہ درمختار میں علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے؛ لہٰذا شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں تو مضائقہ نہیں فقہا کی

(۱)(مستفاد: تحفۃ الألمعی: ۱/ ۵۰۶-۵۰۷، کتاب الصلاۃ)

(۲)(مستفاد: احسن الفتاوی: ۲/ ۱۳۹؛ تحفہ الالمعی: ۱/ ۴۴۷؛ إمداد الفتاوی: ۱/ ۱۸۳-۱۵۹)

عبارتوں کی خلاف ورزی نہ ہوگی، بلکہ آج کل تسویہ صفوف کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پہلے کھڑا ہونا ہی افضل ہے۔[1]

تکبیرات تشریق کا ابتدائی اور آخری وقت

ایام تشریق میں تکبیرات تشریق کی ابتداء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یوم عرفہ (۹رذی الحجہ) کی فجر کی نماز سے ہے اور یوم النحر (۱۰رذی الحجہ) کی عصر کی نماز میں یہ تکبیرات ختم ہوجاتی ہیں؛ جبکہ صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن (۱۳رذی الحجہ) کی عصر کی نماز میں ختم ہوتی ہیں، پس کل ۲۳رنمازوں میں یہ تکبیر پڑھی جائے گی، احناف کے یہاں یہی معمول بہا ہے۔[2]

شرائط نماز کا بیان

کعبہ میں معتبر جگہ ہے تعمیر نہیں

کعبہ میں معتبر مکہ کی وہ معین جگہ ہے جو تحت الثری سے عرش تک ہے (یعنی زمین کی سب سے نیچی تہہ سے لے کر عرش تک ہے) نہ یہ کہ وہ تعمیر جو اس جگہ قائم ہے، پس اس پر یہ احکام مرتب ہوں گے:

۱- اگر کوئی شخص چاند پر پہنچ کر اس سمت نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے۔

۲- اسی طرح زمین یا سمندر کے بالکل تہہ میں اس رخ کی طرف نماز پڑھے تو جائز ہے۔

(۱) (مستفاد: امدادالفتاوی: ۱/۱۸۳، رحیمیہ: ۳/۱۷ ملخصاً)

(۲) إن التكبيرات في أيام التشريق عند أبي حنيفة افتتاحها من صلاة الفجر من يوم عرفة وتختم في صلاة العصر من يوم النحر وعندهما وعند الإمام الشافعي تختم في صلاة العصر من آخر أيام التشريق. (تاسيس النظر للدسوقي)

۳-بالفرض تعمیر وہاں سے ہٹادی جائے تو تب بھی نماز اس سمت کی طرف صحیح رہے گی[۱]

فائدہ: یہی حکم طواف کا ہے؛ البتہ طواف میں شرط ہے کہ وہ مسجد الحرام کے اندر ہو یعنی اس کے حدود میں ہو، اس کے حدود سے باہر۔ گو اونچائی سے کعبہ نظر آتا ہو۔ طواف جائز نہیں۔[۲]

اہل مکہ کا قبلہ

جو شخص مکہ مکرمہ میں ہو تو اگر اس کو عین کعبہ کی تحقیق ممکن ہو مثلاً وہ حرم شریف میں ہو یا کسی اونچی عمارت میں ہو جہاں سے کعبۃ اللہ صاف نظر آ رہا ہو تو اس کے لئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے اور اگر یہ تحقیق ناممکن ہو یعنی باوجود مکہ میں ہونے کے عمارات وغیرہ کی آڑ کی وجہ سے کعبہ کو نہ دیکھ سکتا ہو تو اس کا حکم مثل غائب مکہ کے ہے، اب جہت کی طرف رخ کرنا کافی ہے، عین کعبہ کا رخ لازم نہیں یہی صحیح ہے۔[۳]

اہل مکہ کے علاوہ کا قبلہ

اور مکہ معظمہ سے باہر رہنے والی پوری دنیا کے لئے عین کعبہ کا رخ لازم نہیں، بلکہ سمت قبلہ کا رخ کافی ہے، جیسے برصغیر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برما وغیرہ بہت سے ملکوں کا قبلہ مغرب (پچھم) کی طرف ہے۔

(۱) (والمعتبر) في القبلة (العرصة لا البناء) فهي من الأرض السابعة إلى العرش (الدر المختار: ۱/۴۳۲) (۲) (عمدۃ الفقہ: ۴/۱۶۸، کتاب الحج، بحوالہ مظہری، سورۃ الحج)
(۳) (فللمكي إصابة عينها) يعم المعاين وغيره لكن في البحر أنه ضعيف. والأصح أن من بينه وبينها حائل كالغائب (ولغيره) أي غير معاينها (إصابة جهتها) الخ. (الدر المختار: ۱/۴۲۸، باب شروط الصلاة)

جب قبلہ معلوم نہ ہو

اگر سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ معلوم کرنے کی کوئی صورت ہو تو تحری فرض ہے یعنی غور کے بعد جس طرف قلب شہادت دے اس طرف نماز پڑھے، پھر نماز کے بعد اگر غلطی معلوم ہو تو مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہو گئی، البتہ اگر نماز کے اندر تحری بدل جائے یا کوئی شخص دوسری سمت قبلہ ہونے کی اطلاع دے اور غالب گمان اس کی صحت کا ہو تو نماز کے اندر ہی اس جانب بلا تاخیر پھر جانا ضروری ہے، اب سابقہ تحری پر نماز صحیح نہ ہوگی، یہاں تک کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد ایک رکن یعنی تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی پڑھنے کی مقدار تاخیر کر دی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱)

اگر ریل میں نماز کے دوران سمت قبلہ ہٹ جائے تو معلوم ہونے پر نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم جانا ضروری ہے۔ (۲)

بغیر آلات کے قبلہ کا رخ معلوم کرنے کا طریقہ

ہمارے دیار یعنی برصغیر ہندوپاک میں قبلہ کا صحیح اور محتاط رخ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: گرمی کے سب سے بڑے دن (۲۲/جون) اور سردی کے سب سے چھوٹے دن (۲۲/دسمبر) میں غروب آفتاب کی جگہ دیکھ لی جائے تو قبلہ ان دونوں کے درمیان ہوگا، پس اس درمیانی رخ میں کسی طرف بھی نماز پڑھنا درست ہوگا۔ (۳)

---

(۱) (وإن علم به في صلاته استدار) أي إن علم بالخطأ؛ لأن تبدل الاجتهاد بمنزلة تبدل النسخ الخ. (البحر الرائق: ۱/۳۰۵) (قوله استدار وبنى) وينبغي لزوم الاستدارة على الفور، حتى لو مكث قدر ركن فسدت. (ردالمحتار: ۱/۴۳۳)

(۲) (فتاوی دارالعلوم: ۲/۱۴۶، م: زکریا)

(۳) (مستفاد: جواہر الفقہ: ۱/۲۷۶؛ ردالمحتار: ۲/۹۹)

قبلہ سے کتنا پھر جانا نماز کو فاسد کرتا ہے اور کتنا نہیں؟

بیت اللہ شریف سے ۴۵/درجہ (ربع قوس/ثمن دائرہ) سے زیادہ انحراف نماز کو فاسد کردیتا ہے، ۴۵/درجہ یا اس سے کم انحراف فاسد نہیں کرتا ہے۔ (۱)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ: جہات اربعہ کا کل دائرہ ۳۶۰/درجہ/ڈگری پر مشتمل ہوتا ہے، اس طرح کہ: ایک سمت سے دوسری سمت کے مابین ۱۸۰/ڈگری کا تناسب ہے پس جب کوئی قبلہ کی سمت رخ کرے گا یعنی ہمارے برصغیر کے حساب سے مغرب کی جانب تو اس کی دائیں جانب میں شمال ۹۰/ڈگری پر اور بائیں جانب میں جنوب ۹۰/ڈگری پر واقع ہوگا، اب وہ دائیں یا بائیں جانب انحراف کرتا ہے تو اگر یہ انحراف اس طرف ۹۰/کے نصف یعنی ۴۵/ڈگری/ درجہ تک پہنچ گیا- جو ربع قوس یا کل دائرہ کا ثمن بنتا ہے-تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، اور اگر اس سے کم انحراف رہا تو فاسد نہیں ہوئی۔

فائدہ: صحت صلوۃ کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن اس کی نیت شرط نہیں، یہی راجح ہے۔ پس نماز عیدین وغیرہ کی نیت میں اس بات کی جو تاکید کی جاتی ہے کہ ”منھ میرا قبلہ کی طرف“ اس کی ضرورت نہیں۔ (۲)

مرد و عورت کے ستر کی مقدار

مرد کا ستر عام حالت میں اور نماز میں ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے، ناف ستر

(۱) (احسن الفتاوی: ۲/ ۳۱۳؛ تحفۃ الألمعی: ۲/ ۱۶۷؛ ردالمحتار: ۱/ ۴۲۸)

(۲) وأما نية استقبال القبلة فليست شرطا على الصحيح كما ذكره في المبسوط سواء كان يصلي على المحراب أو في الصحراء. (البحر الرائق: ۱/ ۲۹۱؛ کبیری: ۱۹۱، م: دار الکتاب)

میں داخل نہیں، گھٹنے ستر میں داخل ہیں، پس گھٹنے کا چھپانا ضروری ہے۔(۱)

اور آزاد عورت اور خنثی کا ستر اجنبی مرد کے حق میں اور نماز کی حالت میں پورا بدن ہے، سوائے چہرہ، دونوں ہتھیلیاں، اور دونوں قدم کے — اصح یہ ہے کہ عورت کے لٹکے ہوئے بال بھی ستر ہیں اسی پر فتویٰ ہے — اور اس کی کلائی بھی ستر ہے، لیکن ہتھیلی کی پشت معتمد روایت کے مطابق ستر نہیں، تاہم چھپانا بہتر ہے۔(۲)

انتباہ: عورت وخنثی کا ستر بھی وہی ہے جو مرد کا ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک، ان کے علاوہ باقی اعضاء کو جو ستر کہا گیا ہے وہ درحقیقت ان کا حجاب ہے، اور یہ حجاب متعلق کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، اللہ کے سامنے نماز میں کھڑے ہونے کا حجاب الگ ہے، محارم مرد کے سامنے حجاب اس سے جداگانہ ہے اور اجنبی مرد کے سامنے حجاب اس سے مختلف ہے، کیونکہ ستر سب کے حق میں ستر ہوتا ہے وہ متعلق کے بدلنے سے بدلتا نہیں برخلاف حجاب کے، لیکن چونکہ فقہاء نے ان اعضاء کے لئے بھی ستر کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہے اس لئے علی الرغم یہاں وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر حقیقت سے واقفیت لازم ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے لکھا ہے کہ کافرہ وفاجرہ عورت کے سامنے نیک وصالح عورت کو اپنے اعضاء بلاضرورت ظاہر نہیں کرنے چاہئے، ایسی عورت سے کوئی بات بھی کرے تو پردہ کے ساتھ کرے، یہ احتیاط کی بات ہے، کیونکہ پھر یہ اس کے محاسن

(۱) فالركبة عورة والسرة ليست بعورة عندنا. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۳)

(۲) (وللحرة ولو خنثى جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح, خلا الوجه والكفين، فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح وذراعيها على المرجوح. (درمختار) قال في المعراج عن المبسوط: وفي الذراع روايتان والأصح أنها عورة. (ردالمحتار: ۱/۴۰۶؛ البحر: ۱/۴۷۰)

اجنبی مردوں کے سامنے بیان کرے گی، جس سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔(۱)

مرد کے اعضائے ستر آٹھ (۸) ہیں

(۱) ذکر، مع اپنے اردگرد کے۔

(۲) خصیتین مع اپنے اردگرد کے (دو خصیے مل کر ایک عضو ہیں)

(۳-۴) ہر ایک سرین علاحدہ علاحدہ عضو ہے۔

(۵) دبر (پاخانہ کا مقام) مع اپنے اردگرد کے، کہ یہ سرین سے الگ عضو ہے، یہی صحیح ہے۔

(۶-۷) ہر ایک ران، چڈے کی جڑ سے گھٹنے تک الگ الگ عضو ہے، گھٹنا اس میں شامل ہے، یہاں تک کہ نماز پڑھی اور گھٹنے کھلے تھے اور ران ڈھکی ہوئی تو نماز جائز ہو جائے گی، کیونکہ یہ دونوں مل کر بھی ایک ران کی چوتھائی کو نہیں پہنچتے۔

(۸) ناف کے نیچے سے عانہ کی اٹھی ہوئی ہڈی تک (یعنی عضو تناسل کی جڑ تک) مع اس حصے کے جو اس کے محاذات میں پیٹھ اور دونوں پہلوؤں سے اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، یہ سب مل کر ایک عضو ہے، اس کی چوتھائی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ ٹی شرٹ بہت چھوٹا اور پینٹ کمر سے کافی نیچے پہنتے ہیں، وہ جب رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں تو پیٹھ کی جانب کا یہ عضو ان کا کھل جاتا ہے، اور اس کی مقدار چوتھائی بلکہ اس سے زائد ہوتی ہے، پس ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی، ساتھ میں کشف عورت کے گناہ کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ

---

(۱)(وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة). (الدر المختار: ۱/ ۴۰۶) ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج اهـ (ردالمحتار: ۶/ ۳۷۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

من هذا اللباس ذي العتاب، و ندعو لهم بالهٰدٰى و التوفيق بلباس التقى.(۱)

عورت اور خنثیٰ کے اعضائے ستر وحجاب چھبیس (۲۶) ہیں

(۱) سر یعنی پیشانی کے اوپر سے شروع گردن تک، اور ایک کان سے دوسرے کان تک، یعنی عادتاً جتنی جگہ پر بال جمتے ہیں۔

(۲) لٹکے ہوئے بال صحیح قول کے مطابق، پس یہ ایک علاحدہ عضوِ ستر ہے، اور جو بال سر میں ہیں وہ تو بالاتفاق ستر ہیں لیکن وہ سر کے ساتھ شامل ہیں۔

(۳-۴) دونوں کان علاحدہ علاحدہ عضو ہیں۔

(۵) گردن، اس میں گلا بھی داخل ہے۔

(۶-۷) دونوں کندھے۔

(۸-۹) دونوں بازو ئیں، ان میں کہنیاں بھی داخل ہیں۔

(۱۰-۱۱) دونوں کلائیاں، یعنی کہنی کے بعد سے ہتھیلی تک۔

(۱۲) سینہ، یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی نیچے کی حد تک۔

(۱۳-۱۴) دونوں پستانیں، جبکہ اچھی طرح اٹھ چکی ہوں، اگر بالکل نہ اٹھی ہوں یا خفیف ابھری ہوں کہ سینے سے جدا عضو کی ہیئت نہ پیدا ہوئی ہو تو سینہ کے تابع ہیں، جدا عضو نہیں، مگر دونوں چھاتیوں کے درمیان کی جگہ بہر صورت سینہ میں داخل ہے، جدا عضو نہیں ہے۔

(۱۵) پیٹ، یعنی سینہ کی حد مذکور سے ناف کے نیچے کے کنارے تک، پس ناف بھی پیٹ میں شامل ہے۔

(۱۶) پیٹھ، یعنی پیچھے کی جانب سینے کے مقابل سے کمر تک۔

(۱۷) دونوں شانوں (کندھوں) کے بیچ میں جو جگہ ہے، یعنی وہ حصہ جو پیچھے سینہ کے محاذات میں ہے کمر تک (اور دونوں کروٹوں یعنی پہلوؤں کا حکم یہ ہے کہ بغل کے

(۱) (مستفاد: عمدة الفقه: ۲/ ۵۴-۵۵؛ ردالمحتار: ۱/ ۴۰۹)

نیچے سے کمر تک اس کا اگلا سینہ میں اور پچھلا حصہ شانوں کی درمیانی جگہ شامل ہیں اور اس کے بعد سے جو جگہ ہے اس کا اگلا حصہ پیٹ میں اور پچھلا حصہ پیٹھ میں شامل ہے)

(۱۸) ناف کے نیچے پیڑو اور اس کے متصل جو جگہ ہے اور ان کے مقابل پشت کی جانب سب مل کر ایک عضو ہے۔

(۱۹) فرج (قبل) مع اپنے ارد گرد کے۔

(۲۰) دبر، مع اپنے ارد گرد کے۔

(۲۱-۲۲) دونوں سرین۔

(۲۳-۲۴) دونوں رانیں، چڈے سے گھٹنے تک، گھٹنے بھی ان میں شامل ہیں۔

(۲۵-۲۶) دونوں پنڈلیاں ٹخنوں سمیت۔ (۱)

نماز میں کشف ستر کی مفسد مقدار

نماز میں قلیل ستر کھل جانا معاف ہے، کثیر معاف نہیں، اور کثیر یہ ہے کہ: مندرجہ بالا اعضائے ستر میں سے جو عضو کھلا ہے اس کے چوتھائی کو پہنچ جائے، پس چوتھائی سے کم قلیل ہے یہی صحیح ہے۔ پھر یہ کثیر بھی اس وقت مفسد ہے جبکہ تین مرتبہ سبحان ربی الأعلی کہنے کی مقدار ستر کھلا رہا ہو، اگر اس سے کم وقت کھلا رہا اور فوراً ڈھانپ لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ اگر قصداً ستر کو کھولا تو اس میں تین بار سبحان ربی الأعلی کے مقدار کی مہلت نہیں، کھولتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح اگر تکبیر تحریمہ کے وقت کھلا ہوا ہو تو اس میں بھی کوئی مہلت نہیں، اور نماز میں داخل ہونا ہی صحیح نہ ہوگا۔ (۲)

اگر اعضائے ستر میں مختلف جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھلا ہو تو اگر ایک عضو میں ایسا ہے تو

---

(۱) (مستفاد: عمدۃ الفقہ: ۲/ ۵۴-۵۵؛ ردالمحتار: ۱/ ۴۰۹)

(۲) (ویمنع حتی انعقادها کشف ربع عضو قدر أداء رکن بلا صنعه. (الدر المختار) (قوله قدر أداء رکن) أي بسنته منية. قال شارحها: وذلك قدر ←

اجزاء وکسور (مثلاً پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھوں حصہ) کے اعتبار سے جمع کیا جائے گا، مثلاً ران میں ایک جگہ ثمن (آٹھواں) حصہ کھلا ہے اور دوسری جگہ بھی ثمن کھلا ہے تو یہ جمع کے بعد ربع یعنی چوتھائی کو پہنچ جاتا ہے پس نماز کو مانع ہوگا، اور اگر جمع کے بعد ربع سے کم بنتا ہو تو مانع نہ ہوگا؛ اور الگ الگ اعضاء میں کھلے تو اس کو بھی جمع کریں گے، مگر مقدار اور پیمائش سے جمع کیا جائے گا، یعنی وہ سب مل کر ان کھلے اعضاء میں سب سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کو پہنچ جائے تو نماز جائز نہ ہوگی، مثلاً عورت کے کان کا نواں حصہ اور کلائی کا نواں حصہ کھل جائے تو نماز نہ ہوگی، کیونکہ جو کھلا ہے اگرچہ اجزاء اور کسور کے لحاظ سے چوتھائی سے کم ہے، لیکن مقدار و پیمائش کے اعتبار سے کھلے اعضاء میں کان کی چوتھائی کے برابر ہے۔ (۱)

← ثلاث تسبيحات اهـ وكأنه قيد بذلك حملا للركن على القصير منه للاحتياط. واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلا يفسد اتفاقا لأن الانكشاف الكثير في الزمان القليل عفو كالانكشاف القليل في الزمن الكثير، وعما إذا أدى مع الانكشاف ركنا فإنها تفسد اتفاقا قال ح: واعلم أن هذا التفصيل في الانكشاف الحادث في أثناء الصلاة، أما المقارن لابتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقا اتفاقا بعد أن يكون المكشوف ربع العضو، وكلام الشارح يوهم أن قوله قدر أداء ركن قيد في منع الانعقاد أيضا. (قوله بلا صنعه) فلو به فسدت في الحال عندهم قنية قال ح: أي وإن كان أقل من أداء ركن. اهـ.
(ردالمحتار: ۱/ ۴۰۸؛ البحر الرائق: ۱/ ۲۸۷) اور احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۰ میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ تسبیح سے مراد سبحان ربی الأعلی ہے نہ کہ فقط سبحان اللہ۔

(۱) وتجمع بالأجزاء لو في عضو واحد، وإلا فبالقدر، فإن بلغ ربع أدناها كأذن منع. (الدر المختار) (قوله بالأجزاء) المراد بها الكسور المصطلح عليها في الحساب وهي النصف والربع والثلث إلخ. مثاله انكشف ثمن فخذه من موضع وثمن ذلك الفخذ من موضع آخر يجمع الثمن إلى الثمن حسابا فيكون ←

مسئلہ: عورت نے سجدے میں جاتے ہوئے ازار کو کھینچا جس سے ٹخنہ پنڈلی سمیت کھل گیا تو قصداً کیا تو نماز فوراً فاسد ہوگئی اور اگر سہواً ہوگیا تو رکن کے بقدر میں (یعنی تین بار سبحان ربی الأعلی کہنے کے بقدر) وقت میں معاف ہے اس سے زائد وقت تک کھلا رہا تو معاف نہیں نماز فاسد ہوگئی، البتہ اگر صرف ٹخنے کھلے، پنڈلیاں نہیں کھلیں تو-چونکہ ٹخنہ پنڈلی سمیت ایک عضو ہے اور وہ تنہا چوتھائی عضو سے کم ہے اس لئے اس صورت میں-بہر حال نماز ہوجائے گی۔ (۱)

نماز کی صفات وارکان کا بیان

قیام میں دو قدموں کے درمیان فاصلہ کی مقدار

حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا بہتر ہے، اگر کچھ کم وبیش ہوگیا تو حرج نہیں، اور ٹخنوں کا لگانا جو مروی ہے اس کا تعلق صف بندی سے ہے اور اس سے بھی مراد واقعی اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے سے ملانا نہیں ہے بلکہ دوسرے کے محاذات میں رکھنا ہے تاکہ صف سیدھی ہوجائے۔ (۲) پس غیر مقلدین

← ربعا فيمنع، ولو انكشف ثمن من موضع من فخذه ونصف ثمن ذلك الفخذ من موضع آخر لا يمنع ح (قوله وإلا فبالقدر) أي المساحة، فإن بلغ المجموع بالمساحة ربع أدناها: أي أدنى الأعضاء المنكشف بعضها، كما لو انكشف نصف ثمن الفخذ ونصف ثمن الأذن من المرأة فإن مجموعهما بالمساحة أكثر من ربع الأذن التي هي أدنى العضوين المنكشفين. (ردالمحتار: ۱/۴۰۹)

(۱) وفي الحرة هذه الثمانية، ويزاد فيها ستة عشر: الساقان مع الكعبين. (أيضاً)

(۲) وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع، هكذا روي عن أبي نصر الدبوسي إنه كان يفعله كذا في الكبرى. وما روي أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد بها الجماعة أي قام كل واحد بجانب الآخر كذا في فتاوى سمرقند (ردالمحتار: ۱/۴۴۴، باب صفة الصلاة)

نماز میں اپنے پیر کی انگلیاں قریبی شخص کے پیر کی انگلیوں سے ملانا جو ضروری سمجھتے ہیں یہ حدیث میں مذکورہ بات کے بالکل خلاف ہے، اس طرح کھڑے ہونے سے انسان کی ہیئت بھی خراب معلوم ہوتی ہے اور نماز میں خشوع وخضوع کے بھی منافی ہے۔ (۱)

رکوع میں ٹخنوں کے درمیان فاصلہ کی مقدار

رکوع اور سجدہ میں دونوں ٹخنوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے، قدم کے مذکورہ فاصلہ کے لحاظ سے ان کے درمیان خواہ جو بھی فاصلہ بنتا ہو، ٹخنوں کو بالکل ملا دینا یہ مسنون نہیں ہے؛ البتہ عورتوں کے لئے ملانا مسنون ہے کیوں کہ یہ ان کے حق میں استر ہے (۲)

رکوع کی ادنیٰ واعلی حد

رکوع کی کم ازکم حد یہ ہے کہ: اتنا جھکے کہ دونوں ہاتھ بڑھائے تو گھٹنوں تک پہنچ جائیں، اور پورا رکوع یہ ہے کہ: اس طرح جھکے کہ سر، سرین اور پیٹھ ایک سیدھ میں ہو جائیں؛ اور بیٹھنے والے کے رکوع کی ادنی حد یہ ہے کہ: سر کمر کے ساتھ کسی قدر جھک جائے اور پورا رکوع یہ ہے کہ پیشانی زانوں کے مقابل آجائے۔ اگر کسی کی پیٹھ رکوع کی حد تک جھکی ہوئی ہو تو وہ رکوع کے لئے سر سے اشارہ کرے یعنی سر کو جھکائے۔ (۳)

(۱) (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی رحیمیہ: ۸۰/۹)

(۲) (مستفاد: احسن الفتاوی: ۳/ ۴۹-۴۷؛ امداد الفتاویٰ: ۱/ ۲۲۱-۲۲۴)

(۳) ومنها: الركوع بحيث لو مد يديه نال ركبتيه. (الدر المختار) وأما كماله فبانحناء الصلب حتى يستوي الرأس بالعجز وهو حد الاعتدال فيه... وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولو كان يصلي قاعدا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع. اهـ. قلت: ولعله محمول على تمام الركوع، وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر تأمل. (رد المحتار: ۱/ ۴۴۷، باب صفة الصلاة)

سجدے کی حد اور اس کی تین شرائط

ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں، سجدے میں ناک اور پیشانی دونوں لگائے، اگر بلاعذر صرف پیشانی لگائی ناک نہیں لگائی تو نماز مکروہ ہے اور اگر برعکس ہو یعنی ناک لگائی پیشانی بالکل نہیں لگائی تو صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک نماز جائز نہ ہوگی فتویٰ اسی پر ہے۔[۱]

پھر سجدہ صحیح ہونے کیلئے تین شرطیں ہیں:

اوّل: پیشانی کا جمنا، پس اگر کسی نے دبنے والے بستر یا نرم گدے پر سجدہ کیا اور اس کا ماتھا پورا نہ جما یعنی اور دباتا تو دب جاتا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی (لوگ اس سے غافل ہیں)[۲] لیکن چارپائی پر نماز ہر حالت میں درست ہے کیوں کہ اگر وہ ڈھیلی بھی ہے تو جس وقت گھٹنے چارپائی پر ٹھہریں گے اور زور پکڑے گا تو سجدہ کی جگہ سخت ہوجائے گی۔[۳]

دوم: دونوں پاؤں میں سے کم از کم ایک انگشت بقدر تسبیح واحدہ زمین پر لگنا، اگر اتنا بھی نہ کیا تو نماز نہ ہوگی (لیکن واضح رہے کہ سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے)[۴]

---

(۱) وكمال السنة في السجود وضع الجبهة والأنف جميعا ولو وضع أحدهما فقط إن كان من عذر لا يكره وإن كان من غير عذر فإن وضع جبهته دون أنفه جاز إجماعا ويكره إن كان بالعكس فكذلك عند أبي حنيفة - رحمه الله - وقالا: لا يجوز وعليه الفتوى. (هنديه: ۱/۷۰)

(۲) ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم تستقر لا. (هنديه: ۱/۷۰)

(۳) (فتاوی دار العلوم: ۲/۱۵۲)

←

سوم: سجدے کا ''مقام'' پیر رکھنے کی جگہ سے آدھا گز (یعنی ایک بالشت) سے زیادہ اونچا نہ ہونا، اگر اس سے زیادہ اونچا ہو تو نماز درست نہ ہوگی۔ (۱)

آہستہ اور بلند قراءت کی حد

قراءت میں آہستہ کی حد یہ ہے کہ: اتنی آواز سے پڑھے کہ خود سن سکے، ورنہ اس کا وجود معتبر نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے نماز میں اتنی آہستہ آواز سے قرأت کی کہ اپنی آواز خود بھی سن نہ سکا تو اس کی نماز نہ ہوگی، یہ ہندوانی رحمہ اللہ کا قول ہے بہت سے محققین نے اسے اختیار کیا ہے اور شامی میں اسی کو اصح کہا ہے؛ تاہم ایک قول امام کرخی اور بلخی رحمہا اللہ کا ہے کہ: صرف تصحیح حروف کافی ہے، اگر اس کے مطابق بھی عمل کرلیا جائے تب بھی بعض فقہاء کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، البتہ پہلے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، احتیاط اسی میں ہے۔ (۲)

اور یہ حکم صرف قراءت کے ساتھ نہیں، بلکہ ہر اس چیز کے ساتھ ہے جس کا تعلق

← (۴)(مستفاد: فتاوی دارالعلوم: ۳۵/۴، احسن الفتاوی: ۳۹۸/۳، ھندیه: ۷۰/۱، شامی: ۲۰۵/۲-۱۳۴)

(۱)إذا كان موضع السجود أرفع من موضع القدمين بقدر لبنة أو لبنتين منصوبتين جاز وإن زاد لم يجز. وحد اللبنة ربع ذراع. (هندية: ۷۰/۱)وأراد باللبنة في قوله مقدر لبنتين لبنة بخارى وهي ربع ذراع عرض ست أصابع فمقدار ارتفاع اللبنتين المنصوبتين نصف ذراع طول اثنتي عشرة إصبعا، وذكر في الخلاصة قال مشائخنا إن سجد على لبنة جاز وعلى لبنتين لايجوز إن كانت أحديهما فوق الأخرى. (غنية المستملي المعروف بالكبيري: ۲۵۰، م: دار الكتاب ديوبند)

(۲)وأدنى الجهر إسماع نفسه... ويجر ذالک في كل مايتعلق بالنطق. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۵۳/۲) فشرط الهندواني والفضلي لوجودها: خروج صوت يصل إلى أذنه وبه قال الشافعي... ولم يشترط ←

قول سے ہے، مثلاً تشہد، طلاق، یمین وغیرہ۔

امام کو کتنی آواز بلند کرنی چاہیے؟

امام کو قراءت وغیرہ میں اپنے مقتدیوں کے حساب سے آواز بلند کرن چاہیے، اگر دو صف کے مقتدی ہوں اور چار صف کے بقدر آواز بتکلف بلند کرتا ہے، تو یہ مکروہ ہے، اسی وجہ سے مفتیان کرام نے بلا ضرورت مائیک کا استعمال مکروہ قرار دیا ہے۔ (۱)

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ نماز میں- خصوصا رمضان میں- باہر کا مائیک کھول دیتے ہیں یہ صحیح نہیں۔

قراءت میں ماتجوز به الصلاة کی مقدار

قراءت میں ماتجوز به الصلاة یعنی جس مقدار سے فرضیت ادا ہو کر نماز جائز ہوتی ہے: وہ ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیات ہیں: جن کی مقدار ۱۰ ر کلمات اور تیس حروف ہیں۔ (۲)

پس ثم نظر، ثم عبس و بسر، ثم أدبر و استکبر سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھا تو

→ الکرخي و أبو بکر البلخي السماع، و اکتفیا بتصحیح الحروف. و اختار شیخ الإسلام و قاضیخان و صاحب المحیط و الحلواني قول الهند واني ... فقد ظهر بهذا أن أدنی المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلین مثلاً، و أعلاها تصحیح الحروف کما هو مذهب الکرخي، و لاتعتبر هنا فی الأصح. (ردالمحتار: ۲/ ۲۵۲، زکریا دیوبند)

---

(۱) ویجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة. الدر المختار. (قوله فإن زاد علیه أساء) و في الزاهدي عن أبي جعفر: لو زاد علی الحاجة فهو أفضل، إلا إذا أجهد نفسه أو آذی غیره قهستاني. (ردالمحتار: ۱/ ۵۳۲)

(۲)... وقدرها من حیث الکلمات عشر، و من حیث الحروف ثلاثون. (رد المحتار: ۱/ ۵۳۸)

واجب ادا ہوگیا، کیونکہ اس میں دس کلمات اور تیس حروف ہیں۔اسی طرح اگر کوئی بہت لمبی آیت مثلاً آیت الکرسی، یا آیت المداینۃ کو دو رکعتوں میں نصف نصف کر کے پڑھا تو جائز ہے، کیونکہ اس کا نصف مذکورہ مقدار سے کم نہیں ہے، بلکہ زائد ہے۔ (۱)

رکعتوں کی چھوٹائی اور بڑائی کا حساب

رکعتوں کی چھوٹائی بڑائی کا حساب کلمات اور حروف سے ہوتا ہے؛ آیتوں سے اس وقت ہوتا ہے جبکہ آیتیں برابر ہوں، یعنی چھوٹی بڑی نہ ہوں۔ (۲)

پس دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت یا اس سے زیادہ لمبا کرنا جو مکروہ تنزیہی ہے اس میں اس حساب کا لحاظ کیا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے نماز کی دوسورتیں: ''سبح اسم'' اور ''ھل أتٰک'' میں اگرچہ دوسری سورت باعتبار آیات بڑی ہے، کہ اول میں ۱۹/آیتیں اور ثانی میں ۲۶/آیتیں ہیں، لیکن دونوں سورتوں میں کلمات کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں، پس کراہت نہ ہوگی (علاوہ ازیں ان سورتوں کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا کراہت کی کوئی وجہ نہیں) (۳)

ملحوظہ: اور حروف کی زیادتی سے بھی کراہت مطلقاً لازم نہیں آتی، بلکہ دوسری رکعت میں جو سورت پڑھی گئی اس کے زیادتی والے حروف پہلی رکعت کی سورت کے نصف کے برابر یا اس سے زائد ہوں تو کراہت آتی ہے، ورنہ مضائقہ نہیں۔ (۴)

---

(۱) ولو قرأ آیة طویلة في الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقا لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار قاله الحلبي. (الدر المختار: ۱/۵۳۷)

(۲) إن تقاربت طولاً أو قصراً وإلا اعتبر الحروف والکلمات. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۲۶۳)

(۳) واستثنی في البحر ما وردت به السنة (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۲۶۳)

(۴) فإذا قرأ في الأولی من الفجر عشرین آیة طویلة وفي الثانیة منها عشرین ←

بین السورتین فاصلے کی جائز ومکروہ حد

پہلی رکعت کی سورت اور دوسری رکعت کی سورت کے درمیان ہر اس سورت کو چھوڑنا مکروہ ہے جو اتنی چھوٹی ہو کہ اس میں دو رکعت ادا نہ ہو سکے یعنی وہ چھ آیات سے کم ہو؛ یا جس کے پڑھنے سے دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے طویل ہونا لازم نہ آئے؛ ورنہ (یعنی اتنی بڑی ہو کہ اس میں دو رکعت ادا ہو سکے، یا اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت کا طویل ہونا لازم آئے) تو مکروہ نہیں۔(۱)

پس قل یا ایہا الکافرون کے بعد دوسری رکعت میں تبت یدا پڑھنا اور درمیان میں اذا جاء کو چھوڑ دیا تو مکروہ ہے، کیونکہ اذا جاء نہ تو چھ آیات والی سورت ہے، اور نہ ہی اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت کا طویل ہونا لازم آتا ہے۔

اور اذا جاء کے بعد دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا تو مکروہ نہیں، کیونکہ درمیان میں چھوڑی ہوئی سورت: تبت یدا اتنی بڑی ہے کہ اس کو پڑھنے سے دوسری رکعت کا پہلی رکعت پر کچھ نہ کچھ طویل ہونا لازم آتا ہے (تاہم اتصال بہر حال افضل ہے)(۲)

← أية قصيرة تبلغ كلماتها قدر نصف كلمات الأولى فقد حصل السنة، ولو عكس يكره. (ردالمحتار: ۱/۵۴۳؛ محمودية: ۸۷/۷)

(۱) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلايكره (ردالمحتار: ۲۶۹/۲) ويكره فصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين... وقال بعضهم: لايكره إذا كانت السورة طويلة كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان (مراقی الفلاح) وفي الطحطاي: هو الأصح كذا في الدرة المنيفة (طحطاوی: ۳۵۲)

(۲) (امداد الفتاوی وحاشیہ: ۱/۲۶۰-۲۲۶، م: زکریا دیوبند)

امامت وجماعت کا بیان

امام اور مقتدیوں کے درمیان کا وہ فاصلہ جو مانع ہے

امام اور مقتدی کے درمیان اتنا بڑا عام راستہ ہو کہ جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گذر سکتا ہو یا اونٹ کی گذرگاہ کی برابر چوڑا نالہ ہو تو اس سے پیچھے والی صفوں کی اقتدا درست نہیں، کیوں کہ دونوں کا مکان الگ ہو گیا، لیکن اگر اس راستے یا نالے کو صفوں سے پر کر دیا گیا ہو تو اب اقتدا درست ہے، کیوں کہ اب امام اور مقتدی کا مکان حکماً ایک ہو گیا۔(۱)

اسی طرح درمیان میں دو صفوں کے بقدر (تقریباً ۸ فٹ) جگہ خالی ہو تو اقتدا درست نہ ہوگی —— البتہ مسجد اور عیدگاہ میں یہ فاصلہ مانع نہیں - اگرچہ بلاضرورت مکروہ تحریمی ہے - کیوں کہ عیدگاہ اور پوری مسجد اوپر سے نیچے تک مکان واحد کے حکم میں ہے۔(۲)

اور مسجد کے صحن میں جو حوض ہوتا ہے اگر وہ دہ در دہ / دس بائی دس گز (تقریبا ۲۲۶ مربع فٹ) یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا درست نہیں۔ البتہ حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑے ہونے والوں تک صفیں متصل ہو جائیں تو اب اقتدا درست ہے۔ اور اگر حوض اس سے چھوٹا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا ہر حال میں

---

(۱)(ویمنع من الاقتداء) صف من النساء... (أو طریق تجری فیه عجلة) آلة یجرها الثور (أو نهر تجری فیه السفن)... إلا إذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقاً (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/ ۵۸۴-۵۸۵، ہندیہ: ۱/ ۸۷)

(۲)والمانع فی الفلوات قدر مایسع فیه صفین وفی مصلی العید الفاصل لایمنع الاقتداء وإن کان یسع فیه الصفین أو أکثر (هندیه: ۱/ ۸۷) والمسجد وإن کبر لایمنع الفاصل.. الخ (شامی: ۱/ ۵۸۵)

جائز ہے۔ (۱)

جمعہ عیدین اور مطلق جماعت کے لئے نمازیوں کی اقل مقدار

مطلق جماعت کے لئے تو کم از کم دو آدمی ہونے ضروری ہے، ایک امام دوسرا مقتدی اگرچہ مقتدی سمجھدار بچہ یا عورت ہی ہو، مگر جمعہ اور عیدین کی صحت کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین ایسے آدمی ہونا ضروری ہے: جو امامت کے اہل ہوں تب جماعت درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ (۲)

نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اور تداعی کی حد

نفل نماز (اور رمضان کے علاوہ وتر نماز) میں تداعی (بلاوا) کے ساتھ جماعت مکروہ تحریمی ہے، اور امام کے سوا چار آدمی ہوں تو یہ بالاتفاق عملاً تداعی ہے، پس یہ بھی مکروہ ہے، جبکہ تین میں اختلاف ہے۔ (۳)

(۱)(أحسن الفتاوی: ۳/ ۳۰۷، وردالمحتار: ۱/ ۵۸۵ملخصاً)

(۲)(وأقلها اثنان) واحد مع الإمام ولو مميزا أو ملكا. (الدرالمختار) قال في البحر: لأنها مأخوذة من الاجتماع، وهما أقل ما تتحقق به، وهذا في غير جمعة اهـ أي فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام، مثلها العيد لقولهم: يشترط لها ما يشترط للجمعة صحة وأداء سوى الخطبة فافهم. (ردالمحتار: ۱/ ۵۵۳، الإمامة)

(۳)ولا يصلي الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد. (الدر المختار) (قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر عن الكافي. (رد المحتار ۲/ ۴۹، باب الوتر والنوافل؛ المحيط البرهاني: ۱/ ۴۶۸، في التراويح)

تکرار جماعت میں کراہت کا مدار

محلہ کی مسجد جس میں امام اور نمازی معین ہوں وہاں جب ایک جماعت اذان واقامت کے ساتھ ہوگئی تو اب دوسری جماعت اذان واقامت کے ساتھ مکروہ تحریکی ہے، لیکن اگر دوسری جماعت بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے یعنی امام محراب سے ہٹ کر کھڑا ہو (محراب کی محاذاۃ میں نہ ہو) تو اس میں اختلاف ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں کوئی کراہت نہیں، جبکہ طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک یہ صورت بھی مکروہ ہے، کیوں کہ جماعت ثانیہ بہر صورت جماعت اولیٰ میں سستی اور کمی کا ذریعہ ہے، نیز افتراق وانتشار کا بھی سبب ہے، فتویٰ طرفین رحمہما اللہ کے قول پر ہے ــــ پس راستے اور اسٹیشن وغیرہ کی مسجد جس میں: امام اور مؤذن معین نہ ہوں؛ یا نمازی معین نہ ہوں؛ یا محلہ کی مسجد ہو اور اس میں غیر اہل محلہ جماعت کریں؛ تو ان تینوں صورتوں میں تکرار جماعت بالاجماع جائز بلکہ افضل ہے، اگرچہ تکرار اذان واقامت کے ساتھ اور ہیئت اولیٰ پر ہو۔ (۱)

مفسدات نماز کا بیان

نماز میں کھانے کی مفسد مقدار

نماز کی حالت میں دانتوں میں یا اس کے آس پاس پھنسی ہوئی کوئی چیز کھائی تو اگر وہ چنے کی مقدار ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی خواہ سہواً ہو یا قصداً، اور چنے سے کم مقدار ہے تو فاسد نہ ہوگی؛ اور اگر منھ سے باہر کی کوئی چیز اٹھا کر کھالی یا باہر ہونٹ پر کوئی چیز تھی اور سانس کے ذریعہ اس کو اندر کھینچ لیا اور وہ حلق میں چلی گئی تو اس سے مطلقاً نماز فاسد ہوجائے گی خواہ کم مقدار ہو یا زیادہ، حتی کہ تل کے برابر بھی ہو تو نماز فاسد ہوجائے گی،

(۱) (مستفاد: ردالمحتار: ۲/ ۲۸۹-۲۸۸ زکریا، واحسن الفتاوی: ۳/ ۳۲۳)

الا یہ کہ عمل قلیل کے ساتھ اس کو اس طرح سے چبا دے کہ وہ منہ میں لاشیء ہو جائے۔

پھر دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز کی قلیل مقدار (چنے سے کم) بھی اس وقت معاف ہے، جبکہ اس کو کھانے میں عمل کثیر صادر نہ ہوا ہو، اگر لگاتار تین مرتبہ (جبڑے کھول کر) اس کو چبایا تو عمل کثیر ہو جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر تین مرتبہ سے کم چبایا، یا لگاتار تین مرتبہ نہیں چبایا-یعنی ہر ایک یا دو بار چبانے کے بعد تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کے بقدر ٹھہرا رہا پھر چبایا-تو نماز فاسد نہ ہوگی، تاہم عمل قلیل بھی کراہت سے خالی نہیں۔ (۱)

اور اگر متعدد رکن میں تھوڑی تھوڑی چیز منہ کے اندر سے کھائی تو اس کو ملایا جائے گا یا نہیں؟ تو فقہاء نے اس کا حکم بیان نہیں کیا، مگر قیاس یہ ہے کہ اس کو ملایا جائے گا اور مجموعہ چنے کی مقدار ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ پوری نماز مجلس واحد کے حکم

(۱) (وأكله وشربه مطلقا) ولو سمسمة ناسيا (إلا إذا كان بين أسنانه مأكول) دون الحمصة كما في الصوم هو الصحيح قاله الباقاني (فابتلعه) أما المضغ فمفسد. الدرالمختار. (قوله مطلقا) أي سواء كان كثيرا أو قليلا عامدا أو ناسيا، ومثله ما لو وقع في فيه قطرة مطر فابتلعها كما في البحر.... (قوله أما المضغ فمفسد) أي إن كثر وتقديره بالثلاث المتواليات كما في غيره كذا في شرح المنية. وفي البحر عن المحيط وغيره: ولو مضغ العلك كثيرا فسدت. (ردالمحتار: ۱/ ۶۲۳) ويفسدها أداء ركن حقيقة اتفاقا أو تمكنه منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف عورة الخ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶) ولا يبتلع المصلي مابين اسنانه أي يكره ذالك إن كان قليلاً دون قدر الحمصة وإن كان كثيراً زائداً على قدر الحمصة فان صلوته تفسد (كبيرى: ۳۰۶، هنديه: ۱/ ۱۰۲) أو أكل ما بين أسنانه وكان دون الحمصة أو مضغ مثل سمسمة من خارج فمه حتى تلاشت ولم يجد لها طعما في حلقه. (نورالایضاح: ۱/ ۱۳۲، ما لا يفسد الصوم)

میں ہے، البتہ استحسان یہ ہے کہ: ملایا نہیں جائے گا، کیونکہ چنے سے کم مقدار کی معافی بوجہ تعذر - یعنی اس سے احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے - ہے، اور اس مقدار کے اجزاء جب مختلف ہوں تو تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ اس سے احتراز مزید مشکل ہو جاتا ہے پس ایک رکن کی مقدار میں تو جمع کا حکم لگایا جاسکتا ہے، مگر اس سے زیادہ وقت میں حقیقت تعذر سے صرف نظر کرنا لازم آتا ہے؛ علاوہ ازیں جس طرح مختلف رکن کے اعمال قلیلہ کو جمع نہیں کیا جاتا، یہاں بھی یہی تقاضہ ہے، واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

اور اگر نماز سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھائی پھر فوراً نماز شروع کر دی اور اس کی مٹھاس کا اثر جو منہ میں موجود تھا وہ تھوک کے ساتھ اندر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن مصری کی ڈلی منہ میں رکھی اور اس کو چبایا نہیں مگر اس کی شیرینی گل کر اندر جاتی ہے، یا پان یا تمباکو منہ میں رکھ لیا اور اس کی پیک حلق میں جاتی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱)

نماز میں چلنے کی مفسد مقدار

نماز میں متابع مشی یعنی لگاتار چلنا اس کو فاسد کر دیتا ہے، اور غیر متابع یعنی ٹھہر ٹھہر کر چلنا فاسد نہیں کرتا ہے، پھر متابع کی صورت میں منفرد اور امام کے لئے اس کی حد سجدہ کی جگہ ہے اور مقتدی کے لئے دو صف کی مقدار ہے، پس منفرد یا امام متابع مشی کے ساتھ سجدے کی جگہ سے تجاوز کر گیا اور مقتدی دو صف سے تجاوز کر گیا (یا امام سے آگے بڑھ گیا) تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (البتہ حدث پیش آنے پر وضو کے لئے جائے تو وہ صورت مستثنیٰ ہے) اور غیر متابع میں - جس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک یا دو قدم پر تین

(۱) أفاد أن المفسد إما المضغ الكثير أو وصول عين المأكول إلى الجوف بخلاف الطعم. قال في البحر عن الخلاصة: ولو أكل شيئا من الحلاوة وابتلع عينها فدخل في الصلاة فوجد حلاوتها في فيه وابتلعها لا تفسد صلاته، ولو أدخل الفانيد أو السكر في فيه ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته. اهـ. (ردالمحتار: ۱/۶۲۳)

مرتبہ سبحان ربی الأعلی کے بقدر ٹھہرے پھر چلے تو اس میں۔ کوئی حد نہیں خواہ کتنا ہی چلے نماز فاسد نہ ہوگی، بشرطیکہ اختلاف مکان نہ ہو یعنی مسجد سے یا گھر سے باہر نہ نکلے اور صحراء میں ہو تو صفوں سے تجاوز نہ کرے، تاہم بلاضرورت اس سے احتراز کرنا چاہئے کہ یہ نماز کی شان کے خلاف ہے۔ (۱)

عمل قلیل اور کثیر کی حد اور اس کی اہم تفریعات

جاننا چاہئے کہ ہر وہ عمل کثیر جو نہ نماز کے اعمال میں سے ہو اور نہ اس کی اصلاح میں سے؛ نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ عمل اختیار سے کرے یا بلا اختیار کرے۔ نماز کے اعمال اور اصلاح میں سے نہ ہونے کی قید اس لئے کہ: جو عمل نماز کے اعمال میں سے ہو جیسے رکوع یا سجدے پر اضافہ کرلیا، یا نماز کی اصلاح کے لئے ہو جیسے حدث پیش آنے پر چلنا اور وضو کرنا تو یہ اگر چہ عمل کثیر ہے، لیکن نماز کو فاسد نہیں کرتا، ان کے علاوہ باقی ہر عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

پھر عمل کثیر اور قلیل کے درمیان حد فاصل میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں

---

(۱) مشی مستقبل القبلة هل تفسد إن قدر صف ثم وقف قدر ركن ثم مشی ووقف كذلك وهكذا لا تفسد، وإن كثر ما لم يختلف المكان (الدر المختار) (قوله ما لم يختلف المكان) أي بأن خرج من المسجد أو تجاوز الصفوف، لو الصلاة في الصحراء فحينئذ تفسد كما لو مشى قدر صفين دفعة واحدة. قال في شرح المنية: وهذا بناء على أن الفعل القليل غير مفسد ما لم يتكرر متواليا، وعلى أن اختلاف المكان مبطل ما لم يكن لإصلاحها، وهذا إذا كان قدامه صفوف، أما إن كان إماما فجاوز موضع سجوده، فإن بقدر ما بينه وبين الصف الذي يليه لا تفسد، وإن أكثر فسدت، وإن كان منفردا فالمعتبر موضع سجوده، فإن جاوزه فسدت وإلا فلا، والبيت للمرأة كالمسجد عند أبي علي النسفي وكالصحراء عند غيره. اهـ (رد المحتار: ۱/ ۶۲۷؛ حاشية الطحطاوي على المراقي: ۱/ ۳۲۳)

پانچ اقوال مشہور ہیں:

اول: ایسا عمل جس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والا یہ یقین کرے یا اس کو غالب گمان گذرے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے وہ کثیر ہے۔ اور جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا غالب گمان نہ ہو بلکہ شبہ ہو تو وہ قلیل ہے۔ (۱)

دوم: جو کام عادتاً دو ہاتھ سے کیا جاتا ہو، جیسے عمامہ باندھنا، کرتا پہننا، پاجامہ پہننا وغیرہ وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے۔ اور جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند کھولنا، ٹوپی پہننا یا اتارنا (یا موبائل کا بٹن بند کرنا) وغیرہ وہ قلیل ہے اگرچہ دو ہاتھ سے کیا جائے۔ (۲)

سوم: تین حرکات متواترہ ہوں، یعنی ان کے درمیان بقدر تین تسبیح کے وقفہ نہ ہو تو وہ کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔ (۳)

چہارم: ایسا عمل جس کے لئے فاعل عادتاً علاحدہ مجلس کرتا ہو وہ کثیر ہے، جیسے بچہ کو دودھ پلانا وغیرہ۔ (۴)

پنجم: خود نمازی کی رائے پر موقوف ہے، یعنی نمازی جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔ (۵)

---

(۱) وإن شک أنه فیها أم لا؟ فقلیل. (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، م: زکریا)

(۲) الثانی: أن مایعمل عادة بالیدین کثیر وإن عمل بواحدة. (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۵، م: زکریا)

(۳) الثالث: الحرکات الثلاثة المتوالیة کثیر، وإلا فقلیل. (ردالمحتار: ۳۸۵/۲)

(۴) الرابع: مایکون مقصودا للفاعل بأن یفرد له مجلسا علی حدة الخ (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، م: زکریا)

(۵) التفویض إلی رأی المصلی، فإن استکثره فکثیر، وإلا فقلیل. (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، م: زکریا)

یہ آخری قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذاق کے موافق ہے، کیوں کہ امام صاحب اکثر مسائل میں مبتلی بہ کی رائے پر حکم کا مدار رکھتے ہیں۔

اب ان ہی اصول پر متفرع ہونے والی کچھ اہم جزئیات بطور فوائد ملاحظہ فرمائیں:

۱-اگر کسی نے نماز میں دھکا دیا جس سے متواتر تین قدم ہٹ گیا یا اپنے سجدہ کی جگہ سے ہٹ گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی (۱) کیوں کہ عمل کثیر اختیار سے ہو یا بلا اختیار نماز فاسد کرنے میں دونوں برابر ہیں (۲) لیکن اگر نماز میں اٹھتے بیٹھتے دونوں پاؤں کپڑے میں الجھ گئے اور اس کی وجہ سے آگے پیچھے ہوگیا تو بوجہ عذر اور کثیر الوقوع ہونے کے نماز فاسد نہ ہوگی) (۳)

۲-سانپ، بچھو کو نماز میں مارا تو اگر تین قدم نہیں چلنا پڑا اور نہ تین ضربوں کی حاجت ہوئی تو نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ عمل کثیر کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی، مگر سانپ، بچھو کو نماز میں بھی مار دینا چاہئے اگر چہ نماز فاسد ہوجائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: أُقْتُلُوا الأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الحَيَةَ وَ الْعَقْرَب۔ (۴)

۳-ایک رکن میں (یعنی تین بار سبحان ربی الأعلی کہنے کے بقدر وقت میں) تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر کھجلایا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ہر بار ہاتھ نہیں اٹھایا، بلکہ ایک بار

(۱) فإن من دفع أو جذبته الدابة حتى ازالته عن موضوع سجوده تفسد. (رد المحتار: ۲/ ۳۹۰،م: زکریا)

(۲) وهل يشترط في المفسد الاختيار؟ في الخبازية: نعم، وقال الحلبي: لا (درمختار) الظاهر اعتماده للتفريع عليه (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۰،م: زکریا)

(۳) (محموديه: ۶/ ۶۰۸)

(۴) لايكره قتل حية أو عقرب... ولو بعمل كثير على الأظهر، لكن صححه الحلبي الفساد. (ردالمحتار: ۲/ ۴۲۱،م: زکریا)

اٹھا کر چند مرتبہ حرکت دی تو یہ ایک ہی بار کھجلانا ہوا، اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن بلا ضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ ہے۔ (۱)

۴-عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ شوہر نے شہوت سے یا بلا شہوت بوسہ دیا، یا شہوت کے ساتھ چھو دیا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، بخلاف اگر عورت نے مرد کے ساتھ یہ حرکت کی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی جب تک کہ مرد کو اس عمل سے خواہش نہ ہو جائے، اس لئے کہ جماع کا فاعل مرد ہے نہ کہ عورت۔ (۲)

۵-نماز میں موبائل کی گھنٹی بجی اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر یا باہر ہی سے سوئچ بند کر لی تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو اس طرح سے بند کر لینا چاہئے تا کہ دوسروں کی نماز میں خلل نہ ہو۔

۶-لیکن اگر موبائل کو جیب سے با قاعدہ نکال کر اور نمبر دیکھ کر سوئچ بند کی تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں اس کے حال سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔

---

(۱) إذا حک ثلاثا فی رکن واحد تفسد صلاته، هذا إذا رفع یده فی کل مرة أما إذا لم یرفع فی کل مرة فلا تفسد ولو کان الحک مرة واحدة یکره، کذا فی الخلاصة (هندیه: ۱/ ۱۰۴، تاتارخانیه: ۱/ ۵۸۹) اور یہاں رکن واحد سے بقدر تین تسبیح کا وقت مراد ہے، وہ اس عبارت سے اخذ کیا گیا ہے: ویفسدها أداء رکن حقیقة اتفاقا أو تمکنه منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبیحات مع کشف عورة الخ. (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶)

(۲) أومسها بشهوة أو قبلها بدونها فسدت، لا لو قبلته ولم یشتهها. (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۰، م: زکریا) یعنی أن الزوج هو الفاعل للجماع فاتیانه بدواعیه فی معناه... بخلاف المرأة فإنها لیست فاعلة للجماع فلا یکون إتیانه دواعیه منها فی معناه مالم یشته الزوج. (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۰، م: زکریا)

مالی نقصان کی وہ مقدار جس پر نماز توڑنا جائز ہے

نماز کی حالت میں ایک درہم یعنی ۳/۱۰ گرام، ۶۱.۸۰ ملی گرام چاندی کے برابر مالی نقصان کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے۔(۱)

پس ہانڈی ابلنے لگے؛ یا پریس سے کپڑا جلنے لگے؛ یا بچے کے ہاتھ میں کوئی چیز آجائے جس کے توڑنے پھوڑنے یا بہانے کا اندیشہ ہو تو اس کی لاگت کا اندازہ کرلیا جائے اگر مذکورہ مقدار کے برابر یا اس سے زائد ہو تو نماز توڑنا جائز ہوگا، ورنہ جائز نہ ہوگا۔

فائدہ: چاندی کی قیمت چونکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لئے روپے میں کوئی معین حساب بیان نہیں کیا جاسکتا، البتہ تقریب ذہن کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر بالفرض پچاس ہزار روپے کلو چاندی ہو تو مذکورہ مقدار کی مالیت ۱۸۰/روپے ۹/پیسے کی ہوگی۔

امام سے آگے بڑھنے کی حد

امام سے آگے بڑھنے کی حد میں اعتبار ایڑی کا ہے۔(۲) پس اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہوجائے گی اگرچہ (مقتدی کا قدم لمبا ہونے کی وجہ سے) قیام میں پاؤں کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہوجائیں؛ یا رکوع سجدے میں سر امام کے سر سے آگے ہوجائے؛ یا قعدہ میں گھٹنے امام سے آگے بڑھ جائیں۔(۳)

(۱)(مستفاد: ردالمحتار: ۶۱۲/۱، مفتاح الأوزان: ۲۶)

(۲)ولا عبرة بالرأس بل بالقدم...ومعنى المحاذات بالقدم المحاذات بعقبه.(ردالمحتار: ۲۸۶/۲، م: زكريا)

(۳)فلو حاذاه بالقدم ووقع سجوده مقدماً عليه لكون المقتدي أطول من إمامه لا يضر... فلا يضر تقدم أصابع المقتدي على الإمام حيث حاذاه بالعقب. (رد المحتار: ۳۰۸/۲، م: زكريا، تاتار خانية ۶۲۲/۱، قديم)

سترے کا بیان

سترے کا طول وعرض

سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (دو بالشت یا ڈیڑھ فٹ) اور چوڑائی بقدر ایک انگل ہونا ضروری ہے۔ (۱) پس بعض مساجد میں (بطور سترہ) جو لکڑے کا تختہ وغیرہ رکھتے ہیں جس کی اونچائی، ایک ہاتھ سے بھی کم ہوتی ہے، وہ صحیح نہیں، اس کے پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو سامنے سے گذرنا جائز نہیں۔

فائدہ (۱): سترہ کا اعتبار صرف قیام کی حالت میں ہے۔ (۲) لہٰذا اگر کوئی رسی وغیرہ چھت سے لٹکی ہوئی ہو اور قیام کے وقت سترہ رہتی ہو اور رکوع، سجدے میں کمر پر آجاتی ہو تو کوئی حرج نہیں، ایسے سترہ کے پرے سے گزرنا جائز ہے۔ (۳)

فائدہ (۲): واضح رہے کہ: نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ ہے، ہٹنا مکروہ نہیں (۴) پس نمازی کے آگے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ہٹنا ہے، گذرنا نہیں ہے جو ممنوع ہے۔

اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر دو شخص نمازی کے آگے سے گذرنا چاہیں تو ان میں سے ایک شخص نمازی کے سامنے پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے اور دوسرا شخص اس کی آڑ سے

(۱) ... أن یتخذ أمامه سترة طولها ذراع وغلظها غلظ الأصبع. (هندیه: ۱/۱۰۴؛ هدایه: ۱/۱۳۸)

(۲) ولو ستارة ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۴۰۰، م: زکریا)

(۳) ولو ستارة ترتفع أی تزول بحرکة رأسه... وصورته: أن تکون الستارة من ثوب أو نحوه معلقة فی سقف مثلاً ثم یصلی قریباً منه، فإذا سجد تقع علی ظهره ویکون سجوده خارجا عنها، وإذا قام أو قعد سبلت علی الأرض وسترته (ردالمحتار: ۲/۴۰۰، م: زکریا) (۴) (إمداد الفتاوی: ۱/۲۹۷)

گذر جائے، پھر پہلا شخص اسی طرح کرے اور دونوں اس طرح گذر جائیں تو یہ جائز ہے۔[۱]

نیز یہ بھی کہ: آج کل لوگوں میں جو یہ عمل مروج ہے کہ نمازی کے بغل میں بیٹھا ہوا شخص اپنا ہاتھ رکھ لیتا ہے اور سامنے سے گذرنے والا گذر جاتا ہے، پھر وہ اپنا ہاتھ ہٹا لیتا ہے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، مگر ہاتھ عرضاً (چوڑائی میں) نہ رکھے کہ یہ سترے کا فائدہ نہ دے گا، بلکہ قریب ہو کر طولاً (لمبائی میں) زمین پر ٹیک کر کھڑا کرے۔

مسجد کبیر اور صغیر کی پیمائش اور حکم

چالیس بائی چالیس گز، یعنی ۶۰/فٹ لمبی اور ۶۰/فٹ چوڑی مسجد کبیر ہے اور اس سے کم مسجد صغیر ہے۔

مسجد صغیر میں نمازی کے قدم سے لے کر قبلہ کی دیوار تک سامنے سے گذرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ سترہ حائل ہو، اور مسجد کبیر میں محتاط قول کے مطابق نمازی سے اتنی دوری پر گذر سکتا ہے کہ اگر وہ خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے ہوئے سجدے کے مقام پر نظر رکھے تو اس کی نگاہ گذرنے والے پر نہ پڑے اور اس کا اندازہ عام طور پر نمازی کے قدم سے دو صف کی مقدار کیا گیا ہے یعنی نمازی قدم سے تقریباً ۸/فٹ، پس مسجد کبیر میں اتنی دوری سے گذرنا درست ہے، اگر چہ درمیان میں سترہ نہ ہو، کیونکہ مسجد کبیر صحرہ کے حکم میں ہوتی ہے جس کا ہر قطعہ مختلف مکان کے حکم میں ہوتا ہے۔[۲]

(۱) ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر، هكذا يمران (شامي: ۲/۱/۴۰۱)

(۲) ومرور مار في الصحراء أو في مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح أو مروره بين يديه إلى حائط القبلة في بيت و مسجد صغير، فإنه كبقعة واحدة (الدر المختار) (قوله في الأصح) هو ما اختاره شمس الأئمة وقاضي خان ←

فائدہ: اور جو مسجد مثلاً ستر بائی پچاس فٹ کی ہو وہ بھی مسجد کبیر ہے، طول وعرض میں کسی کی زیادتی دوسرے کی کمی کو پورا کردیتی ہے، جیسا کہ شرعی حوض کے متعلق حکم ہے۔

نوافل کا بیان

اشراق اور چاشت کی رکعات کی تعداد

اس کا ذکر اوقات نماز کے بیان میں، عنوان ''نماز اشراق اور چاشت کا ابتدائی اور آخری وقت اور رکعتوں کی تعداد'' کے تحت گذر چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اوابین کی رکعات کی تعداد

مغرب کے بعد ۶ر رکعت پڑھنا بڑی فضیلت کا باعث ہے، اس پر مداومت سے بندہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: {فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُورًا} کا مصداق بن جاتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس میں ۱۲ر سال کی عبادت کا ثواب ہے۔

پھر جاننا چاہئے کہ اس بات میں تو اتفاق ہے کہ اوابین کی ۶ر رکعت ہیں، مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ مستقل ہیں یا مغرب کی دو رکعت سنت کے ساتھ ۶ر ہیں، فقہ کی عام روایات میں قول اول ہی بیان کیا گیا ہے یعنی یہ چھ مستقل ہیں پس دو رکعت سنت کے ساتھ کل ۸ر رکعات ہوں گی، تاہم دیلمی نے مسند فردوس میں ایک ضعیف روایت

← وصاحب الهداية واستحسنه في المحيط وصححه الزيلعي، ومقابله ما صححه التمرتاشي وصاحب البدائع واختاره فخر الإسلام ورجحه في النهاية والفتح أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع أي راميا ببصره إلى موضع سجوده؛ وأرجع في العناية الأول إلى الثاني بحمل موضع السجود على القريب منه (قوله إلى حائط القبلة) أي من موضع قدميه إلى الحائط إن لم يكن له سترة، فلو كانت لا يضر المرور وراءها على ما يأتي بيانه (قوله ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعا، وقيل من أربعين، وهو المختار. (ردالمحتار: ۱ر ۶۳۴)

چار نفل کی بھی ذکر کی ہے اس لحاظ سے مغرب کی دو رکعت سنت ملا کر ۶ ر ہو جائیں گی، غور کیا جائے تو یہی چھ والی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ اس میں چھ اور چار والی احادیث میں تطبیق کی صورت نکل آتی ہے اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے، تطبیق اس طور پر کہ جس میں چار نفل کا ذکر ہے وہ دو سنت کے علاوہ ہیں اور جس میں چھ رکعات کا ذکر ہے وہ ان دو کو ملا کر ہیں، جبکہ ۸ ر والا قول اختیار کرنے میں یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ (۱)

تہجد کی رکعات کی تعداد

جوہرہ میں ہے کہ: تہجد کی کم از کم رکعت ۸ ر ہیں، مگر شامیہ میں بحث وتمحیص کے بعد لکھا ہے کہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس میں اقل تعداد ۲ ر رکعت: اوسط ۴ ر: اور اکثر ۸ ر رکعت ہیں۔ (۲)

---

(۱)...فلما روى ابن عمر رضي الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين وتلا قوله تعالى {فإنه كان للأوابين غفورا}..الخ (البحر الرائق: ۵۴/۲) قال الشيخ إسماعيل وفي المفتاح وندب ست ركعات بعد المغرب يعني غير سنة المغرب لقوله عليه الصلاة والسلام "من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن عبادة ثنتي عشرة سنة" كذا في الإيضاح اهـ. فظهر أنها ست مستقلة كما هو صريح المفتاح وظاهر شرح الغزنوية. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۵۵/۲، دار الكتاب بيروت)

ورواه في مسند الفردوس مسندا عن ابن عباس بلفظ من صلى أربع ركعات بعد المغرب قبل أن يكلم أحدا رفعت له في عليين وكان كمن أدرك ليلة القدر في المسجد الأقصى قال الحافظ العراقي: وسنده ضعيف (فيض القدير: ۱۶۷/۶، حرف الميم، حديث: ۸۸۰۲)

(۲) وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان (الدر المختار) في ←

نماز کسوف اور خسوف کی تعداد

کسوف یعنی سورج گرہن اور خسوف یعنی چاند گرہن کی عام طور پر دو رکعت بیان کی جاتی ہے، پس طویل دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد اتنی دیر دعا میں مشغول رہے کہ گہن ختم ہوجائے، البتہ بحر میں مجتبیٰ کے حوالے سے ہے کہ: اگر چاہے تو ۲ر رکعت پڑھیں یا ۴ر یا اس سے زیادہ، اور خواہ ہر دو رکعت پر سلام پھیریں یا چار رکعت پر مگر یہ غیر ظاہر الرایت ہے، ظاہر الروایت میں دو رکعت ہی مذکور ہے۔

پھر کسوف کا تعلق چونکہ دن سے ہے اس لئے اس کی نماز با جماعت (سرا) پڑھی جائے گی، اور خسوف رات میں کسی وقت ہوسکتا ہے اس لئے اس میں تنہا تنہا نماز کا حکم ہے، باقی رکعتوں کے تعداد وغیرہ کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ (۱)

قضا نماز کا بیان

صاحب ترتیب بننے کا معیار اور اس کے متعلقات

صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کے ذمہ کوئی نماز قضا نہ ہو یا ۶ر سے کم نمازیں قضا ہوں؛ اس پر قضا اور وقتیہ نمازوں میں اور خود قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہیں۔

← الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولو ركعتين والسنة فيها ثماني ركعات بأربع تسليمات...أقول: فينبغي القول بأن أقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان. (ردالمحتار: ۲/۲۵، باب الوتر والنوافل)

(۱) إذا انكسفت الشمس صلى الإمام بالناس ركعتين كهيئة النافلة في كل ركعة ركوع واحد، وليس في خسوف القمر جماعة " لتعذر الاجتماع في الليل أو لخوف الفتنة (هداية: ۱/۸۷) (قوله: وإن شاء أربعا أو أكثر) هذا غير ظاهر الرواية وظاهر الرواية هو الركعتان ثم الدعاء إلى أن تنجلي شرح المنية. (ردالمحتار: ۲/۱۸۲)

پس اگر کسی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو پہلے قضا نماز پڑھے، پھر وقتیہ نماز ادا کرے۔ اسی طرح خود آپس میں قضا نمازوں میں بھی جو سب سے پہلے قضا ہوئی ہے اس کو پہلے پڑھے، پھر اس کے بعد بعد والی، پھر اس کے بعد بعد والی، اسی ترتیب سے قضا کرے۔ اگر ترتیب کا لحاظ نہیں کرے گا تو نمازیں درست نہ ہوں گی، پھر سے بالترتیب پڑھنی ہوں گی۔ (۱)

البتہ تین صورتوں میں یہ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:

اول: وقت کا تنگ ہونا۔ پس اگر وقت اتنا تنگ ہو گیا ہو کہ قضا نماز پڑھنے میں وقتیہ نماز فوت ہو جاتی ہو، مثلاً کسی کے ذمہ فجر اور ظہر باقی ہے اور اب عصر کا وقت اتنا تنگ رہ گیا ہے کہ قضا نماز پڑھنے میں عصر کا وقت (اصل وقت نہ کہ مستحب وقت یہی معتمد ہے)(۲) نکل جائے گا تو پہلے عصر پڑھ لے۔

اور اگر اتنا وقت ہو کہ عصر کے ساتھ صرف فجر پڑھ سکتا ہے، ظہر نہیں پڑھ سکتا تو واجب ہوگا کہ پہلے فجر پڑھے، پھر عصر ادا کرے، یعنی وقتیہ سے پہلے جس قدر قضا نماز کی گنجائش ہو پہلے اس کو ادا کرے، پھر وقتیہ کو پڑھے، حتی کہ کسی کی عشاء کی نماز مع وتر کے قضا ہو گئی اور فجر میں اتنا وقت رہ گیا ہے کہ صرف پانچ رکعتوں کو پڑھ سکتا ہے تو اس پر واجب ہوگا کہ پہلے وتر پڑھے، پھر فجر کی دو رکعت فرض پڑھے (فجر کی سنتیں اس صورت میں ترک کردے) پھر سورج طلوع ہونے کے بعد عشاء کی قضا کرے (اور بعد طلوع، فجر کی سنتیں پڑھ لے تو بہتر ہے واجب نہیں)(۳)

---

(۱)(مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ۴۴۱، الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۵۲۳) (۲) فالذی ینبغي اعتماده ما علیه أکثر المشایخ من أن المعتبر أصل الوقت عند علمائنا الثلاثة. (رد المحتار: ۲/۵۲۳)

(۳) وإن کانت المتروکة أکثر من واحدة والوقت یسع فیه بعضها مع الوقتیة لا تجوز الوقتیة ما لم یقضي ذالك البعض حتی لو تذکر في وقت الفجر أنه لم ←

فائدہ: جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ مسقطِ ترتیب نہیں، پس صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے پھر جمعہ مل جائے تو بہتر ہے ورنہ ظہر پڑھے۔ (۱)

دوم: قضا نماز کو بھول جانا، پس اگر قضا نماز یاد نہ رہے اور پہلے وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہوجائے گی، یعنی وہ وقتیہ نماز صحیح ہوجائے گی، اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں نماز میں یاد آجائے کہ قضا باقی ہے تو یہ وقتیہ نماز فاسد ہوجائے گی، پہلے قضا نماز پڑھنا ضروری ہے۔ (۲)

فائدہ: ظاہر الروایت میں جہل مسقطِ ترتیب نہیں، لیکن ایک روایت میں امام صاحبؒ سے بواسطۂ حسن بن زیادؒ اس کے خلاف بھی مروی ہے یعنی جہل مسقط ہے ۔ یعنی جس کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ قضا میں ترتیب ضروری ہے، اس پر ترتیب فرض نہیں ۔ اسی کو بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔ (۳)

سوم: قضا نمازوں کا پانچ سے زیادہ ہوجانا۔ اور یہ حکم مطلقاً ہے یعنی خواہ وہ سب قضا نمازیں نئی ہوں یا پرانی؛ متفرق ہوں یا متصل، پس جب قضا نمازیں پانچ سے

← يصل العشاء والوتر وبقي من الوقت مالا يسع فيه إلا خمس ركعات على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى يقضي الوتر ثم يصلي الفجر ثم يقضي العشاء بعد طلوع الشمس. (هنديه: ۱۲۲/۲، البحر الرائق: ۱۴۵/۲)

(۱) ولو أن مصلي الجمعة تذكر أن عليه الفجر فإن كان بحيث لو قطعها و اشتغل بالفجر تفوته الجمعة ولا يفوته الوقت فعند أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله يقطع الجمعة ويصلي الفجر ثم يصلي الظهر. (هنديه: ۱۲۲/۲)

(۲) (البحر الرائق: ۱۴۶/۲-۱۴۷، هنديه: ۱۲۲/۱، شامی: ۵۳۰/۲)

(۳) ولا يعتبر الجهل، وعبارة النقاية فرض الترتيب ولو جاهلا به اهـ قال شارحها العلامة القهستاني: عند أئمتنا الثلاثة - وعن الحسن عنه أنه إذا لم يعلم به لم يجب عليه، وبه أخذ الأكثرون كما في التمرتاشي (حاشية الطحطاوی: ۴۴۳)

زیادہ ہوجائیں تو ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔[۱]

فائدہ (۱): وتر اور عشا دونوں مل کر ایک نماز ہیں، کیوں کہ اگرچہ وتر کی قضا واجب ہے لیکن دونوں کا وقت ایک ہے، پس وتر کو مستقل علاحدہ نماز شمار نہیں کریں گے۔[۲]

فائدہ (۲): پھر جب قضا کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ جائیں تو کیا ترتیب لوٹ آئے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اصح قول کے بموجب ترتیب عود نہیں کرے گی، پس وہ اب بھی جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے، یہی معتمد اور مفتی بہ قول ہے۔[۳]

فائدہ (۳): آہستہ یا بلند آواز سے قرأت کرنے میں قضا نماز ادا کے مانند ہے، خواہ دن میں قضا کرے یا رات میں۔[۴] پس اگر قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو جہری نماز جہراً اور سری نماز سراً پڑھنا واجب ہوگا، خواہ رات میں ہو یا دن میں؛ اور اگر تنہا ادا کرے تو سری نماز سراً ہی پڑھے اور جہری نماز میں اختیار ہے جہراً پڑھے یا سراً مگر جہراً پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ ادا کا حکم ہے۔[۵]

---

(۱)(ھدایہ: ۱/ ۱۵۴)

(۲)غیر الوتر فانہ لایعد مسقطا فی کثرۃ الفوائت إلخ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی: ۴۴۳)

(۳)الترتیب إذا سقط بکثرۃ الفوائت ثم قضا بعض الفوائت وبقیت الفوائت أقل من ستۃ الأصح أنہ لایعود... قال الشیخ الإمام الزاھد أبوحفص الکبیر وعلیہ الفتوی (ھندیہ: ۲/ ۲۳، کتاب الفقہ علی المذاھب الأربعۃ: ۲/ ۴۴۷)

(۴)أن القضاء کالأداء إلخ (ردالمحتار: ۲/ ۲۵۲)

(۵)ومتی قضی الفوائت إن قضاھا بجماعۃ فإن کانت صلاۃ یجھر فیھا یجھر فیھا الإمام بالقرأۃ، وإن قضاھا وحدہ یتخیر بین الجھر والمخافتۃ والجھر أفضل کما فی الوقت، ویخافت فیما یخافت فیہ حتما وکذا الإمام. (ھندیہ: ۱/ ۱۲۱، ردالمحتار: ۲/ ۲۵۱، منحۃ الخالق: ۱/ ۵۲۶)

سجدۂ سہو کا بیان

محلِ ادا میں خاموش رہنے کی وہ مقدار جو موجب سجدہ ہے

اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے بعد؛ یا دورانِ قراءت بھولنے پر؛ یا قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد؛ تین مرتبہ سبحان ربی الأعلی کے بقدر کسی سوچ میں خاموش رہا، پھر سورت ملائی یا تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (۱)

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف کی وہ مقدار جہاں تک پڑھنا موجب سجدہ ہے

قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے اوپر اصح قول کے مطابق اللّٰھم صلّ علیٰ محمد تک پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، (۲) ـــــ لیکن نفل یا سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے اوپر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، بلکہ یہاں درود پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) مستقل نماز ہے۔ (۳)

ملحوظہ: خیال رہے کہ یہاں نفس درود کا پڑھنا موجب سجدہ نہیں (العیاذ باللہ، بھلا ایسی بات کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کرسکتا ہے؟!) بلکہ دراصل یہاں ترکِ واجب کی وجہ

---

(۱) واعلم أنه إذا شغله ذلك الشك فتفكر قدر أداء ركن ولم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح وجب عليه سجود السهو. (الدر المختار: ۲/ ۹۳) ما لزم منه تأخير الواجب أو الركن عن محله بأن قطع الاشتغال بالركن أو الواجب قدر أداء ركن وهو الأصح. (رد المحتار: ۲/ ۹۴)

(۲) واختلفوا في قدر الزيادة فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللهم صل على محمد وقال بعضهم: لا يجب عليه حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح. (هندية: ۱/ ۱۲۶؛ تبيين الحقائق: ۱/ ۱۹۳)

(۳) وقال ابن عابدين رحمه الله: "الصلاة سنة في الصلاة، أي في قعود أخير مطلقا، وكذا في قعود أول في النوافل غير الرواتب" اهـ. (رد المحتار: ۱/ ۵۱۸)

سے سجدۂ سہو واجب ہوا ہے اور وہ واجب ''تشہد کے بعد بلا فصل کے کھڑا ہونا'' ہے لیکن درود میں مشغول ہونے سے اس نے اس کو ترک کر دیا۔ (۱)

پہلی اور تیسری رکعت میں قعدہ کی وہ مقدار موجب سجدہ ہے

پہلی اور تیسری رکعت میں بقدر تشہد قاعدہ کر لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، بقدر تشہد اس لئے کہ یہاں جلسۂ خفیفہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۲)

خلاف اصل قراءت کی وہ مقدار جو موجب سجدہ ہے

جہر کی بجائے سراً یا سر کی بجائے جہراً قراءت کر لی تو یہ خلاف اصل ہے اس میں مقدار ماتجوز به الصلاۃ (۳۰ حروف) کا اعتبار ہے، یعنی اس قدر خلاف اصل پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر اس میں راجح قول کے مطابق جہاں تک پڑھ لیا ہے وہیں سے صحیح پڑھے یعنی جہر کی صورت میں مثلاً مالک یوم الدین تک آہستہ پڑھا، پھر یاد آیا تو إیاك نعبد سے جہراً پڑھے، شروع سے اعادہ نہ کرے کیونکہ اعادہ جابر نقصان نہیں، تاہم اگر اعادہ کر لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، مگر بہتر نہیں کیا۔ (۳)

---

(۱) أشار إلى أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - بل لترك الواجب وهو تعقيب التشهد للقيام بلا فاصل؛ حتى لو سكت يلزمه السهو كما قدمناه في فصل إذا أراد الشروع. (ردالمحتار: ۸۱/۲)

(۱) (ويكبر للنهوض) على صدور قدميه (بلا اعتماد وقعود) استراحة، ولو فعل لا بأس. (درمختار) أقول: ولا ينافي هذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود قبل ثانية ورابعة لأن ذاك محمول على القعود الطويل ولذا قيدت الجلسة هنا بالخفيفة تأمل. (ردالمحتار: ۵۰۶/۱) أطلقه فشمل ما إذا لم يقعد أصلا أو جلس جلسة خفيفة أقل من قدر التشهد (البحر الرائق: ۱۱۰/۲)

(۲) (مستفاد: احسن الفتاوی: ۸۳/۳-۸۴ باب القراءت والتجوید، بحواله ردالمحتار: ۴۹۷/۱)

قیام کے علاوہ میں قراءت کی وہ مقدار جو موجب سجدہ ہے

رکوع سجدہ یا قومہ وغیرہ قیام کے علاوہ میں بقدر ایک آیت قراءت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (۱)

البتہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھ لینے کے بعد قراءت کی تو سجدہ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ محل ثنا ودعا ہے، اور قراءت ان دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ (۲)

واجب الاعادہ نماز کا آخری وقت

جب سجدۂ سہو واجب ہو اور ادا کرنا بھول جائے تو جب تک اس نماز کا وقت باقی ہو پھر سے وہ نماز پڑھنا واجب ہے اور وقت ختم ہونے کے بعد سوائے استغفار کے چارہ نہیں، تاہم اب بھی پڑھ لے تو مستحب ہے۔ (۳)

سجدۂ سہو بھولنے پر اس کی تلافی کا آخری وقت

سجدۂ سہو بھول گیا ہو تو اس وقت تک ادا کرنا صحیح ہے: جب تک مسجد سے نہ نکلا ہو

---

(۱) ولو قرأ آية في الركوع أو السجود أو القومة فعليه السهو. (حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح: ۱/۲۶۱؛ البناية شرح الهداية: ۲/۱۱۱؛ تبيين الحقائق: ۱/۱۹۳)

(۲) ولو قرأ في القعود إن قرأ قبل التشهد في القعدتين فعليه السهو لترك واجب الابتداء بالتشهد أول الجلوس، وإن قرأ بعد التشهد، فإن كان في الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد ،وإن كان في الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له في الدعاء و الثناء بعده فيه و القراءة تشتمل عليهما. (حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح: ۱/۲۶۱)

(۳) الحاصل أن من ترك واجبا من واجباتها أو ارتكب مكروها تحريميا لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت، فإن خرج الوقت بلا إعادة أثم ولا يجب جبر النقصان بعد الوقت فلو فعل فهو أفضل. (البحر الرائق: ۲/۸۷، باب قضاء الفوائت)

اور نماز کے منافی کوئی قول وعمل نہ کیا ہو، گو سینہ قبلہ سے پھر گیا ہو — اور خارج مسجد میدان میں جماعت کے ساتھ ہو تو شرط ہے کہ: صفوں سے تجاوز نہ کیا ہو اور اکیلا ہو تو چاروں طرف بقدر موضعِ سجود نہ نکلا ہو — اور اگر ۳۳۴ میٹر ۸۹ سینٹی میٹر مربع رقبہ سے چھوٹے کمرے میں ہو تو: اس سے باہر نہ گیا ہو (۳۳۴ میٹر ۸۹ سینٹی میٹر یا اس سے بڑا کمرا اور صحن بحکم میدان ہے)(۱)

معذوراور مریض کا بیان

معذور شرعی کی حد

شرعاً "معذور" اس شخص کو کہتے ہیں جسے وضو توڑنے والا ایسا عذر لاحق ہو جس کا روکنا اس کے قابو سے باہر ہو اور وہ عذر کسی ایک نماز کے پورے وقت تک مسلسل قائم رہے، اتنا وقت نہ ملے کہ طہارت کے ساتھ فرض وواجب نماز ادا کر سکے، مثلاً نکسیر یا استحاضہ کا خون مسلسل جاری ہو کہ کسی طرح بند نہیں ہوتا یا ریح یا پیشاب ہر وقت خارج ہوتا رہے وغیرہ وغیرہ، اور اگر اتنا وقت مل جائے جس میں طہارت کے ساتھ نماز پڑھ سکے تو اسے شرعی معذور نہ کہیں گے۔ (۲)

عذر برقرار رہنے کی حد

ایک مرتبہ معذور ہونے کے بعد عذر برقرار رہنے کے لئے شرط یہ ہے کہ: ہر نماز کے وقت کم از کم ایک مرتبہ وہ عذر پایا جائے، اگر کوئی نماز کا وقت ویسے ہی گذرا کہ اس میں ایک مرتبہ بھی وہ عذر نہ پایا گیا تو معذوری کا حکم ختم ہو جائے گا۔ (۳)

فائدہ: معذور کا حکم یہ ہے کہ: وہ ہر نماز کے وقت وضو کرے اور وقت کے اندر اس وضو سے جو چاہے واجب، سنت اور قضا نمازیں پڑھے اس کا وضو نہیں ٹوٹے

(۱)(مستفاد: کبیری: ۴۰۱، ردالمحتار: ۲/ ۹۲؛ احسن الفتاوی ۴/ ۴۵)
(۲)(الدرالمختار: ۱/ ۳۰۵)(۳)(درر الحکام شرح غرر الأحکام: ۱/ ۴۴)

گا؛ البتہ اس عذر کے علاوہ کوئی دوسرا ناقض پیش آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح نماز کا وقت نکلنے سے بھی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا(۱)۔۔۔۔نماز میں معذور کی اقتدا کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ مقتدی کو بھی اسی جیسا عذر ہو تو اس کے لئے اس کی اقتدا درست ہے۔(۲)

تسلسل کے ساتھ کپڑا ناپاک ہونے پر معافی کا معیار

اگر کسی شخص کو ہر دو تین منٹ پر ناپاکی ہوتی رہتی ہو یعنی کپڑا دھو کر یا بدل کر نماز پڑھنے کا موقع ہی نہ ملے تو ایسے شخص کے لئے بغیر کپڑا دھوئے نماز درست ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو بیماری کی مشقت کی وجہ سے ناپاک کپڑے یا نیچے بچھی ہوئی چادر کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ اسی حال میں نماز پڑھے، اگرچہ کپڑا دھونے یا بدلنے کے لئے کتنا ہی وقت ملے۔(۳)

بے ہوشی کی وہ مقدار جو نماز کو معاف کرتی ہے

اگر ۲۴ر گھنٹے سے زیادہ یعنی چھ نماز کے وقت تک بے ہوشی رہی تو وہ سب نمازیں معاف ہیں ان کا فدیہ لازم نہیں(۴) پھر اگر مذکورہ مدت میں کبھی افاقہ میں آجاتا

---

(۱) (ملتقی الأبحر: ۱/۸۴)

(۲) اقتداء المعذور بالمعذور صحیح إن اتحد عذرهما. (ردالمحتار: ۱/۳۰۸)

(۳) وإن سال علی ثوبه فوق الدرهم جاز له أن لا يغسله إن كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها أي: الصلاة، وإلا يتنجس قبل فراغه فلا يجوز ترك غسله، هو المختار للفتوى، وكذا مريض لا يبسط ثوبه إلا تنجس فورا له تركه. (الدرالمختار: ۱/۳۰٦، كتاب الفقه على مذاهب الأربعة: ۱/۹۴)

(۴) (ومن جن أو أغمي عليه) ولو بفزع من سبع أو آدمي (يوما وليلة قضى الخمس وإن زاد وقت صلاة) سادسة (لا) للحرج. (ردالمحتار: ۲/۱۰۲)

ہوتو اگر اس کا وقت معلوم ہوتو اس افاقہ کا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں، مثلا ہر روز صبح تقریباً آٹھ بجے تھوڑی دیر کیلئے ہوش میں آتا ہوتو اس سے پہلے جو بے ہوشی کا وقت گزرا اس کا حکم باطل ہوجائے گا یعنی اس وقت کو شمار میں نہیں لائیں گے بشرطیکہ وہ ایک دن رات- یعنی چھ نماز کے وقت- سے کم ہو پس ان نمازوں کی قضا یا فدیہ لازم ہوگا، اور اگر افاقہ کا کوئی وقت معلوم نہ ہو کسی بھی وقت اچانک ہوش میں آکر صحت مند کی طرح باتیں کرتا ہو پھر بے ہوش ہوجاتا ہوتو اس افاقہ کا کوئی اعتبار نہیں اور مسلسل بے ہوش ہی شمار ہوگا۔ (۱)

سجدۂ تلاوت کا بیان

سجدوں کی تعداد اور اس کے متعلقات

ہمارے یہاں تلاوت کے ۱۴ رسجدے ہیں، ان میں سے چار سجدے قرآن مجید کے نصف اول میں ہیں، اور دس نصف ثانی میں ہیں، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک بھی چودہ ہی ہیں لیکن ان کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں ہے، اور سورۂ حج میں دو سجدے ہیں (جبکہ ہمارے یہاں سورۂ حج کا صرف پہلا سجدہ ہے دوسرا سجدہ نہیں ہے وہاں سجدہ سے مراد نماز کا سجدہ ہے) اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گیارہ سجدے ہیں، مفصلات یعنی سورۂ نجم، سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کے سجدوں کے وہ قائل نہیں۔ (۲)

---

(۱) ولو أفاق في المدة، فإن لإفاقته وقت معلوم قضى وإلا لا (الدر المختار) مثل أن يخف عنه المرض عند الصبح مثلا فيفيق قليلا، ثم يعاوده فيغمى عليه تعتبر هذه الإفاقة فيبطل ما قبلها من حكم الإغماء إذا كان أقل من يوم وليلة وإن لم يكن لإفاقته وقت معلوم لكنه يفيق بغتة فيتكلم بكلام الأصحاء ثم يغمى عليه فلا عبرة بهذه الإفاقة. (ردالمحتار: ۲/۱۰۲)

(۲) (قوله خلافا للشافعي وأحمد) حيث اعتبرا كلا من سجدتي الحج ←

اگر حنفی شخص شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھے اور امام نے سورۂ حج کے دوسرے سجدے پر سجدہ کیا جہاں احناف کے یہاں سجدہ نہیں ہے تو امام کی متابعت میں حنفی بھی سجدہ کرلے، لیکن اگر خارج نماز شافعی سے اس آیت کو سنے تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہے، اور اگر مالکی امام کے پیچھے نماز پڑھے اور اس نے سجدہ اس مقام پر نہیں کیا جہاں احناف کے یہاں سجدہ ہے اور ان کے وہاں نہیں ہے تو حنفی مقتدی بھی سجدہ نہ کرے، کیونکہ اقتدا کی حالت میں وجوب سجدہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ: امام سجدہ کرے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حنفی امام بھی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر بھی سجدہ نہیں ہے، خواہ اس نے سنا ہو یا نہ سنا ہو؛ پس اس باب میں بہر صورت امام کی متابعت ہی اصل ہے۔ (1)

احناف کے نزدیک آیات سجدہ یہ ہیں:

۱- سورۂ اعراف، پارہ:۹، آیت:۲۰۶

← ولم يعتبرا سجدة ص كما في غرر الأفكار. (قوله ونفى مالك سجود المفصل) أي من الحجرات إلى الآخر وفيه سورة النجم والانشقاق والعلق فيكون السجود عنده في إحدى عشرة. (ردالمحتار: ۱۰۴/۲)

(۱) (قوله للمتابعة) في البحر عن التجنيس التالي والسامع ينظر كل منهما إلى اعتقاد نفسه فثانية الحج ليست سجدة عندنا خلافا للشافعي لأن السامع ليس بتابع للتالي تحقيقا حتى يلزمه العمل برأيه لأنه لا شركة بينهما. اهـ. وظاهره أنه يتبعه فيها لو كان في الصلاة لكونه تابعا تحقيقا أفاده ط وقد تقدم في واجبات الصلاة أنه تجب المتابعة في المجتهد فيه لا في المقطوع بنسخه أو بعدم سنيته كزيادة تكبيرة خامسة في الجنازة وكقنوت الفجر، وتقدم الكلام على ذلك هناك والظاهر أن هذه السجدة من المجتهد فيه أي مما للاجتهاد فيه مساغ تأمل. (قوله أو بشرط الائتمام) أي إن سجدها الإمام وإلا فلا تلزمه، وإن سمعها منه شرح المنية. (ردالمحتار: ۱۰۵/۲)

۲- سورۂ رعد، پارہ: ۱۳ آیت: ۱۵

۳- سورۂ نحل، پارہ: ۱۴ آیت: ۵۰

۴- سورۂ بنی اسرائیل، پارہ: ۱۵، آیت: ۱۰۹

۵- سورۂ مریم، پارہ: ۱۶، آیت: ۵۸

۶- سورۂ حج، پارہ: ۱۷، آیت: ۱۸

۷- سورۂ فرقان، پارہ: ۱۹، آیت: ۶۰

۸- سورۂ نمل، پارہ: ۱۹، آیت: ۲۶

۹- سورۂ الم سجدہ، پارہ: ۲۱، آیت: ۱۵

۱۰- سورۂ ص، پارہ: ۲۳، آیت: ۲۵ (اس میں آیت: ۲۴ راکعاً و اناب کے بجائے آیت: ۲۵ و حسن مآب پر سجدہ اولیٰ ہے (طحطاوی ۱/ ۴۸۳)

۱۱- سورۂ حم سجدہ، پارہ: ۲۴، آیت: ۳۸

۱۲- سورۂ نجم، پارہ: ۲۷، آیت: ۶۲

۱۳- سورۂ انشقاق (اذا السماء انشقت) پارہ: ۳۰، آیت: ۲۱

۱۴- سورۂ علق (اقراء باسم ربك)، پارہ: ۳۰ آیت: ۱۹

سفر شرعی کا بیان

سفر شرعی کی تحدید اور قول محقق

سفر شرعی کی حد ۴۸ رمیل انگریزی ہیں، اس سفر کی وجہ سے مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز کا قصر، روزے میں رخصت، اور قربانی کا عدم وجوب وغیرہ احکام مرتب ہوتے ہیں۔ ۴۸ رمیل انگریزی موجودہ میٹروں کے حساب سے ۷۷ رکلو میٹر ۲۴۸ رمیٹر ۱۵ رسینٹی میٹر ۲ رملی میٹر کا ہوتا ہے (یعنی تقریباً سوا ستتر کلو میٹر)

ملحوظہ: ہمارے یہاں مسافت سفر میں اصل معیار متوسط رفتار سے پیدل تین

دن کی مسافت ہے، اس میں فجر سے زوال تک چلنا مراد ہے، اور تسلسل بھی لازم نہیں، بلکہ عام ضرورت کا پڑاؤ بھی سفر میں شامل ہے (شامی میں مذکور ایک اندازے کے مطابق اس کے کل ۱۸/ گھنٹے بنتے ہیں) یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے، اور جن مشائخ نے فرسخوں اور میلوں سے مسافت سفر کی تعیین کی ہے، وہ ان کے اپنے زمانے اور علاقے کے لحاظ سے تجربہ کی بنیاد پر ہے، ہمارے اکابر نے اس کی جو تعیین اڑتالیس میل انگریزی سے کی ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے یعنی ان کے خیال میں اب تین دن میں اسی قدر مسافت طے ہوسکتی ہے۔

ابتداء میں صاحب احسن الفتاویٰ حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کو ہمارے اکابر کے فتوی میں "میل انگریزی" پر اشکال تھا، ان کے خیال میں یہ میل شرعی ہونا چاہئے تھا؛ کیونکہ میل انگریزی کا تذکرہ متقدمین کی کسی بھی کتاب میں مذکور نہیں، اور میل شرعی کے لحاظ سے مسافت سفر ۸۷/ کلومیٹر، ۷۸۲ میٹر، ۴۰۰ ملی میٹر بنتی ہے؛ مگر بعد میں حقیقت حال واضح ہونے پر حضرت نے اپنے اس قول سے اکابر کے فتوے کی طرف رجوع کرلیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس فتوے میں اگرچہ عدم تحدید کی طرف اشارہ ہے، مگر چونکہ آپ رئیس الاکابر ہیں؛ اس لئے اس سے یہی سمجھا کہ اس کے بعد کے اکابر نے جو تحدید فرمائی ہے، وہ اسی کے مطابق شرعی میل سے ہوگی؛ اسی لئے بندہ نے مراد اکابر سمجھنے کے لئے زیادہ تتبع وجستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے بعد دوسرے اکابر کی مرادات سامنے آنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کے قوی اور راستوں کے حالات پیش نظر رکھتے ہوئے مقدار تحدید سے متعلق اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر اڑتالیس میل انگریزی سے تحدید فرمائی ہے۔ بہر حال بندہ نے اپنے اشتباہ کی بنا لکھدی ہے؛ اس کی وجہ خواہ قصور عبارت کتاب (جواہر الفقہ) ہو یا قصور فہم بندہ؛ لہٰذا کسی کو اشتباہ کی تقریر مذکور کے کسی جز میں

کلام ہو، تو پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ بندے نے اپنی تحریر شائع کرنے سے قبل دو ماہرین فن اور مشہور مفتیان کرام: مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ثم المدنی اور مفتی عبد الستار صاحب رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان سے اس بارے میں استشارہ کیا تھا، ان دونوں حضرات کی بھی مذکورہ دو بنیادی باتوں کی طرف توجہ نہیں گئی؛ بلکہ کلام اکابر میں میل سے "میل شرعی" مراد ہونے پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتوی سے استدلال مفتی عبدالستار صاحب ہی نے پیش فرمایا تھا۔ بہر کیف! اب اکابر کی مراد اور ان کے فتوی کی بنا واضح ہوگئی، تو میں اپنی تحریر سابق سے رجوع کرتا ہوں؛ جب تک اہل تفقہ علماء حالات زمانہ پر از سر نو اجتماعی طور پر غور وفکر کر کے کوئی نیا فیصلہ نہیں کرتے، اس وقت تک مسافت سفر حسب ذیل رہے گی:

مسافت سفر: ۴۸ر میل انگریزی یا = ۷۷.۲۴۸۵ر کلومیٹر (تقریباً سوا ستتر کلومیٹر)(۱)

مسافتِ سفر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک

چاہے ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس بات میں اتفاق ہے کہ مسافت سفر ۴ر برید ہے جس میں ہر برید ۴ر فرسخ اور ہر فرسخ ۳ر میل شرعی کا ہوتا ہے، اس طرح مجموعہ ۴۸ر میل شرعی ہوتا ہے، لیکن میل شرعی کی مقدار میں آکر اختلاف ہوگیا ہے لہذا مسافت مختلف ہوگئی، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک میل شرعی ۶ر ہزار ذراع کا ہوتا ہے جس کے ۲ر کلومیٹر ۷۴ر میٹر، ۲۰۰ر میلی میٹر بنتے ہیں، اس کو ۴۸ر سے ضرب دیں تو مجموعہ: ۱۳۱ر کلومیٹر ۶۷۳ر میٹر ۶۰۰ر ملی میٹر بنتا ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک میل شرعی ساڑھے ۳ر ہزار ذراع کا ہوتا ہے جس میں ذراع ۳۶ر انگل کا ہوتا ہے، جس کے ۶۸۵ر ملی میٹر، ۸۰۰ر میکرو میٹر بنتے ہیں،

(۱) (دیکھئے: احسن الفتاویٰ: ۴ر ۱۰۴-۱۰۵، م: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس کو ساڑھے تین ہزار سے ضرب دیں تو مجموعہ: ۲ رکلومیٹر، ۴۰۰ رمیٹر، ۳۰۰ رملی میٹر ہوتا ہے، مالکیہ کے نزدیک یہی میل شرعی کی مقدار ہے، اب اس کو ۴۸ رسے ضرب دیں تو مجموعہ: ۱۱۵ رکلومیٹر، ۲۱۴ رمیٹر، ۴۰۰ رملی میٹر ہوتا ہے، یہی سفر شرعی کی مقدار ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اوپر بیان سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں مسافت سفر احناف کی بنسبت زیادہ ہے، جبکہ بعض لوگ مساوی سمجھتے ہیں، اور بعض تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافت سفر کو کم سمجھتے ہیں، اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ: ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں چار برید کو دو دن کا سفر بتلایا گیا ہے، اور حنفیہ کے یہاں تین دن کا سفر سفر شرعی ہوتا ہے، ظاہر ہے پہلی نگاہ میں آدمی یہی سمجھے گا کہ حنفیہ کے یہاں مسافت سفر زیادہ ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو دن کے سفر میں ہر دن بارہ گھنٹے چلنا ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک تین دن میں ہر دن فقط صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے، پس اسی بنا پر حکم ظاہر کے برعکس ہوگیا۔ (۱)

بحری سفر میں مسافت سفر کی حد

بحری سفر میں بری سفر کی طرح صرف ۴۸ رمیل کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ اس میں چونکہ جہاز بلا قیام چوبیس گھنٹے چلتا رہتا ہے، اور اسی حالت میں خورد ونوش اور آرام وغیرہ کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، اس لئے اس میں ۷۲ رگھنٹے کی مسافت کو مسافت سفر قرار دیا جائے گا، جس کے ۳۹۶ ربحری میل بنتے ہیں، چنانچہ صاحب احسن الفتاویٰ فرماتے ہیں:

---

(۱) (مستفاد: مفتاح الأوزان: ۹۰، اس سلسلہ میں مزید تحقیق وتفصیل کے لئے یہ کتاب ملاحظہ فرمائیں)

’’بحری سفر کو بھی بری سفر پر قیاس کر کے ۴۸ میل قرار دینا صحیح نہیں، مذہب میں اصل اعتبار میلوں کے بجائے تین روز کی مسافت ہے، بری سفر میں اس کا تخمینہ ۴۸ میل کیا گیا ہے، مگر یہ فاصلہ بحری سفر پر جاری نہیں ہوسکتا، بحری جہاز کے کپتان سے تحقیق ہوئی کہ عام معمولی کشتی معتدل ہوا میں پانچ چھ میل بحری فی گھنٹہ طے کرتی ہے، ماہرین فن ملاحوں اور پاک بحریہ کے افسروں سے بھی اس کی تصدیق ہوئی؛ مجموعہ پانچ شہادتوں سے ثابت ہوا کہ معتدل ہوا میں معمولی کشتی کی اوسط رفتار ساڑھے پانچ میل بحری فی گھنٹہ ہے؛ لہٰذا بحری سفر میں مسافت قصر کا حساب یوں ہوگا: تین دن=۷۲ گھنٹے، ضرب ساڑھے پانچ=۳۹۶ بحری میل‘‘۔ (۱)

ہوائی سفر میں مسافتِ سفر کی حد

ہوائی جہاز بحری یا بری جس راستہ کے محاذات سے پرواز کرے گا اسی کا اعتبار ہوگا، پس سمندر کے اوپر سے پرواز کرے تو بحری ۳۹۶ میل مسافت سفر ہوگی، اور خشکی کے اوپر سے پرواز کرے تو ۴۸ میل مسافت سفر ہوگی، یہاں اس کو نہ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز تین دن میں کتنی مسافت طے کرتا ہے؛ اس لئے کہ قصر کا اصل مدار اس پر ہے کہ خشکی یا دریا میں معتدل رفتار سے تین دن کا سفر ہوجائے، اگر اتنی مسافت تیز رفتار سواری کے ذریعہ سے جلدی طے کرلی جائے، تو بھی سفر شرعی ہوگا اور قصر واجب ہوگا۔ (۲)

فائدہ: حجاج کے لئے منیٰ وعرفات میں قصر لازم ہے یا اتمام؟

حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع ہوجاتا ہے اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا یا مقیم؟ تو اس سلسلہ میں -اب جبکہ آبادی بالکل متصل ہوگئی ہے- علماء کے درمیان یہ ایک زبرد

(۱)(احسن الفتاوی: ۸۶/۴) (۲)(مستفاد: أحسن الفتاوی: ۸۲/۴)

ست اور معرکۃ الآراء مسئلہ بن چکا ہے، بعض حضرات اس کو مسافر خیال کرتے ہیں اور بعض مقیم مانتے ہیں، فریق اول کی دلیل منی عرفات وغیرہ مشاعر حج میں سے ہیں اس لئے ان کا حکم مستقل ہوگا اور اتصال آبادی کے باوجود وہ الگ مقام شمار ہوں گے لہٰذا وہاں کا ارادہ رکھنے والا چونکہ پندرہ دن سے قبل ایک الگ مقام کی جانب سفر کر رہا ہے اس لئے وہ مسافر ہی رہے گا اور قصر کرے گا، جبکہ دوسرا فریق ان مقامات کو مستقل اور علاحدہ تسلیم نہیں کرتا ہے، پس ان کے نزدیک مذکورہ شخص نے اگرچہ وہاں کا ارادہ کیا ہے مگر چونکہ وہ جگہ اب مکہ کی حدود میں آچکی ہے اس لئے پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک ہی جگہ سے متعلق ہوگئی اور وہ مقیم ہوگیا اس لئے اس پر اتمام لازم ہے۔

یہاں دونوں جانب اکابر علماء ہیں کسی ایک کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں اور بعد نظر وفکر کے فتویٰ دیا جا سکتا ہے، احقر کی رائے میں فریق اول کی بات قرین قیاس ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فدیہ کا بیان

نماز روزے کا فدیہ اور اس کی مقدار

جو شخص اتنا بوڑھا یا بیمار ہو کہ فی الحال نماز یا روزے پر قادر نہیں ہے اور نہ یہ توقع ہے کہ وہ آئندہ کبھی قادر ہوگا: اس کے لئے اگر نماز پر قدرت نہ ہو تو نماز کا، اور روزے پر قدرت نہ ہو تو روزے کا: فدیہ دینا لازم ہے، پس تندرست آدمی کو یا اس شخص کو جس کو یہ امید ہے کہ آئندہ وہ قادر ہو جائے گا اس کے لئے فدیہ دینا درست نہیں، بلکہ نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا لازم ہوگا؛ پھر اگر فدیہ کے بعد قدرت ہو جائے تو وہ دیا ہوا فدیہ معتبر نہ ہوگا، اب قضا لازم ہوگی، کیوں کہ اس میں مرتے دم تک عاجز ہونا شرط ہے۔

اگر اس نے زندگی میں فدیہ ادا نہیں کیا تو اس پر وصیت کرنا لازم ہے، اور یہ اس کے تہائی مال میں سے ادا کیا جائے گا، لیکن اگر اس نے وصیت نہیں کی یا تہائی مال ناکافی

ہے تو ورثا پر لازم نہیں، کیونکہ اب وہ ان کا مال ہوگیا ہے، تاہم اگر ورثاء تبرع کریں یعنی اپنے مال میں سے ادا کریں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ (۱)

ایک روزے کا فدیہ وہی ہے جو ایک نماز کا ہے یعنی کسی بالغ مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے اور اگر غلے سے دینا چاہے تو صدقۃ الفطر کی مقدار یعنی نصف صاع گیہوں ادا کرے۔ (۲) جو گرام میں ڈیڑھ کلو چوہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام، یعنی احتیاطاً ایک کلو چھ سو گرام بنتے ہیں (۳) پس یہ ایک نماز یا ایک روزے کا فدیہ ہوا، وتر کے ساتھ ایک دن کی کل چھ نمازیں ہوتی ہیں، ان کا مجموعی فدیہ ۹رکلو ۶۰۰رگرام گیہوں ہوں گے، اور اگر کشمش اور چھوہارے سے فدیہ ادا کیا جائے تو گیہوں کی مذکورہ مقدار سے دوگنا (ڈبل) مقدار لازم ہوگی (صاحب استطاعت کو فدیہ، صدقۃ الفطر اور کفارہ میں یہی چیز یعنی کشمش یا چھوہارہ ادا کرنا چاہئے کہ وہ مقدار میں زیادہ اور قیمتی ہے، تاہم یہ لازم نہیں، بلکہ بہتر ہے، گیہوں سے بھی بلا کراہت ذمہ بری ہوجاتا ہے)

فدیہ میں گیہوں بھی دے سکتا ہے اور ان کی قیمت بھی بلکہ قیمت بہتر ہے کیونکہ

---

(۱) (قوله وعليه صلوات فائتة إلخ) أي بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها وإلا فلا يلزمه وإن قلت. (ردالمحتار: ۲/۷۲) ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه حتى يجب عليه الصوم هكذا في النهاية. (هندية: ۱/۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس) وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوباً... كالفطرة ...ومتى قدر قضى لأن استمرار العجز شرط الخلفية (الدر المختار: ۳/۴۱۰، م: زكريا ديوبند)

(۲) يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر، والصوم. (الدرالمختار: ۲/۷۳)

(۳) (الأوزان المحمودة ۱۰۵)

اس سے فقیر کی حاجت جلد پوری ہوتی ہے،(۱) اسی طرح یہ تمام فدیہ ایک کو بھی دے سکتا ہے اور کئی کو بھی بلکہ ایک نماز کا فدیہ کئی مسکینوں میں تقسیم کرنا بھی درست ہے (۲)

البتہ روزے اور ظہار کے کفارہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیر کو مجموعہ ۳۰ صاع دینا درست نہیں، نصف صاع ہی ادا ہوگا۔ پس ساٹھ فقراء کو نصف، نصف صاع دینا ضروری ہے، اگر ایک ہی فقیر کو دینا ہو تو ساٹھ دن تک ہر روز نصف صاع دیتا رہے۔(۳)

فوائد:

(۱) رمضان سے پہلے فدیہ دینا درست نہیں، البتہ رمضان شروع ہونے کے بعد آئندہ ایام کا فدیہ ایک ساتھ بھی دے سکتے ہیں (۴)

(۲) فدیہ کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا مصرف ہے۔(۵)

---

(۱) (قوله نصف صاع من بر) أي أو من دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير (ردالمحتار: ۲/۷۳)

(۲) فلو أعطى هنا مسكينا صاعا عن يومين جاز... وعن أبي يوسف لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمساكين يجوز قال الحسن وبه نأخذ اهـ ومثله في القهستاني. (ردالمحتار: ۲/۴۲۷، كتاب الصوم، فصل فی العوارض؛ امداد الفتاوی: ۲/۱۸۱، كتاب الصوم)

(۳) ولو أطعم فقيرا واحدا ستين يوما أجزأه وإن أعطاه طعام الشهرين في يوم لا يجزیء إلا عن يوم واحد. (ملتقی الأبحر: ۱/۱۲۵)

(۴) (ولو فی أول الشهر) أی يخير بين دفعها فی أوله أو آخره كما فی البحر (شامی: ۳/۴۱۰، البحر: ۲/۵۰۲، هنديه: ۱/۲۰۷)

(۵) وقد بينا أن مصرف الكفارة من هو مصرف الزكاة. (المبسوط للسرخسی: ۸/۱۵۵، باب الصيام) قال في الخانية كل من لا يجوز صرف الزكاة إليه لا يجوز صرف الكفارة إليه فلا يعطيها لأبيه، وإن علا ولا لولده، وإن سفل. ←

کتنے وقت کی بے ہوشی پر نمازیں معاف ہیں؟ اور فدیہ لازم نہیں

اگر کسی پر ۲۴ رگھنٹے سے زیادہ یعنی ۶ رنماز کے وقت تک بے ہوشی رہی تو اس پر وہ نمازیں معاف ہیں ان کا فدیہ لازم نہیں۔ (۱)

کتاب الجنائز

مرد کے کفن سنت کی مقدار اور طریقہ

مرد کے لئے سنت کفن تین کپڑے ہیں:

۱-کرتا، جس کو کفنی کہتے ہیں، یہ گلے سے لے کر پاؤں تک ہو اور آگے پیچھے برابر ہو، اس کو مرد کے لئے مونڈھے پر سے چیر دیں اور عورت کے لئے سینہ کی طرف سے تا کہ اس کو گلے میں پہنایا جاسکے، اس کفنی میں نہ آستینیں ہوں نہ کلیاں ہوں، نہ چاک ہوں اور نہ وہ سلی ہوئی ہو، کیونکہ زندہ آدمی یہ چیزیں اس لئے کرتا ہے کہ چلنے میں وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔

۲-لفافہ، یعنی لپیٹنے کی چادر، اس کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں، یعنی میت کے قد سے تقریباً دو بالشت لمبی ہو۔

۳-تہبند، جس کو عربی میں "ازار" کہتے ہیں، اس کو بعض نے کاندھے سے قدم تک بیان کیا ہے، اور اکثر نے اس کو بھی لفافہ کے برابر لکھا ہے، اور یہی معمول ہے، →

(البحر الرائق: ۳۱۵/۴، کتاب الأیمان)

(۱) ومن جن أو أغمي عليه) ولو بفزع من سبع أو آدمي (يوما وليلة قضى الخمس وإن زاد وقت صلاة) سادسة (لا) للحرج. ولو أفاق في المدة، فإن لإفاقته وقت معلوم قضى وإلا لا. (الدر المختار: ۱۰۲/۲، باب صلاة المريض)

البتہ یہ لفافہ سے اتنا چھوٹا ہو جتنا وہ بندش کے لئے زیادہ تھا۔(۱)

مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ: پہلے کفن کو لوبان وغیرہ سے طاق عدد میں دھونی دیں، پھر کفن میں سے پہلے لفافہ یعنی چادر کو بچھائیں، اس کے بعد ازار بچھائیں پھر اس کے اوپر کرتا اس طرح بچھائیں کہ کرتے کے اوپر کا حصہ لپیٹ کر سرہانے کی طرف جمع کر دیں؛ پھر میت کو اس پر لٹا کر پہلے کرتے کا گریبان سر میں ڈال کر کرتا پہنا دیں، پھر اس کے تمام بدن اور کفن کو خشبو لگا دیں، اور اس کے مواضع سجود یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں پر کافور لگائیں، یہ ان اعضاء کی تعظیم کی وجہ سے ہے، پھر ازار لپیٹ دیں اس طرح کہ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف کا حصہ لپیٹیں تا کہ داہنا حصہ اوپر رہے، اس کے بعد چادر بھی اسی طرح لپیٹ دیں، پھر کپڑے کے ٹکڑے (دھجی) سے سر اور پاؤں کی طرف کفن کو باندھ دیں اور کمر کے پاس سے بھی باندھ دیں تا کہ راستہ میں کہیں کھل نہ جائے، پھر ایک زائد چادر اس پر ڈال دی جائیں جو جزوِ کفن نہ ہوگی، اور قبر میں رکھنے کے بعد بند کھول دئے جائیں گے کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔(۲)

عورت کے کفن سنت کی مقدار اور طریقہ

عورت کے لئے کفن سنت پانچ کپڑے ہیں:

۱-کرتا--- ۲-لفافہ--- ۳-تہبند۔ ان تینوں میں وہی ہیئت ومقدار ہے، جس کو مرد کے کفن میں ابھی بیان کیا گیا۔

---

(۱)(قوله إزار إلخ) هو من القرن إلى القدم، والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلا دخريص وكمين، واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت وتربط من الأعلى والأسفل إمداد. والدخريص: الشق الذي يفعل في قميص الحي ليتسع للمشي. (ردالمحتار: ۲/۲۰۲)

(۲)(مستفاد: ردالمحتار: ۲/۲۰۴؛ البحرالرائق: ۲/۳۰۹)

۴-اوڑھنی (سربند) اس میں چوڑائی حسب ضرورت اور لمبائی تین ہاتھ (چھ بالشت) ہو۔ (۱)

۵-سینہ بند، جو چھاتیوں (زیر بغل) سے لے کر زانوں یعنی گھٹنوں تک چوڑا ہو، اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے، سینہ بند اگر چھاتیوں سے لے کر ناف تک ہو تب بھی درست ہے، لیکن گھٹنوں تک ہونا زیادہ بہتر و اولیٰ ہے۔ (۲)

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ: پہلے کفن کو لوبان وغیرہ سے طاق عدد میں دھونی دیں، پھر کفن میں سب سے پہلے چادر بچھائیں، اس کے بعد سینہ بند، پھر ازار، پھر کرتا بچھائیں؛ پھر میت کو اس پر لٹا کر پہلے کرتا پہنا دیں، پھر کفن و بدن کو اس طریقہ پر خشبو لگائیں جو مرد کے لئے بیان ہوا (سوائے ڈاڑھی کے) اس کے بعد سر کے بالوں کے دو حصے کر کے ان کو کرتے کے اوپر سینہ پر ڈال دیں: ایک حصہ دائیں طرف اور ایک حصہ بائیں طرف، اس کے بعد اوڑھنی کو سر اور بالوں پر ڈال دیں اس طرح کہ: بس بال ڈھک جائیں اوڑھنی کو نہ باندھیں اور نہ لپیٹیں، پھر ازار لپیٹ دیں: پہلے داہنا حصہ پھر بایاں حصہ، اس کے بعد چادر بھی اسی طرح لپیٹ دیں، پھر دھجی سے سر اور پاؤں کی طرف کفن کو باندھ دیں اور کمر کے پاس سے بھی باندھ دیں تا کہ راستہ میں کھل نہ جائے، البتہ قبر میں رکھنے کے بعد یہ بند کھول دیں کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی ــــ سینہ بند کو سب کے آخر میں سب کفنوں کے اوپر باندھا جائے تو بھی بلا کراہت درست ہے، البتہ اول صورت یعنی ازار کے بعد اور چادر سے پہلے ظاہر

(۱) (قوله وخمار) بكسر الخاء ما تغطي به المرأة رأسها قال الشيخ إسماعيل ومقداره حالة الموت ثلاثة أذرع بذراع الكرباس يرسل على وجهها، ولا يلف كذا في الإيضاح والعتابي. اهـ. (ردالمحتار: ۲۰۳/۲)

(۲) (قوله وخرقة) والأولى أن تكون من الثديين إلى الفخذين نهر عن الخانية. (ردالمحتار: ۲۰۳/۲)

الروایت ہے۔[1]

کفن کفایت اور کفن ضرورت کی مقدار

کفن کفایت: مرد کے لئے دو کپڑے ہیں: ازار اور لفافہ؛ اور عورت کے لے تین ہیں: ازار، لفافہ اور اوڑھنی؛ یا کرتا، لفافہ اور اوڑھنی۔ اختیاری حالت میں اس قدر کفن بلا کراہت کافی ہے، اس سے کم کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے۔[2]

اور کفن ضرورت: دونوں کے لئے ایک ایسا کپڑا ہے جس میں ساری میت چھپ جائے، یا پھر جس قدر بھی یا جو چیز بھی میسر ہو اسی میں کفن دیا جائے۔[3]

نابالغ کے کفن کی مقدار

نابالغ اگر بلوغ کے قریب ہو تو اس کا حکم مثل بالغ کے ہے، یعنی لڑکا مثل مرد کے، اور لڑکی مثل عورت کے ہے، اور اگر اس سے بھی کم ہو یعنی ابھی حد شہوت سے بہت دور ہو تو اس کا کفن ایک کپڑا ہونا بھی جائز ہے، اور دو کپڑے دئے جائیں تو اچھا ہے، اور لڑکی کے لئے دو کپڑے ادنی درجہ ہے؛ تاہم احسن یہ ہے کہ: لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کو پورا کفن دیا جائے، گو کتنا ہی چھوٹا ہو، البتہ جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو، یا ناتمام پیدا ہو یعنی جس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو اور حمل گر جائے اس کو کفن مسنون نہ دیا جائے، بلکہ معمولی طور پر نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بغیر نماز کے دفن

(۱)(مستفاد: ردالمحتار: ۲/ ۲۰۴؛ البحر: ۲/ ۳۰۹؛ بدائع: ۲/ ۴۰)

(۲)و کفایة له إزار ولفافة في الأصح ؛ولها ثوبان وخمار، ویکره أقل من ذلك (الدر المختار)(قوله: ولها ثوبان) لم یعینهما کالهدایة وفسرهما في الفتح بالقمیص واللفافة وعینهما في الكنز بالإزار واللفافة.(ردالمحتار: ۲/ ۲۰۳)

(۳)(وکفن الضرورة لهما ما یوجد) وأقله ما یعم البدن. (الدر المختار: ۲/ ۲۰۴)

کردیا جائے۔(۱)

خنثی کے کفن کی مقدار

خنثی میں مرد کی علامات ہوں تو مرد کے حکم میں ہے، اور عورت کی علامات ہوں تو عورت کے حکم میں ہے، اور جس میں دونوں علامتیں ہوں اور جنس کی تمیز کرنا مشکل ہو اس کو خنثی مشکل کہتے ہیں، اس کو احتیاطاً وہی کفن دیا جائے جو عورت کو دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں مرد عورت دونوں کا احتمال ہے اور مرد ہونے کے احتمال کی صورت میں کفن میں زیادتی مضر نہیں، لیکن اس کو ریشم اور زعفرانی یا کسم کے رنگے ہوئے کپڑے سے اجتناب کریں کیونکہ یہ کفن مردوں کے لئے ناجائز ہے، اور خاص طور پر عورتوں کے لئے جائز ہے اور خنثی میں مرد ہونے کا بھی احتمال ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے۔(۲)

---

(۱) والمراهق كالبالغ ومن لم يراهق إن كفن في واحد جاز والسقط يلف ولا يكفن كالعضو من الميت. (الدر المختار)

(قوله ومن لم يراهق إلخ) وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد والصبية ثوبان. وقال في البدائع: وإن كان صبيا لم يراهق فإن كفن في خرقتين إزار ورداء فحسن، وإن كفن في إزار واحد جاز وأما الصغيرة فلا بأس أن تكفن في ثوبين. اهـ. أقول: في قوله فحسن إشارة إلى أنه لو كفن بكفن البالغ يكون أحسن لما في الحلية عن الخانية والخلاصة الطفل الذي لم يبلغ حد الشهوة الأحسن أن يكفن فيما يكفن فيه البالغ وإن كفن في ثوب واحد جاز اهـ وفيه إشارة إلى أن المراد بمن لم يراهق من لم يبلغ حد الشهوة. (ردالمحتار: ۲/۲۰۴)

(۲) (قوله وخنثى مشكل كامرأة فيه) أي فيكفن في خمسة أثواب احتياطا لأنه على احتمال كونه ذكرا فالزيادة لا تضر قال في النهر إلا أنه يجنب الحرير والمعصفر والمزعفر احتياطا. (ردالمحتار: ۲/۲۰۴)

محرم کا کفن

محرم یعنی جو حالت احرام میں انتقال کر جائے، وہ کفن کے معاملہ میں مثل حلال شخص کے ہے، پس اس کے کفن کی وہی مقدار ہوگی جو حلال کی ہے اور پہنانے کا وہی طریقہ ہوگا جو حلال کے لئے ہے، پس اس کا سر ڈھانکا جائے گا، اور کفن میں خوشبو بھی لگائی جائے گی، اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔(۱)

شہید کا کفن

شہید کامل کے لئے نہ غسل ہے اور نہ کفن بلکہ اس نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہو انہیں کپڑوں میں خون سمیت دفن کردیں، البتہ شہید کے کفن پر خون شہادت کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہو تو اس کو دھوڈالیں، اور کپڑے عدد مسنون سے کم ہو تو اس کو پورا کرنے کے لئے اور کپڑے بڑھادیں، اور زیادہ ہو تو زائد کو اتار کر عدد مسنون کے مطابق کردیں، اور جو چیزیں جنس کفن سے نہیں ہیں وہ اس کے بدن سے اتاردیں، جیسے ہتھیار، زرہ، ٹوپی، جوتا، موزہ وغیرہ۔ شہید کے سب کپڑے اتار کر نئے کپڑے دینا مکروہ ہے، اور غسل وکفن کے علاوہ باقی احکام میں شہید کا حکم وہی ہے جو عام موتی کا ہے پس اس کے بدن وکپڑے کو خشبو لگائی جائے گی، اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور عام موتی کی طرح اس کی تدفین کی جائے گی۔(۲)

---

(۱)... فيغطى رأسه وتطيب أكفانه خلافا للشافعي عليه الرحمة. (ردالمحتار: ۲/ ۲۰۴)

(۲) فينزع عنه ما لا يصلح للكفن، ويزاد إن نقص ما عليه عن كفن السنة، وينقص إن زاد لأجل أن يتم كفنه المسنون، ويصلى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه (درمختار) قال في البحر: وأشار إلى أنه يكره أن ينزع عنه جميع ثيابه ويجدد الكفن. (شامية: ۲/ ۲۵۰) ولو كان في ثوب الشهيد نجاسة تغسل. (هندية: ۱/ ۱٦۸)

اور غسل کا نہ ہونا بھی اس شخص کے لئے ہے جو بالغ و مکلف ہو اور پاکی کی حالت میں شہید ہوا ہو، پس نابالغ بچہ، یا مجنون، یا جنبی، یا حائضہ و نفساء کو شہید کیا گیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔(۱)

قبر کی گہرائی، لمبائی اور چوڑائی

قبر کی گہرائی درمیانی آدمی کے نصف قامت تک ہو، یا سینہ تک ہو، اور اگر پورے قد کے برابر ہو تو زیادہ بہتر ہے، پس ادنی درجہ نصف قامت ہے اس سے کم گہری نہ ہو ورنہ بدبو اور درندے کا اندیشہ رہے گا، اور اعلی درجہ بقدر قامت ہے، اور سینہ تک ہونا درمیانی درجہ ہے اور یہی عام معمول ہے۔

اور قبر کی لمبائی ۲۰۰ رسینٹی میٹر یا دو میٹر ہو؛ اور چوڑائی ۷۵ رسینٹی میٹر یا پون میٹر ہو، یہ معتدل انسان کے لئے ہے، ورنہ آدمی کے لمبے اور چھوٹے یا موٹے اور پتلے ہونے کے اعتبار سے کمی زیادتی کی جاسکتی ہے۔(۲)

(۱) وإن كان صبيا أو جنبا أو مجنونا أو حائضا أو نفساء يغسل خلافالهما. (ملتقى الأبحر: ۱/ ۲۷۹، هندية: ۱/ ۱۶۸)

(۲) (قوله مقدار نصف قامة إلخ) أو إلى حد الصدر، وإن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن كما في الذخيرة، فعلم أن الأدنى نصف القامة والأعلى القامة، وما بينهما شرح المنية، وهذا حد العمق، والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع. وفي القهستاني: وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله. (ردالمحتار: ۲/ ۲۳۴، الأوزان المحمودة: ۱۰۸)

کتاب الزکوۃ

حیوانات میں زکوۃ کا نصاب

تمہید:

اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ حیوانات پر زکوۃ تب ہوگی جب درج ذیل شرائط پائی جائیں:

شرائط:

۱-ان حیوانات کے نصاب پر ایک سال گذر گیا ہو۔

۲-وہ حیوانات سائمہ ہوں اور سائمہ کا مطلب: پورا سال یا سال کا بیشتر حصہ جنگل میں مباح گھاس پر گذارا کرتے ہوں، خرید کر یا اگا کر انہیں چارہ نہ دیا جاتا ہو ایسے جانور علوفہ کہلاتے ہیں ان میں زکوۃ نہیں (پس آج کل جو بھینسوں وغیرہ کا اصطبل ہوتا ہے اوران میں اپنے ہی خرچ سے چارہ کھلایا جاتا ہے ان پر زکوۃ واجب نہیں اور چونکہ وہ جانور تجارت کے لئے بھی نہیں ہوتے ہیں بلکہ دودھ کے لئے پالے جاتے ہیں، اس لئے ان کی مالیت پر بھی زکوۃ نہ آئے گی، البتہ دودھ کی آمدنی پر-سال کے اخیر میں جو کچھ رقم بچ جائے اس پر-زکوۃ واجب ہوگی)

۳-حیوانات غیر عاملہ ہوں، یعنی بار برداری، کھیتی باڑی وغیرہ خدمات کے لئے نہ ہوں، بلکہ افزائش نسل اور دودھ، گوشت کے لئے ہوں (پس کھیتی کے بیل، یا بار برداری کے اونٹ وغیرہ پر زکوۃ واجب نہ ہوگی خواہ وہ تعداد میں کتنے ہی ہوں)

۴-وہ حیوانات مقررہ نصاب کو پہنچ گئے ہوں، ان کا نصاب درج ذیل ہے:

اونٹوں کی زکوۃ کا نصاب

۱	تا	۴	ان میں کوئی زکوۃ نہیں

۵	تا	۹	ان میں ایک ایسی بکری لازم ہوگی جس کی قربانی جائز ہے
۱۰	تا	۱۴	ایسی ہی دو بکریاں یا بکرے
۱۵	تا	۱۹	ایسی ہی تین بکریاں یا بکرے
۲۰	تا	۲۴	ایسی ہی چار بکریاں یا بکرے
۲۵	تا	۳۵	ایک سالہ اونٹنی (بنت مخاض)
۳۶	تا	۴۵	دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)
۴۶	تا	۶۰	تین سالہ اونٹنی (حقہ)
۶۱	تا	۷۵	چار سالہ اونٹنی (جذعہ)
نوٹ: زکوۃ میں ۴ر سال سے زیادہ عمر کا اونٹ نہیں لیا جاتا، لہذا اب پیچھے لوٹیں گے اور:			
۷۶	تا	۹۰	دو سالہ دو اونٹنیاں
۹۱	تا	۱۲۴	تین سالہ دو اونٹنیاں
۱۲۵	تا	۱۲۹	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۳۰	تا	۱۳۴	تین سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۳۵	تا	۱۳۹	تین سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۴۰	تا	۱۴۴	تین سالہ دو اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۴۵	تا	۱۴۹	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی
۱۵۰	تا	۱۵۴	تین سالہ تین اونٹنیاں

۱۵۰ کے بعد یہ ضابطہ کلیہ ہے کہ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک ایک سالہ اونٹنی یعنی بنت مخاض پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی یعنی بنت لبون، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ اونٹنی یعنی حقہ، مثلاً ۱۵۵ر اونٹ میں ۳ر حقے اور ایک

بکری اور ۱۶۰ر میں ۳ر حقے اور دو بکری، اور ۱۶۵ میں ۳ر حقے اور ۳ر بکری، اور ۱۷۰ میں ۳ر حقے اور ۴ر بکری، اور جب نصاب ۱۷۵ کو پہنچ جائے تو ۳ر حقے اور ایک بنت مخاض، اور جب ۱۸۶ کو پہنچ جائے تو ۳ر حقے اور ایک بنت لبون، اور جب ۱۹۶ کو پہنچے تو ۴ر حقے ۲۰۴ تا واجب رہیں گے، پھر ہر پچاس سے از سر نو یہی حساب لگایا جاتا رہے گا (مستفاد: کتاب المسائل: ۳ر ۲۳۷-۲۳۸ -۲۳۹، بحوالہ: المحیط البرھانی: ۳ر ۱۷۲-۱۷۳؛ ھدایۃ: ۱ر ۲۰۲، شامی: ۳ر ۲۰۰ زکریا، بہشتی زیور: ۲۳۵، ھندیۃ: ۱ر ۱۷۷)

ملحوظہ: جانوروں میں رأس (سر) گنے جاتے ہیں، ان کی عمروں کا اعتبار نہیں ہوتا، پس جو بچہ ایک دن کا ہو نصاب میں وہ بھی شمار ہوگا، البتہ اگر کسی کے پاس بچے ہی بچے ہوں جیسے کسی کے پاس اونٹ کے پندرہ بچے ہوں (جانور جب تک ماں کا دودھ پیتا ہے بچہ شمار ہوتا ہے) توان میں زکوۃ واجب نہیں، اگر ساتھ میں ایک بھی بڑا ہے تو زکوۃ واجب ہے۔ (تحفۃ الألمعی: ۲ر ۵۱۷-۵۱۸، کتاب الزکوۃ)

گائے بیل اور بھینس کی زکوۃ کا نصاب

۱	تا	۲۹	ان میں کوئی زکوۃ نہیں
۳۰	تا	۳۰	ایک سالہ گائے/ بیل یا بھینس/ بھینسا (تبیع یا تبیعہ)
۴۰	تا	۵۹	دو سالہ گائے/ بیل یا بھینس بھینسا (مُسِنّ یا مُسِنّۃ)
۶۰	تا	۶۹	دو عدد تبیع یا تبیعہ
۷۰	تا	۷۹	ایک عدد تبیع یا تبیعہ اور ایک عدد مُسِنّ یا مُسِنّۃ
۸۰	تا	۸۹	دو عدد مُسِنّ یا مُسِنّۃ
۹۰	تا	۹۹	تین عدد تبیع یا تبیعہ

۱۰۰	تا	۱۰۹	دو عدد تبیع یا تبیعہ اور ایک عدد مُسِن یا مُسِنۃ

۶۰/ یا اس سے اوپر میں یہ ضابطہ ہے کہ: ہر تیس میں ایک تَبِیع یا تَبِیعَۃ اور ہر چالیس میں ایک مُسِنّ یا مُسِنَۃ، پس ساٹھ میں دو تبیعے؛ اور ۷۰/ میں ایک تبیعہ اور ایک مُسِنَۃ؛ اور ۸۰/ میں دو مسنے؛ اور ۹۰/ میں تین تبیعے؛ اور ۱۰۰/ میں دو تبیعے اور ایک مُسِنَۃ ، اور ۱۲۰ میں چاہے ۴ تبیعے ادا کرے یا ۳ مسنے کیونکہ یہ عدد ۳۰ اور ۴۰ دونوں سے تقسیم ہوتا ہے۔

فوائد:

۱- تَبِیع اور تَبِیعَۃ ایک سالہ مذکر یا مؤنث بچے کو کہتے ہیں، یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ ایک سال تک جب ماں چرنے چگنے کے لئے جاتی ہے تو اس کا بچہ بھی پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ اور مُسِنّ یا مُسِنَۃ: دو سالہ مذکر یا مؤنث بچے کو کہتے ہیں، چونکہ دو سال کے بعد بچہ کے دودھ کے دانت گرتے ہیں اس لئے یہ نام دیا گیا ہے۔ پھر جاننا چاہئے کہ اونٹ کا مادہ بچہ زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اس لئے وہاں زکوۃ میں مؤنث بچہ ہی لیا جاتا ہے، اور گائے بھینس کے مذکر و مؤنث بچوں کی قیمت یکساں ہوتی ہے اس لئے یہاں مذکر بچہ بھی لے سکتے ہیں اور مؤنث بھی (مستفاد: تحفۃ الألمعي: ۲/۵۱۷-۵۱۸، کتاب الزکوۃ)

بھیڑ و بکری کی زکوۃ کا نصاب

۱	تا	۳۹	ان میں کوئی زکوۃ نہیں
۴۰	تا	۱۲۰	ایک سالہ بکری یا بکرا
۱۲۱	تا	۲۰۰	دو بکریاں یا بکرے
۲۰۱	تا	۳۹۹	تین بکریاں یا بکرے

اس کے بعد ہر سینکڑے پر ایک بکری زکوۃ میں بڑھتی جائے گی، یعنی ۴۰۰ر میں چار بکریاں؛ ۵۰۰ر میں پانچ؛ ۶۰۰/ میں چھ، علی ہذا۔ (هداية: ۱/ ۲۰۶)

سونا چاندی کا وہ نصاب جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

چاندی کا نصاب ۲۰۰ر دراہم ہیں، جس کی مقدار ۵۲ر تولہ، چھ ماشہ، یعنی: ۶۱۲ر گرام، ۳۶۰ر ملی گرام چاندی ہے۔ اور سونے کا نصاب ۲۰ر مثقال ہیں جس کا وزن ساڑھے سات تولہ، یعنی: ۸۷ر گرام ۴۸۰ر ملی گرام سونا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سونا چاندی، کرنسی اور اموال تجارت یہ چاروں ایک جنس ہیں، پس تکمیل نصاب کے لئے ان کو ملایا جائے گا، چنانچہ اگر کسی کے پاس مثلاً دو تولہ سونا، دس تولہ چاندی اور کچھ مال تجارت اور کچھ نقد روپے ہیں تو ملا کر دیکھا جائے اگر مجموعی مالیت کسی ایک نصاب کو پہنچ جائے تو اس سے زکوۃ واجب ہوگی، چاندی کا نصاب چونکہ سونے کے مقابلہ میں مالیت کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے اس لئے عموماً کہا جاتا ہے کہ مجموعہ ۶۱۲ر گرام ۳۶۰ر ملی گرام چاندی کے بقدر کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (۱)

صدقۃ الفطر وقربانی کا نصاب۔ اور اس نصاب کا زکوۃ کے نصاب سے فرق

صدقۃ الفطر اور قربانی کا نصاب بھی بعینہ وہی ہے جو زکوۃ کا ہے، البتہ ان کے اور زکوۃ کے درمیان دو فرق ہیں:

ایک یہ کہ: صدقۃ الفطر اور قربانی میں ضرورت سے زائد جو بھی مال ہوتا ہے اس کو شمار کیا جاتا ہے اور اس سے نصاب کی تکمیل کی جاتی ہے، پس اس میں مال نامی۔ یعنی

(۱) (مستفاد: تحفة الألمعی: ۲/ ۵۱۸-۵۱۷؛ هندیه: ۱/ ۱۷۵؛ الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/ ۲۳۴)

سونا، چاندی، کرنسی اور مال تجارت- اور مال غیر نامی یعنی ان چار چیزوں کے علاوہ جو بھی مال ضرورت سے زائد ہو دونوں کا اعتبار ہوتا ہے، چنانچہ کسی کے پاس سات جوڑے سے زائد کپڑے ہوں، یا ضرورت سے زائد، برتن، بستر، گاڑیاں، موبائل وغیرہ ہوں جو سال بھر میں بھی استعمال میں نہ آتے ہوں، یا زائد مکان، یا زمین ہو، تو ان سے نصاب کی تکمیل کی جائے گی—— جبکہ زکوۃ میں - سونا، چاندی، کرنسی اور سائمہ جانوروں کو چھوڑ کر- ہر مال واسباب میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو: زکوۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ مال کتنا ہی ضرورت سے زائد کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس پہننے کے لئے پانچ سو جوڑی کپڑے ہوں؛ یا گھر میں مختلف قسم کا گھریلو سامان ہو، جن میں سے بعض کی تو خاص ضرورت بھی نہ ہو؛ یا کئی مکانات ہوں؛ یا زمینیں ہوں؛ یا فیکٹریاں ہوں اور ان سب میں تجارت، کی نیت نہ ہو یعنی بیچنے کے لئے ان چیزوں کو نہیں خریدا؛ یا اس کے پاس بہت سی گاڑیاں ہوں جو کرایہ پر دے رکھی ہوں اور کچھ گاڑیاں خود ذاتی استعمال کے لئے ہوں تو ان تمام میں زکوۃ نہیں آئے گی—— لیکن اگر خریدتے وقت تجارت کی نیت ہو، جیسے کسی نے مکان، زمین، یا گاڑی اس نیت سے خریدی کہ اس میں اصلاح ومرمت کر کے یا کچھ مدت کے بعد جب قیمتیں بڑھ جائیں گی بیچ دوں گا اور نفع کماؤں گا تو اس پر سال کے اخیر میں زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسرے مال کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی ضرور واجب ہوتی ہے، لیکن اس کا عکس نہیں، یعنی جس پر صدقۃ الفطر یا قربانی واجب ہو ضروری نہیں کہ اس پر زکوۃ واجب ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا نصاب مال غیر نامی سے مکمل ہوا ہو، مال نامی اس کے پاس بالکل نہ ہو یا ناقص ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ: زکوۃ میں نصاب پر سال کا گذر جانا وجوب ادا کے لئے شرط

ہے؛ جبکہ صدقۃ الفطر اور قربانی میں یہ شرط نہیں، یہاں تک کہ صدقۃ الفطر میں عید کی صبح صادق سے پہلے پہلے، اسی طرح قربانی میں ۱۲ر ذی الحجہ کے دن غروب آفتاب سے پہلے پہلے نصاب کا مالک ہوا تو وجوب ذمہ میں آجائے گا۔ (۱)

فوائد:

۱- درمیان سال میں نصاب کی کمی بیشی سے اصل زکوۃ کے وجوب وعدم وجوب میں کوئی فرق نہیں آتا، یعنی اگر درمیان سال میں نصاب کم ہوگیا اور آخر سال میں پورا ہوگیا تو کوئی فرق نہیں آئے گا زکوۃ واجب رہے گی شرط یہ ہے کہ پورا نصاب بالکلیہ ختم نہ ہوا ہو، ورنہ زکوۃ واجب نہیں؛ اسی طرح اگر درمیان سال میں مال کا اضافہ ہوا تو اصل مال کے ساتھ اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور اس اضافہ شدہ مال میں سال کا گزرنا ضروری نہیں۔ (۲)

۲- سونے چاندی میں زکوۃ مطلقاً واجب ہے، یعنی سونا چاندی خواہ زیورات کی شکل میں ہوں؛ یا برتن کی صورت میں؛ یا اس کے علاوہ کوئی اور ہیئت میں؛ اور خواہ ان کو استعمال کرے یا نہ کرے؛ اور خواہ اس میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو؛ زکوۃ ہر صورت میں واجب ہوگی۔ (۳)

تکمیل نصاب کے لئے مختلف اشیاء کو ملانے میں ایک اصول

اصول یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا، مختلف الاجناس کو نہیں؛ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قابل زکوۃ اموال کی کل چار اجناس ہیں:

(۱) سونا چاندی، کرنسی، اموال تجارت (یہ سب ایک جنس ہیں)

(۲) اونٹ۔

---

(۱) (مستفاد: الدر المختار ہامش رد المحتار: ۱۹۳/۳، ط: زکریا، دیوبند)

(۲) (ھندیہ: ۱/۱۷۵)

(۳) فتجب زکاتھما کیف کانا (المیدانی علی ہامش الجوھرۃ: ۱/۱۵۸)

(۳) بھیڑ، بکری (یہ دونون ایک جنس ہیں)
(۴) گائے، بھینس (یہ دونوں ایک جنس ہیں)

ان چاروں اجناس کا نصاب علاحدہ علاحدہ اور مستقل ہے ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملایا جائے گا۔ البتہ ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو جیسے سونا، چاندی، کرنسی اور اموال تجارت کو ایک دوسرے کے ساتھ یا بھیڑ کو بکری کے ساتھ یا گائے کو بھینس کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا۔ (۱)

کس قدر غریبی پر زکوۃ لینا جائز ہے؟

جس کے پاس نصاب (یعنی: ۶۱۲ر گرام، ۳۶۰ر ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے) کے بقدر ضرورت سے زائد کوئی بھی ذاتی مال موجود نہ ہو نہ خود کے پاس ہو، اور نہ دوسرے کو قرض وغیرہ میں دیا ہوا ہو؛ یا مال تو موجود ہو مگر سر پر قرض اتنا ہو کہ اس کو منہا کرنے کے بعد نصاب باقی نہ رہتا ہو، تو ایسے شخص کے لئے زکوۃ لینا، اور دوسرے کا اس کو دینا جائز ہے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ مگر دینے میں یہ خیال رہے کہ بقدر ضرورت دے، اتنا نہ دے کہ قرض پورا ہونے کے بعد بھی اس کی فیملی کا ہر شخص نصاب کا مالک بن جائے، ایسا کرنا مکروہ ہے، تاہم زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (۲)

کس قدر ناداری پر سوال کرنا جائز ہے؟

جس شخص کے پاس ۲۴ر گھنٹے کا بھی گذارا نہ ہو، اس کے لئے بقدر حاجت سوال

---

(۱) (مستفاد: تحفة الألمعی: ۲/۵۱۸-۵۱۷؛ هندیه: ۱/۱۷۵؛ الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۲۳۴)

(۲) (وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح. (الدالمختار: ۲/۳۵۳ باب مصرف الزكوة)

کرنا جائز ہے، اور جس کے پاس اتنا گذارا ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں حرام ہے خواہ یہ گذارا بالفعل ہو یا بالقوۃ، بالقوۃ کا مطلب ہے کہ وہ تندرست ہو اور کمانے پر قادر ہو، فقہاء نے لکھا ہے ایسے شخص کو دینے والا بھی گنہ گار ہوگا کیونکہ اس نے حرام فعل پر اس کی اعانت کی، کہا گیا کہ ایسے شخص کو اگر دینا چاہے تو ہدیہ کی نیت سے دیوے تو گنہ گار نہ ہوگا، کہ ہدیہ محتاج اور غیر محتاج سب کو دینا جائز ہے، تاہم علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس سلسلہ میں باخبر رہنا چاہئے کہ فقہاء نے اس جیسے (یعنی تندرست اور روزگار پر قادر) شخص کو دینے سے جو منع کیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ یہ دینا اس کو مزید سوال کی دعوت دیتا ہے جبکہ نہ دینا بسا اوقات اس کو توبہ تک لے جاتا ہے[1] (پس اس وقت قرائن کے پیش نظر مقتضی حال پر عمل کرنا چاہئے، یعنی اگر واقعی محتاج لگتا ہو اور ایسا محسوس ہو کہ کوئی فوری ضرورت نے اس کو مجبور کیا ہے مانگنے کی اس کی عادت نہیں ہے تو ہدیہ کی نیت سے دیدے، ورنہ اس نیت سے رک جائے کہ شاید کہ نہ دینا اس کو توبہ کی توفیق دے، مؤلف)

اگر کسی محتاج کے پاس اعلیٰ مکان ہو، تو اس کو چاہئے کہ اس مکان کو بیچ کر کم قیمت کا مکان خریدے اور سوال سے بچے، تاہم ایسا کرنا بہتر ہے لازم نہیں، اس میں

(۱) (ولا) يحل أن (يسأل) من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدرالمختار)
(قوله ويأثم معطيه إلخ) قال الأكمل في شرح المشارق. وأما الدفع إلى مثل هذا السائل عالما بحاله فحكمه في القياس الإثم به؛ لأنه إعانة على الحرام، لكنه يجعل هبة وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجا إليه لا يكون آثما اهـ. قال المقدسي في شرحه وأنت خبير بأن الظاهر أن مرادهم أن الدفع إلى مثل هذا يدعو إلى السؤال على الوجه المذكور وبالمنع ربما يتوب عن مثل ذلك فليتأمل اهـ(ردالمحتار: ۲/۳۵۴)

لوگوں کے لئے وسعت ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (۱)

صدقۃ الفطر کی مقدار

صدقۃ الفطر کی مقدار نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ کی رائے میں نصف صاع: ۱ رکلو ۱۰۵ رگرام ہوتا ہے، اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے نزدیک نصف صاع: ۲ رکلو ۲۵ رگرام ہوتا ہے، اور بہشتی زیور اور کفایت المفتی میں نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر کے قریب بیان کی گئی ہے یعنی پونے دو کلو کیونکہ ایک سیر ۹۳۳ رگرام کا ہوتا ہے، عام طور پر لوگوں میں نصف صاع کا یہی وزن (پونے دو کلو) مشہور ہے، جبکہ مفتی شفیع رحمہ اللہ کی رائے میں نصف صاع: ۱ رکلو ۵۷۴ رگرام، ۶۴۰ ملی گرام بنتا ہے اکثر ارباب فتویٰ اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (۲)

کرنسی اور روپیوں میں نصاب جاننے کا طریقہ

کرنسی اور روپیوں میں نصاب جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ: زکوۃ کے نصاب میں یہ کریں کہ: ایک کلو چاندی کی قیمت آپ کے علاقہ میں اس دن جو چل رہی ہو اس کو ایک ہزار پر تقسیم (ڈیوائڈ) کردیں، جو حساب آئے اس کو چاندی کا نصاب یعنی ۶۱۲ر گرام، ۳۶۰ رملی گرام میں ضرب (ملٹی پلس) دیدیں، اب جو حساب سامنے آئے گا وہی نصاب ہوگا، مثلاً ایک کلو چاندی کی قیمت 40 / ہزار روپے چل رہی ہو تو ایک

---

(۱) وإذا كان له دار يسكنها ولا يقدر على الكسب قال ظهير الدين: لا يحل له السؤال إذا كان يكفيه ما دونها معراج، ثم نقل ما يدل على الجواز وقال وهو أوسع وبه يفتى. (رد المحتار: ۲ / ۳۵۵، باب مصرف الزكوة)

(۲) (مستفاد: کتاب الفتاویٰ: ۳ / ۳۶۲، احسن الفتاویٰ: ۴ / ۴۱۶، کتاب المسائل: ۲ / ۳۰۲، الأوزان المحمودة: ۲۵)

ہزار پر اس کو تقسیم کرنے میں 40 /روپے ہوں گے، اس چالیس کو چاندی کے نصاب 612.360 میں ضرب دیں گے تو 24494.4 یعنی ساڑھے ۲۴ / ہزار میں تقریبا ۶ / روپے کم حاصل نکلے گا، پس قرض کو منہا کرنے کے بعد اتنے روپے جس کے پاس موجود ہوں اس پر زکوۃ واجب ہوگی، خواہ اس کے پاس وہ روپے حقیقتاً موجود ہوں یا کسی کو قرض میں دیئے ہوں، اور خواہ شدید ضرورت کے لئے جمع کئے ہوں یا ویسے ہی ہوں۔

اور صدقۃ الفطر کا حساب اس طرح کیجئے کہ علاقہ میں اس وقت ایک کلو گیہوں کی جو قیمت چل رہی ہو، اس کو ۱ر کلو ۵۷۴ رگرام، ۶۴۰ ملی گرام میں فقط ضرب دیدیجئے حاصل نکل آئے گا، مثلاً ۳۰ / روپے فی کلو گیہوں ہوں تو اس کو مذکورہ نصاب میں ضرب دینے سے 47.23 سے حاصل نکلے گا، روپیوں میں یہی صدقۃ الفطر کا نصاب ہوگا۔

ملحوظہ: زکوۃ کا نصاب روپیوں کے ساتھ جوڑنے میں فی زمانہ چاندی ہی کے نصاب کا اعتبار ہوگا، سونے کے نصاب ۸۷ /گرام ۴۸۰ /ملی گرام سونے کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ سونے کی قیمت گراں اور چاندی کی ارزاں ہونے سے دونوں نصابوں کی قیمت میں بہت زیادہ تفاوت ہوگیا ہے، چاندی کے نصاب سے جوڑنے میں زکوۃ جلد واجب ہوتی ہے برخلاف سونے کے، چنانچہ آج کے حساب سے چاندی کا نصاب تقریبا پچیس ہزار روپے میں بن جاتا ہے، جبکہ سونے کا تقریباً ڈھائی لاکھ روپے میں پورا ہوتا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے جو أنفع للفقراء ہو اس کا اعتبار کریں گے، پس ظاہر ہے کہ فی زمانہ یہ بات چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے میں ہی حاصل ہوتی ہے، پس جس کے پاس سونا چاندی، یا سونا اور روپے، یا چاندی اور روپے ہوں، یا فقط چاندی ہو اس کے لئے یہی حساب رہے گا، البتہ جس کے پاس فقط سونا ہو اس کے ساتھ چاندی یا روپے بالکل نہ ہوں تو پھر اس کے لئے سونے کا نصاب معتبر ہوگا۔

کتاب الصوم

تیس اور انتیس کا چاند مسلسل کتنے ماہ ہوسکتا ہے؟

علامہ مغربی نے لکھا ہے کہ قمری مہینے میں ۴ رمہینوں تک مسلسل تیس کا چاند ہوسکتا ہے مگر اس کے بعد نہیں، اور انتیس کا چاند مسلسل ۳ رماہ تک ہوسکتا ہے، اس کے بعد نہیں۔

رمضان کا چاند کس دن ہوگا؟ پیشگی معلوم کرنے کا طریقہ

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: رمضان کی پانچ تاریخ کو جو دن پڑتا ہے، اگلے رمضان کا پہلا روزہ لازماً اسی دن ہوتا ہے؛ علامہ مغربی کہتے ہیں کہ: اس قاعدہ کو پچاس سال آزمایا گیا ہمیشہ صحیح نکلا۔ (۱)

دوسرا اصول یہ ہے کہ: جس دن رجب کی چوتھی تاریخ ہوتی ہے، اسی دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوتی ہے، اور سب مہینوں میں یہی بات ہے کہ جس مہینے کی جس روز چوتھی تاریخ ہوگی، اس سے تیسرے مہینے کی اسی روز پہلی تاریخ ہوگی، مثلاً محرم کی جس دن چوتھی ہوگی صفر کا مہینہ چھوڑ کر ربیع الاول کی اس دن پہلی ہوگی، اور یہ قاعدہ اکثری ہے۔ (۲)

انتباہ: لیکن ظاہر ہے کہ ان تمام حسابات کی حیثیت صرف لطائف سے زیادہ نہیں احکام شرعیہ میں اعتبار رویئت ہلال ہی کا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غبي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ افطار (عید) کرو، اگر تم پر چاند مخفی رہے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔ (بخاری: ۳ر ۲۷، حدیث: ۱۹۰۹)

(۱) (تراشے، بحوالہ الیواقیت العصریہ)

(۲) (حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اصول: ۴۲)

روزہ میں کفارہ کب لازم ہوتا ہے؟ اور کفارہ کی مقدار

جب کوئی شخص رمضان میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے، لیکن وہ کفارہ کمال درجہ کے قصور پر لازم آتا ہے، اور کمال درجہ کا قصور یہ ہے کہ افطار (روزہ توڑنا) صورتاً و معناً دونوں طرح سے پایا جائے۔ کھانے پینے میں صورتاً کا مطلب یہ ہے کہ روزہ افطار کرنے والی چیز منھ کے راستے سے پیٹ تک پہنچ جائے اور معنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز غذا یا دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہو یا اس سے لذت حاصل کی جاتی ہو اور طبیعت اس سے نفرت نہ کرتی ہو — پس اگر منھ کے راستے سے کوئی چیز پیٹ میں گئی لیکن وہ غذا یا دوا کے طور پر استعمال نہیں ہوتی ہے اور نہ اس سے لذت حاصل ہوتی ہے بلکہ طبیعت نفرت کرتی ہے تو یہ صورتاً افطار ہے معناً نہیں لہٰذا اس میں کفارہ نہ آئے گا۔ اور اگر منھ کے علاوہ کسی اور راستے سے پیٹ میں دوا یا غذا پہنچائی گئی تو یہ معناً افطار ہوگا صورتاً نہیں، اس میں بھی کفارہ نہ آئے گا — صرف صورتاً کی مثال ہے منھ کے راستے سے پیٹ میں کنکر پہنچایا، یا کسی کا تھوک چاٹ لیا یا چبایا ہوا لقمہ کھایا یا مٹی کھائی یا بہت سا نمک کھایا وغیرہ پس اس میں کفارہ نہیں ہے (لیکن اگر محبوب یا دوست یا بیوی کا تھوک نگل لیا، یا اس کا چبایا ہوا لقمہ کھایا تو اس سے کفارہ لازم ہوگا، کیوں کہ اس سے طبیعت کو کراہت نہیں ہوتی بلکہ لذت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اگر تھوڑا سا نمک کھایا تو کفارہ لازم ہوگا کیوں تھوڑے نمک میں طبیعت کو کراہت نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کوئی ایسی مٹی کھائی جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے جیسے گل ارمنی اور وہ مٹی جو بھون لی جاتی ہے اور کھائی جاتی ہے جیسے ملتانی مٹی تو اس میں بھی کفارہ لازم ہوگا) — اور صرف معنیٰ افطار کی مثال ہے حقنہ لگانا (یعنی پاخانہ کے راستے سے پیٹ میں دوا پہنچانا) وغیرہ اس میں بھی صرف قضا ہے کفارہ نہیں (لیکن انجکشن سے تو روزہ فاسد بھی نہ ہوگا اگر چہ رگ میں لیا جائے، اس لئے کہ وہ براہ

راست پیٹ میں نہیں پہنچتا اور فساد صوم کے لئے شی کا بلاواسطہ پیٹ یا سر میں پہنچنا شرط ہے بالواسطہ نہیں)

نیز کفارہ روزے میں جماع کرنے سے بھی واجب ہوتا ہے جب کہ جماع حقیقۃً ہو، اور حقیقۃً جماع کا مطلب ہے کہ مرد کے آلۂ تناسل کا سر (سپاری) کسی عورت کے قبل یا کسی مرد یا عورت کے دبر میں پوری طرح داخل ہوجائے (خواہ انزال ہو یا نہ ہو) اس سے فاعل ومفعول دونوں پر کفارہ آئے گا۔ اور اگر جماع حقیقۃً نہ ہو بلکہ معنیً ہو تو صرف قضا آئے گی کفارہ لازم نہ ہوگا جیسے کسی کے ساتھ سبیلین کے علاوہ جسم میں جماع یا مساس کیا اور انزال ہوگیا، یا بوسہ لیا یا چھیڑ چھاڑ کیا اور انزال ہوگیا، یا ہاتھ کے ذریعہ انزال کیا وغیرہ۔

اور کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کا ادائی روزہ ہو (کیوں کہ اس میں ماہ رمضان کی ہتک ہے) پس اس کے علاوہ یعنی نفل روزہ یا قضائے رمضان کا روزہ وغیرہ توڑنے میں کفارہ لازم نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے قصداً اپنی رضامندی سے افطار کیا ہو، پس اگر کسی نے زبردستی ڈرا دھمکا کر کوئی چیز کھلادی یا بلاارادہ منہ میں کوئی چیز چلی گئی جیسے کلی کرنے گیا اور بلاارادہ پانی حلق میں چلا گیا تو اس میں کفارہ نہ آئے گا صرف قضا ہوگی ـــــ اسی طرح روزے توڑنے کے بعد (غروب سے پہلے تک) کوئی ایسا عذر بھی لاحق نہ ہوا ہو جس سے روزہ توڑنا مباح ہوجاتا ہے جیسے حیض ونفاس یا سخت بیماری وغیرہ ورنہ کفارہ ساقط ہوجائے گا، نیز روزہ توڑنے سے پہلے کوئی ایسا عذر بھی پیش نہ آیا ہو جس سے روزہ نہ رکھنا جائز ہوتا ہے جیسے سفر شرعی (یعنی ۷۷ رکلومیٹر ۲۴۸ رمیٹر ۱۵ رسینٹی میٹر ۲ رملی میٹر کا سفر) بیماری وغیرہ پس سفر میں یا سفر ختم کرنے کے بعد اسی دن روزہ توڑ دیا تو کفارہ لازم نہ ہوگا (لیکن اگر پہلے روزہ توڑا پھر سفر کیا تو بالاتفاق کفارہ لازم ہوگا) ـــــ اسی طرح اس کا روزہ توڑنا شبہ کے موقع پر نہ ہو اور شبہ خواہ اشتباہ

بالنظیر کی وجہ سے ہو یا اختلاف علماء کی وجہ سے یا اس وجہ سے ہو کہ وہ جاہل ہو اور اس کو کوئی ایسی حدیث پہنچی ہو جس کی تاویل وہ نہیں جانتا یا اس کو کسی معتمد مفتی نے فتویٰ دیا ہو (اگرچہ فتویٰ کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہ ہو، اس لئے کہ عوام مفتی کے فتوے کو نص کی طرح مانتے ہیں جیسا کہ قاضی خاں میں ہے) پس اگر بھول کر کچھ کھایا پیا یا مجامعت کی یا احتلام ہو گیا یا دیکھنے سوچنے سے انزال ہو گیا اور (ان سب کے بعد) گمان کیا کہ روزہ فاسد ہو گیا پھر عمداً کھالیا؛ یا اس نے پچھنا لگوایا (یا انجکشن لگوایا وغیرہ) اور کسی معتمد مفتی نے روزہ فاسد ہونے کا (غلط) فتویٰ دیا اور اس نے اس پر اعتماد کر کے روزہ توڑ دیا تو ان تمام صورتوں میں کفارہ نہیں ہے صرف قضا ہوگی اس لئے کہ یہ روزہ توڑنا محل اشتباہ میں ہے اور کفارہ اشتباہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی کی غیبت کی اور سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر عمداً کھالیا تو کفارہ واجب ہوگا کیوں کہ اگرچہ یہاں حدیث موجود ہے مگر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ: اس مسئلے میں ظاہری حدیث پر عمل متروک ہے لہٰذا یہ گمان بغیر دلیل کے ہو گیا، یہی حکم ہوگا جب کسی عورت کو چھویا یا بوسہ لیا اور خیال کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر عمداً توڑ دیا ،یعنی کفارہ واجب ہوگا کیوں کہ اس کا یہ خیال بے موقع تھا۔ فافہم (۱)

کفارۂ صوم کی مقدار:

روزے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ــــ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو: ساٹھ دن لگاتار روزے رکھے، بیچ میں بالکل ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہو گیا ــ خواہ مرض کی وجہ سے ناغہ ہوا یا سفر کی وجہ سے ــ تو از سر نو رکھنا لازم ہوگا، البتہ حیض کی وجہ سے (نہ کہ نفاس سے) ناگاہ ہو تو حرج نہیں۔ (۲) ــــ اگر کسی کو روزوں پر واقعتاً قدرت نہ ہو تو اس

(۱)(مستفاد: حاشیة الطحطاوی: ۶۶۴ تا ۶۶۸؛ ردالمحتار: ۳/۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۷۹ - ۴۱۶؛ ہندیة: ۱/۲۰۶)

(۲) وعلی ھذا یخرج ما إذا أفطر في خلال الصوم أنه یستقبل الصوم، سواء ←

کے ذمہ ۶۰ر مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔ اگر ساٹھ مسکینوں کو دو دن ایک وقت کھلایا تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح ایک مسکین کو ساٹھ دن دو وقت کھلایا، یا ایک مسکین کو ایک سو بیس دن ایک وقت کھلایا تو یہ بھی درست ہے کیونکہ یہاں اگر چہ ایک ہی مسکین ہے مگر ہر آنے والا دن انسان کے لئے نئی حاجت کو لاتا ہے پس وہ ہر روز نئے مسکین کے مانند ہوگا؛ البتہ ایک سو بیس مسکین کو ایک وقت کا کھلایا، یا ساٹھ مسکین کو صبح کا کھلایا اور شام میں ان کے علاوہ دوسرے ساٹھ مسکین کو کھلایا تو یہ کافی نہ ہوگا، کیونکہ ساٹھ مسکینوں کو اس طرح دینا لازم ہے کہ ہر ایک کے حصے میں کم از کم ایک دن یعنی دو وقت کا کھانا آجائے اور ان دو صورتوں میں وہ بات نہیں (۱) ــــ اگر قیمتاً دینا چاہے تو ایک مسکین کے لئے ''نصف صاع (۱ر کلو ۵۷۴ر گرام، ۶۴۰ ملی گرام) گیہوں'' کے حساب سے کل ۳۰ر صاع (۹۴ر کلو ۷۸۴ر گرام ۴۰ر ملی گرام) گیہوں یا اس کی قیمت فقراء و مساکن پر صدقہ کردے۔ لیکن ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیر کو مجموعہ ۳۰ر صاع یا اس کی قیمت

← أفطر لغير عذر أو لعذر مرض، أو سفر؛ لفوت شرط التتابع، و كذلك لو أفطر يوم الفطر أو يوم النحر أو أيام التشريق، فإنه يستقبل الصيام الخ. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۱۱، كتاب الكفارات) يقطع الحيض التتابع في صوم كفارة اليمين، ولا يقطعه في صوم كفارة القتل والإفطار. أما النفاس فيقطع التتابع في كل الكفارات. (هندية: ۱/ ۶۶، كتاب الطهارة، الباب السابع)

(۱) لو أطعم واحدا ستين يوما لتجدد الحاجة. (الدر المختار) ولو غدى واحدا عشرين يوما في كفارة اليمين أجزأه. اهـ. قلت: ومقتضاه أنه لو غداه مائة وعشرين يوما أجزأه عن كفارة الظهار. (ردالمحتار: ۳/ ۴۸۰) وإذا غدى مسكينا وعشى غيره عشرة أيام لم يجزه لأنه فرق طعام العشرة على عشرين، كما إذا فرق حصة المسكين على مسكينين. (ردالمحتار: ۳/ ۷۲۶، كتاب الأيمان)

دینا درست نہیں، نصف صاع ہی ادا ہوگا، پس ساٹھ فقراء کو نصف، نصف صاع دینا ضروری ہوگا، اگر ایک ہی فقیر کو دینا ہو تو ساٹھ دن تک ہر روز نصف صاع دیتا رہے، اسی طرح ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دینا بھی جائز نہیں، ہر فقیر کے حصہ میں کم از کم نصف صاع کا آنا لازم ہے (۱) البتہ فدیہ کا حکم اس سے مختلف ہے: کئی روزوں کے فدیے ایک کو بھی دے سکتا ہے اور کئی کو بھی، اسی طرح ایک روزے کا فدیہ کئی مسکینوں میں تقسیم کرنا بھی درست ہے (۲)

متعدد کفارات میں تداخل کب ہوتا ہے؟

اگر کسی نے ایک رمضان میں ایک سے زیادہ روزوں کو توڑا اور ابھی کفارہ نہیں دیا تو اس پر سب روزوں کی طرف سے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا، لیکن اگر کفارہ ادا کر دیا اور پھر دوسرا روزہ توڑا تو اب دوسرا کفارہ دینا ہوگا، اسی طرح اگر متعدد رمضان ہوں - اور افطار جماع سے کیا ہو- تو ہر رمضان کا الگ الگ کفارہ لازم آئے گا، خواہ پہلے رمضان کا کفارہ ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو یہی صحیح ہے، کیونکہ کفارہ کا سبب رمضان کے احترام کو پامال کرنا ہے، پس ایک رمضان کے روزوں میں تو تداخل ہو جائے گا، مگر دو

(۱)... ولو أطعم فقيرا او احدا ستين يوما أجزأه وإن أعطاه طعام الشهرين في يوم لا يجزىء إلا عن يوم واحد. (ملتقى الأبحر: ۱/۱۲۵) فأطعم كل مسكين نصف صاع من بر ولا يجزيه أقل من ذلك، كما في كفارة اليمين. (بدائع الصنائع: ۲/۲۰۰ كتاب الحج)

(۲) فلو أعطى هنا مسكينا صاعا عن يومين جاز... وعن أبي يوسف لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمساكين يجوز قال الحسن وبه نأخذ اهـ ومثله في القهستاني. (ردالمحتار: ۲/۴۲۷، كتاب الصوم، فصل فى العوارض؛ امدادالفتاوى: ۲/۱۸۱، كتاب الصوم)

رمضان کے روزوں میں بوجہ تعدد سبب کے تداخل نہ ہوگا۔ (۱)

نوٹ: روزے کا فدیہ جاننے کے لئے کتاب الصلاۃ میں فدیہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب الحج

احرام کی ممنوعات و جنایات سات ہیں

بعض چیزیں احرام میں ناجائز ہیں، جن کے ارتکاب پر جزا لازم آتی ہے خواہ جان کر کرے یا بھول کر مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو سوتے میں ہو یا جاگنے میں خود کرے یا دوسرے کے ذریعہ ہو جزا ہر صورت میں لازم ہوتی ہے، ایسی جنایات کل سات ہیں:

(۱) سلا ہوا کپڑا پہننا۔

(۲) سر اور چہرے کا ڈھانکنا۔

(۳) خوشبو استعمال کرنا۔

(۴) بدن کے بال دور کرنا۔

(۱) ولو تکرر فطره ولم يكفر للأول يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمد وعليه الاعتماد بزازية ومجتبى وغيرهما واختار بعضهم للفتوى أن الفطر بغير الجماع تداخل وإلا لا (الدر المختار) قوله: (وعليه الاعتماد) نقله في البحر عن الأسرار ونقل قبله عن الجوهرة لو جامع في رمضانين فعليه كفارتان وإن لم يكفر للأولى في ظاهر الرواية وهو الصحيح. اهـ. قلت: فقد اختلف الترجيح كما ترى ويتقوى الثاني بأنه ظاهر الرواية (رد المحتار: ۲/۴۱۳ ط: بیروت) (قوله: قلت: فقد اختلف الترجيح) ما نقله عن الجوهرة لا يفيد ترجيح خلاف ما ذكره الشارح أولا مطلقا بل في خصوص الجماع فهو عين ما ذكره ثانيا. (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين: ۳/۱۴۹ رقم الحاشية: ۱۳ ط: زكريا؛ كتاب الفقه: ۱/۵۲۷ ط: بيروت)

(۵) ناخن تراشنا۔

(۶) جماع یا دواعیٔ جماع کرنا۔

(۷) وحشی جانور کا شکار کرنا۔

اب ان جنایات پر جزا کی مقدار ترتیب وار ملاحظہ فرمائیں:

سلا ہوا کپڑا پہننے میں جزا کی مقدار

احرام میں سلا ہوا کپڑا اگر ایک دن یا ایک رات کامل یعنی معتدل ایام میں ۱۲ ر گھنٹے تک پہنا یا ڈھانکا تو دم واجب ہوگا؛ اور اگر بارہ گھنٹے سے کم پہنا یا ڈھانکا تو صدقہ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہوگا؛ اور ایک گھنٹے سے بھی کم پہنا یا ڈھانکا تو ایک مشت گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کردے۔ (۱)

اور یہ ممانعت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، پس عورتیں شلوار، قمیص وغیرہ پہن سکتی ہیں۔

اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ کپڑا جو بدن کی وضع (ساخت) پر سیا گیا ہو یا بنا گیا ہو محرم اس کو نہیں پہن سکتا، پس قمیص، جبہ، شلوار، پاجامہ، پتلون، بنیان، چڈی، نیکر، جانگیہ وغیرہ کا پہننا محرم کے لئے جائز نہیں اور جو کپڑا بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا جیسے لنگی (کہ وہ بدن کی ساخت پر نہیں سی جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کر سی دیتے ہیں) تو محرم اس کو پہن سکتا ہے۔ تاہم سلی ہوئی لنگی نہ پہننا افضل ہے کیوں کہ مستحب ہے کہ دو چادروں کے بیچ میں بھی سلائی نہ ہو بلکہ کپڑے کو رسی سے باندھنے اور کانٹے اور سوئی وغیرہ سے اٹکانے کو بھی فقہاء نے اچھا قرار نہیں دیا، مگر یہ کہ ضرورت ہو یعنی ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو پھر سلی ہوئی لنگی بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) أو لبس مخيطا لبسا معتادا...يوما كاملا أو ليلة كاملة وفي الأقل صدقة أي نصف صاع من بر. (الدر المختار: ۳/ ۵۷۷)

(۲) (الدر المختار: ۳/ ۴۸۸؛ امداد الفتاوی: ۲/ ۱۶۴؛ تحفۃ الالمعی: ۳/ ۲۲۹)

سر اور چہرہ ڈھانکنے پر جزا کی مقدار

مرد کو سر اور چہرہ دونوں ڈھانکنا اور عورت کو صرف چہرہ ڈھانکنا احرام میں ممنوع ہے اور چہرے سے مراد عورت کے لئے اتنا حصہ ہے جو وضو میں دھویا جاتا ہے، پس اگر سر یا چہرے کا چوتھائی حصہ یا چوتھائی سے زیادہ ایک دن یا ایک رات کے بقدر، یعنی معتدل ایام میں ۱۲ر گھنٹے تک ڈھانکے رکھا تو دم واجب ہوگا اور ۱۲ر گھنٹے سے کم ڈھانکا تو صدقۃ الفطر کے مثل صدقہ لازم ہوگا، البتہ ایک گھنٹے سے بھی کم ڈھانکا تو پھر ایک دو مٹھی گیہوں یا اس کی قیمت بھی کافی ہے۔[۱] اور یہ ڈھانکنا خواہ جان بوجھ کر ہو، یا بھول کر، سوتے میں ہو، یا جاگتے میں، مرض کی وجہ سے ہو یا بغیر مرض کے حکم میں سب برابر ہیں، یہاں تک کہ احرام میں جراثیم سے بچنے کے لئے ماسک لگایا۔ جیسا کہ آج کل اس کا فیشن ہوتا چلا ہے۔ تو مذکورہ تفصیل کے مطابق اس پر کفارہ لازم ہوگا[۲] ــــ البتہ احرام میں چھتری وغیرہ سے سایہ حاصل کرے یا منھ پر ہاتھ رکھے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے[۳] ــــ اور عورت کے لئے اگرچہ چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے مگر بوقت ضرورت اس کو ہاتھ سے یا دستی پنکھے وغیرہ سے پردہ کرنا ضروری ہے۔[۴]

---

(۱) أو ستر رأسه ...یوما کاملا أو لیلة کاملة وفی الأقل صدقة ۔ (درمختار) یوما کاملا أو لیلة، الظاهر أن المراد مقدار احدهما (وفی الأقل صدقة) أی نصف صاع من بر ۔ وشمل الأقل الساعة الواحدة: أی الفلکیة ومادونها ...وفی أقل من ساعة قبضة من بر. (ردالمحتار: ۵۷۷/۳)

(۲) سواء غطاه عامدا أو ناسیا أو أو نائما. (هندیه: ۲۴۲/۱؛ فتح القدیر: ۲۶/۲)

(۳) ولا بأس بأن یستظل بالبیت والمحمل (هندیه: ۲۴۲/۱) لو حمل المحرم علی رأسه شیئا لا یلبسه الناس یکون لابسا وان کان لا یلبسه الناس کالاجانة ونحوها فلا. (ردالمحتار: ۴۹۸/۳)

(۴) ...ووفق فی البحر بما حاصله أن محمل الاستحباب عند عدم ←

فوائد:

۱- اور مرد کا احرام پیروں اور ہاتھوں میں بھی ہے پس پیروں میں موزے (یا فل بوٹ) اور ہاتھوں میں دستانے پہننا اس کے لئے جائز نہیں،[۱] اور چونکہ چپل کے بغیر چلنا دشوار ہے اس لئے چپل پہننے میں کوئی حرج نہیں، تاہم بہتر ہے کہ ایسے چپل پہنے جس کے تسمے زیادہ چوڑے نہ ہو، موزے اگر کاٹ کر چپل کی طرح بنالئے جائیں تو ان کا پہننا بھی جائز ہے۔[۲]

۲- اور عورتوں کو موزے اور دستانے دونوں پہننا جائز ہے مگر نہ پہننا اولیٰ ہے۔ زیور وغیرہ پہننے کا بھی حکم یہی ہے کہ جائز ہے مگر نہ پہننا بہتر ہے۔[۳]

۳- سوتے وقت پیروں اور ہاتھوں کو چادر سے ڈھانکے تو حرج نہیں، اس لئے کہ یہ ڈھانکنا بحیثیت لباس کے نہیں ہے، کیوں کہ پیروں میں بحیثیت لباس موزے پہنے جاتے ہیں نہ کہ چادر وغیرہ، برخلاف سر اور چہرہ کے، کہ عادت ان کو چادر سے ڈھانکنے کی ہے، پس ان میں اجازت نہیں، کان اور گردن کا ڈھانکنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سر اور چہرہ (اور عورت کے لئے صرف چہرہ) ڈھکنا لازم نہ آئے؛ اسی طرح کان میں روئی کا پھایا وغیرہ رکھنے کی بھی گنجائش ہے کہ یہ ڈھانکنا نہیں ہے۔[۴]

← الأجانب ،وأما عند وجودهم فالارخاء واجب عليها عند الامكان وعند عدمه يجب على الأجانب غض البصر. (ردالمحتار ۳/۵۵۱،م: زکریا دیوبند)

(۱) فستر اليدين أو الرجلين بالقفازين أو الجوربين لبس. (ردالمحتار: ۳/۴۹۷)

(۲)..وقلنسوة وخفين الا أن لايجد نعلين فيقطعهما اسفل من الكعبين. (الدر المختار: ۳/۵۰۰)

(۳) فان المرأة ليست ممنوعة عن لبسهما وان كان الأولى لها أن لاتلبسهما الخ (منحة الخالق على البحر: ۲/۵٦۷)

(۴) ولا بأس بتغطية أذنيه وقفاه الخ (الدرالمختار: ۳/۴۷۹؛ ومستفاد: معلم الحجاج: ۲۷۷)

خوشبو استعمال کرنے پر جزا کی مقدار

خوشبو میں یہ تفصیل ہے کہ: بدن پر استعمال کی ہوگی؛ یا کپڑے پر؛ یا کھانے میں؛ یا پینے میں:

اگر بدن پر استعمال کی تو دم واجب ہوگا، بشرطیکہ ایک کامل بڑے عضو جیسے سر، چہرے، ڈاڑھی، ران وغیرہ پر لگائی، ورنہ صدقہ واجب ہوگا، اگر چہ اس خوشبو کو فوراً دھولیا ہو۔ اور خوشبو کے معاملہ میں صدقہ کا حکم ذرا مختلف ہے، وہ یہ کہ: اس میں کمیت کے لحاظ سے بکرے کی قیمت لازم ہوگی، یعنی اگر نصف عضو پر لگائی ہے تو بکرے کی قیمت کا نصف صدقہ لازم ہوگا، اور اگر ثلث پر لگائی تو ثلث قیمت واجب ہوگی علی ہذا لقیاس، یہاں صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر نہیں ہے (۱) —— اگر متعدد اعضاء پر تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی تو ان کو جمع کیا جائے گا، اگر پورے ایک کامل عضو کو پہنچ جائے تو دم واجب ہوگا، ورنہ اسی حساب سے صدقہ یعنی بکری کی قیمت لازم ہوگی —— پورا بدن ایک مجلس میں عضو واحد کے حکم میں ہے، پس اس سے ایک ہی دم واجب ہوگا، البتہ اگر مختلف مجالس میں الگ الگ اعضاء پر خوشبو لگائی تو اس کے بقدر دم میں تعدد ہوگا (۲)

(۱) واختلف المشايخ في الحد الفاصل بين القليل والكثير لاختلاف عبارات محمد، ففي بعضها جعل حد الكثرة عضوا كبيرا، وفي بعضها في تنفس الطيب، ورجح في البحر الأول وهو ما في المتون فافهم وقال محمد: يجب بقدره، فإن بلغ نصف العضو تجب صدقة قدر نصف قيمة الشاة أو ربعا فربع وهكذا. قال في البحر: واختاره الإمام الإسبيجابي مقتصرا عليه بلا نقل خلاف (ردالمحتار: ۵۴۵/۲)

(۲) فإن طيب مواضع متفرقة من كل عضو يجمع ذلك كله، فإذا بلغ عضوا كاملا يجب عليه دم، وإن لم يبلغ فعليه صدقة لما قلنا... وإن طيب الأعضاء كلها، فإن كان في مجلس واحد فعليه دم واحد؛ لأن جنس الجناية واحد... وإن كان في مجلسين مختلفين بأن طيب كل عضو في مجلس على حدة فعليه لكل واحد دم في قول أبي حنيفة. (بدائع الصنائع: ۱۹۰/۲)

اوراگر خوشبو کپڑے پر استعمال کی تو اگر جتلابہ کی رائے میں زیادہ مقدار میں ہو یا مقدار میں تو کم ہو لیکن ایک بالشت مربع (یعنی طول وعرض میں ایک بالشت) سے زیادہ لگی ہو، پھر وہ اسی خوشبو کے ساتھ اس کپڑے کو ایک دن یا ایک رات یعنی معتدل دن میں ۱۲ ر گھنٹے تک استعمال کرتا رہا تو دم واجب ہوگا، اوراگر خوشبو اس سے کم ہو یا استعمال ۱۲ ر گھنٹے سے کم رہا تو صدقہ فطر کے بقدر صدقہ لازم ہوگا، اور لگاتے ہی فوراً دھولیا تو کچھ واجب نہیں۔ کپڑے اور بدن میں یہ فرق ہے کہ: بدن میں فوراً دھو لینے سے جنایت ساقط نہیں ہوتی باقی رہتی ہے، جبکہ کپڑے میں ساقط ہو جاتی ہے۔ (۱)

اوراگر خوشبو کھانے میں استعمال کی تو خوشبو ڈالنے کے بعد کھانا پکالیا گیا تو کچھ واجب نہیں اگر چہ کھانے میں سے خوشبو پھوٹ رہی ہو، اوراگر کھانا پکایا نہیں گیا تو دم واجب ہوگا جبکہ خوشبو جتلابہ کی رائے میں کثیر ہو، ورنہ صدقہ فطر کے بقدر صدقہ لازم ہوگا (۲)

اوراگر پینے میں خوشبو استعمال کی مثلاً چائے، قہوہ، شربت وغیرہ میں تو اگر خوشبو

---

(۱)ظاہرہ أن مازاد علی الشبر کثیر لکن لااعتبار الکثرة من الثوب بل لکثرة الطیب حینئذ عرفاً فإن مکث یوماً فعلیه دم أو أقل منه فهو صدقة وحینئذ إذا کان الطیب في نفسه کثیراً لزم الدم وإن أصاب من الثوب أقل من شبر. (غنیة الناسك: ۲۴۵؛ ردالمحتار: ۲/ ۵۴۵)

(۲)ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شیء علی المحرم فی أکله سواء کان یوجد رائحته أو لا۔ وان خلطه بما یؤکل بلا طبخ فان کان مغلوبا فلا شیء علیه غیر أنه ان وجدت معه الرائحة کره وان کان غالبا وجب الجزاء...وان أکل عین الیطب غیر مخلوط بالطعام فعلیه الدم اذا کان کثیراً. (هندیه: ۱/ ۲۴۱؛ ردالمحتار: ۳/ ۵۷۶؛ تاتارخانیة: ۲/ ۵۰۶) وفرق الغالب والمغلوب بکثرة الأجزاء. فلو أکل طیبا کثیرا وهو ان یلتصق باکثر فمه یجب الدم وان کان قلیلا بان لم یلتصق بأکثر فمه فعلیه الصدقة هذا اذا کله کما هو من غیر خلط أو طبخ .(غنیة الناسک:۲۴۷)

غالب ہے یعنی خوب مہک رہی ہے تو دم واجب ہوگا اور اگر مغلوب ہے تو بقدر صدقہ فطر صدقہ لازم ہوگا لیکن اگر کئی بار پیا تو مغلوب میں بھی دم واجب ہوگا۔(۱) اور پینے کی چیزوں میں خوشبو ملا کر پکانے سے کچھ فرق نہ آئے گا خواہ پکایا جائے یا نہ پکایا جائے جزا بہر صورت لازم ہوگی۔(۲)

فوائد:

۱- خوشبو سے مراد وہ چیز ہے جس میں لذت بخش بو ہو اور عاقل لوگ اس کو خوشبو شمار کرتے ہوں،(۳) پس احرام میں پان کھایا تو اس میں کچھ لازم نہیں اس لئے کہ پان میں ایسی کوئی خوشبو نہیں ہے ہاں! اگر الائچی وغیرہ خوشبو ڈالی ہے تو پھر اس پان کا کھانا مکروہ ہے مگر جنایت اس صورت میں بھی نہیں ہے کیوں یہ خوشبو پان وتمباکو میں مغلوب ہو جاتی ہے۔(۴)

۲- منجن یا ٹوتھ پیسٹ یا صابن یا دوا وغیرہ جن میں خوشبو پائی جاتی ہوں ان کو بھی احرام میں استعمال نہ کرے، ورنہ صدقہ واجب ہوگا اور زیادہ استعمال کیا (یعنی خود مبتلی بہ کی رائے مطابق) تو دم واجب ہوگا۔(۵) البتہ دوا میں لذت بخش خوشبو نہ

(۱) ولو خلطه بما يشرب فان كان غالبا فدم والا فصدقة الا أن يشرب مرارا فيجب دم. (هنديه: ۲۴۱/۱، ردالمحتار: ۵۷۶/۳، م: زكريا)

(۲) (معلم الحجاج: ۲۲۶، غنية: ۲۴۷) وفي اللباب: لايشترط بقاء الطيب في البدن زمانا لوجوب الجزاء ويشترط ذالك في الثوب، فلو أصاب جسده طيب كثير فعليه دم وان غسل من ساعته وينبغي أن يأمر غيره فيغسله، وان أصاب ثوبه فحكه أو غسله فلا شيء عليه وان كثر، وان مكث عليه يوما فعليه دم والا فصدقة اه (منحة الخالق على البحر الرائق: ۵/۳)

(۳) الطيب كل شيء له رائحة مستلذة ويعده العقلاء طيبا، كذا في السراج الوهاج. (هنديه: ۲۴۰/۱) (۴) (إمداد الفتاوى: ۱۶۱/۲)

(۵) (مستفاد: رحيميه: ۲۸۵/۸، غنية: ۲۴۸)

ہو (جیسا کہ علاج ایسا ہی ہوتا ہے) تو دوا لگانے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح نہاتے وقت صابن بھی جس میں لذت بخش خوشبو نہ ہو استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے بال ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن بہتر یہ ہے کہ احرام میں میل صاف نہ کیا جائے(۱)

۳- بال منڈاتے وقت خوشبو دار کریم ہرگز استعمال نہ کرے جیسا کہ بعض لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، کیونکہ اگر اس میں خوشبو غالب ہے اور پورے سر پر لگائی تو اس سے دم واجب ہوگا، اور کم لگائی تو اسی حساب سے بکری کی قیمت لازم ہوگی۔(۲)

۴- اور خوشبودار سرمہ میں کثرت فعل کا اعتبار ہے یعنی اگر ایک بار یا دو بار لگایا تو صدقہ واجب ہوگا اور اگر تین بار لگایا تو دم واجب ہوگا، اور جس سرمہ میں کوئی خوشبو نہیں ہے اس کو لگانے میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

۵- اور مہندی (حنا) کو بھی حدیث میں خوشبو کہا گیا ہے، پس احرام میں مہندی لگانا جائز نہیں، اگر مرد نے مکمل ڈاڑھی کو یا مرد اور عورت نے اپنے پورے سر یا ہاتھ یا ہتھیلی کو یا کسی بڑے کامل عضو کو مہندی لگائی تو دم واجب ہوگا، اور اگر عضو کے بعض حصہ پر لگائی تو صدقہ واجب ہوگا خواہ مہندی لگاتے ہی فوراً اس کو دھو دیا ہو۔(۴)

---

(۱) الطيب كل شيء له رائحة مستلذة ويعده العقلاء طيبا، كذا في السراج الوهاج. (هنديه: ۱/ ۲۴۰) ولو غسل رأسه بالحرض والصابون لادواية فيه وقالو الاشيء فيه لأنه ليس بطيب ولا يقتل الخ (غنية الناسک: ۲۴۹)

(۲) ولو غسل رأسه بالخطمي فعليه دم عند أبي حنيفة. (غنية الناسك: ۲۴۸)

(۳) ولا بأس بان يكتحل بكحل ليس فيه طيب. (هنديه: ۱/ ۲۴۴) فلو اكتحل بمطيب مرة أو مرتين فعليه صدقة ولو كثيرا فعليه دم. (الدر المختار: ۳/ ۵۰۱)

(۴) فإن خضب رأسه ولحيته بالحناء فعليه دم، لأن الحناء طيب...وإن خضبت المحرمة يديها بالحناء فعليها دم وإن كان قليلا فعليها صدقة، لأن الارتفاق الكامل لايحصل إلا بتطييب عضو كامل الخ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۹) بخلاف تطييب العضو فانه لايعتبر فيه الزمان حتى لو غسله من ساعته فالدم واجب. (البحر: ۳/ ۵)

بال کاٹنے پر جزا کی مقدار

بدن کے اس حصہ کے بالوں کو کاٹا یا کترایا اکھاڑا یا بال صفا پاؤڈر سے صاف کیا جہاں کے بال عادتاً کاٹے جاتے ہیں جیسے سر، گردن، بغل اور زیر ناف کے بال تو اس میں دم واجب ہوگا اور اگر ایسے عضو کے بالوں کو کاٹا جس کے بال عادتاً نہیں کاٹے جاتے مثلاً سینہ، پنڈلی وغیرہ تو اس میں صدقہ واجب ہوگا(۱) ــــ سر اور ڈاڑھی کا چوتھائی حصہ کے بال کاٹنا کل کے قائم مقام ہے پس اس میں دم واجب ہوگا(۲) ــــ اگر ایک دو بال کاٹے تو ہر بال کے بدلہ میں ایک لپ گیہوں صدقہ کرنا واجب ہے اور اگر تین سے زیادہ ہو تو نصف صاع صدقہ لازم ہے(۳) وضو کرتے ہوئے یا کھجلی کرتے وقت یا کسی اور طرح سے بال گر جائے تو بھی یہی حکم ہے، پس احتیاط کرنی چاہئے(۴) ــــ مونچھیں اگر مونڈی یا قینچی سے کتری تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہ ڈاڑھی کا ایک جزو ہے اور ڈاڑھی کے ساتھ مل کر چوتھائی حصہ سے کم ہوتی ہے پس اس میں دم نہیں بلکہ صدقہ واجب ہے۔(۵)

محرم نے ارکان ادا کرنے سے پہلے دوسرے محرم کے سر کے بال کاٹے تو جس

(۱) وفی المبسوط: ثم الأصل بعد هذا أنه متى حلق عضوا مقصودا بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم، وإن حلق ماليس بمقصود فعليه صدقة ثم قال: ومما ليس بمقصود: حلق شعر الصدر والساق، ومما ليس بمقصود: حلق الرأس والابطين الخ (تاتارخانية: ۲/۱۰۵؛ ردالمحتار: ۳/۵۸۰)

(۲) وإنما كان حلق ربع الرأس أو ربع اللحية موجبا للدم. (البحر الرائق: ۳/۱۵)

(۳) وإن نتف من رأسه أو أنفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر كف من طعام ...إن نصف الصاع إنما هو في الزائد من الشعرات الثلاث (غنية الناسك: ۲۵۶)

(۴) (غنية الناسك: ۲۵۷)

(۵) ..واللحية مع الشارب عضو واحد فتح (ردالمحتار: ۵۷۹؛ غنية الناسك: ۲۵۷)

کے بال کاٹے گئے ہیں اس پر دم اور کاٹنے والے پر نصف صاع صدقہ لازم ہے۔ اور اگر محرم نے کسی حلال کے بال مونڈے تو مونڈنے والے پر صدقہ واجب ہے، مگر جو چاہے صدقہ کردے ایک دو مٹھی بھی کافی ہے، اور مونڈوانے والے حلال پر صحیح قول کے مطابق کچھ واجب نہیں ہے، اور اگر اس کے برعکس صورت ہو یعنی حلال نے محرم کے بال مونڈے تو مونڈنے والے پر کچھ واجب نہیں اور مونڈوانے والے محرم پر دم واجب ہوگا[1]۔۔۔۔ اگر کسی محرم نے بیماری یا کوئی اور عذر کی وجہ سے اپنے بال کاٹے تو اس کو دم یا صدقہ یا تین روزے میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہے۔[2] اور اگر محرم نے تمام ارکان ادا کرلئے اور حلال ہونے کے وقت اپنے بال کاٹنے سے پہلے دوسرے شخص کے بال کاٹے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، کوئی چیز لازم نہ ہوگی، البتہ حلق یا قصر سے پہلے ناخن کاٹنا یا کٹوانا ممنوع ہے، اس سے وہ جنایت لازم ہوگی، جس کا ذکر متصلاً آرہا ہے۔[3]

ناخن تراشنے پر جزا کی مقدار

ایک ہاتھ کے پانچوں ناخن یا ایک پاؤں کے پانچوں ناخن ایک یا دو مجلس میں

(۱) اعلم أن الحالق و المحلوق إما أن یکونا محرمین أو حلالین أو الحالق محرما و المحلوق حلالا أو بالعکس، ففی کل علی الحالق صدقة إلا أن یکونا حلالین، وعلی المحلوق دم إلا أن یکون حلالا. لکن فی حلق المحرم رأس حلال یتصدق الحالق بماشاء، وفی غیره الصدقة نصف صاع کما فی الفتح و البحر، وبه یعلم مافی قوله "أو حلال" ووقع فی العنایة: فیما إذا کان الحالق حلالا و المحلوق محرما أنه لا شیء علی الحالق اتفاقا، فلیتأمل (ردالمحتار: ۳/۵۹۰، تاتارخانیة: ۲/۵۰۱)

(۲) ..بعذر خیرا ان شاء ذبح فی الحرم أو تصدق بثلاثة أصوع طعام علی ستة مساکین أین شاء أو صیام ثلاثة أیام ولو متفرقة. (الدر المختار: ۳/۵۱۹)

(۳) ولو حلق رأسه أو رأس غیره من حلال أو محرم جاز له الحلق لم یلزمهما شيء. (غنیة الناسك: ۱۷۴)

کاٹے تو دم واجب ہوگا[۱] ـــــ دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کے ناخن (کل ۲۰ر ناخن) ایک مجلس میں کاٹے تب بھی استحساناً ایک دم واجب ہے، لیکن اگر چاروں اعضا کے ناخن چار مجلس میں کاٹے اس طرح کہ ہر مجلس میں ایک عضو کے مکمل (پانچوں) ناخن کاٹے تو اس پر چار دم لازم ہوں گے (علیٰ ہذا)[۲] ـــــ اگر ایک دو انگلیوں کے ناخن تراشے تو ہر انگلی کے عوض نصف صاع گندم واجب ہے۔ اگر چاروں اعضا میں سے ہر عضو کے تھوڑے تھوڑے ناخن کاٹے یعنی مثلاً دو ناخن ایک ہاتھ کے اور تین دوسرے ہاتھ کے یا ہر عضو کے چار چار کل ۱۶ر ناخن کاٹے تب بھی طرفین کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی ہر ناخن کے عوض نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔ ہاں! اگر سب ناخنوں کا صدقہ ملا کر دم کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو جائے تو پھر اسے اختیار ہوگا کہ دم دے یا صدقہ کرے۔[۳]

جماع یا دواعی جماع پر جزا کی مقدار

احرام میں جماع عظیم ترین گناہ اور شدید ترین جرم ہے، اگر وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو اس پر ایک بکری لازم ہوگی اور اس کا حج فاسد ہو جائے گا، لیکن باقی ارکان کو

(۱) وإن قص يدا أو رجلا فعليه دم لأن للربع حكم الكل. (اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۸۲)

(۲) وإن قص أظافير يديه أو رجليه في مجلس واحد فعليه دم واحد، لأنه إزالة الأذا من نوع واحد، وقيدنا بالمجلس والواحد لأنه إذا تعدد المجلس تعدد الدم. (اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۸۲؛ هندية: ۱/۲۴۴؛ البحر الرائق: ۳/۲۱)

(۳) ولو قلم ثلاثة أظافير من يد واحدة أو رجل واحدة تجب عليه الصدقة ولكل ظفر نصف صاع من حنطة. وكذالك لو قلم من كل عضو من الأعضاء الأربعة أربعة أظافير تجب عليه الصدقة وإن كان جملتها ستة عشر في كل ظفر نصف صاع من حنطة إلا إذا بلغت قيمة الطعام دما فينقص منه ماشاء. (هندية: ۱/۲۴۴؛ تاتارخانية: ۲/۵۰۳)

اسی طرح ادا کرتا رہے جیسا کہ وہ شخص ادا کرتا ہے جس کا حج فاسد نہیں ہوا، اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اگرچہ نفل حج ہو اس لئے کہ نفل حج شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ نفل نماز کا حکم ہے۔ اور اگر وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) کا ذبح کرنا واجب ہے اور اس کا حج فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ اس نے حج کا رکن اعظم جس کے فوت ہونے سے حج فاسد ہوتا ہے وہ ادا کرچکا ہے[1] ــــ اگر قارن (ایک ہی احرام سے حج اور عمرہ کرنے والے) نے عمرہ اور وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو اس کا حج اور عمرہ دونوں فاسد ہوجائیں گے (دونوں کی قضا لازم ہوگی) اور دو احراموں پر جنایت کی وجہ سے دو دم (دو بکریاں) واجب ہوں گے اور دم قران ساقط ہوجائے گا[2] ــــ اگر قارن نے عمرہ کے بعد اور وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو عمرہ صحیح ہے اور حج فاسد ہوگیا، پس صرف حج کی قضا واجب ہوگی اور اس پر دو دم (دو بکریاں) لازم ہیں: ایک بکری حج فاسد کرنے کی وجہ سے اور ایک بکری عمرہ کے احرام میں جنایت کرنے کہ وجہ سے اور دم قران ساقط ہوجائے گا[3] ــــ اگر قارن نے عمرہ کی ادائیگی اور وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج اور عمرہ دونوں صحیح ہیں پس دم قران ساقط نہ ہوگا، لیکن احرام حج میں (بعد الوقوف) جماع کی وجہ سے

(۱) ومن جامع في أحد السبيلين من آدمي قبل الوقوف بعرفة فسد حجه ووجب عليه شاة أو سبع بدنة ويمضي وجوبا في فاسد الحج كمايمضي من لم يفسد الحج ووجب عليه القضاء فورا ولو حجه نفلا لوجوبه بالشروع. ومن جامع بعد الوقوف بعرفة قبل الحلق لم يفسد حجه ووجب عليه بدنة. (اللباب: ۱/ ۱۸۳؛ ردالمحتار: ۳/ ۵۹۲)

(۲) وإن كان قارنا وجامع قبل أن يطوف لعمرته فسدت عمرته وحجته ويمضي فيهما وعليه حجة وعمرة من قابل وسقط دم القران. (هنديه: ۱/ ۲۴۵)

(۳) وإن جامع بعد ماطاف لعمرته قبل الوقوف فسدت حجته ولم تفسد عمرته وعليه دمان وعليه قضاء الحج وسقط عنه دم القران. (هنديه: ۱/ ۲۴۵)

ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوگا اور احرام عمرہ میں جنایت کی وجہ سے ایک بکری واجب ہوگی[۱] ــــ اگر صرف عمرہ کا احرام ہو اور اس میں جماع کیا تو اگر مکمل طواف یا اکثر طواف (چار پھیرے) کے بعد اور حلق کرانے سے پہلے جماع کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہ ہوگا کیوں کہ وہ رکن عمرہ (طواف) ادا کر چکا ہے، اور اگر اکثر طواف سے پہلے جماع کیا تو اس کا عمرہ فاسد ہوگیا قضا واجب ہوگی اور احرام میں جنایت کی وجہ سے ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے۔ اگر حلق کے بعد جماع کیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا[۲] ــــ ایک مجلس میں متعدد بار جماع کیا تو ایک ہی کفارہ واجب ہوگا اور مختلف مجالس میں جماع کیا تو ہر مجلس کے جماع کا کفارہ علاحدہ واجب ہوگا[۳] ــــ دواعی جماع: یعنی بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ چھونا، لپٹنا، معانقہ کرنا وغیرہ سے حج وعمرہ فاسد نہ ہوگا، مگر یہ سب چیزیں بھی احرام میں ممنوع اور گناہ ہیں اگر اس کا ارتکاب کیا تو ایک بکری واجب ہوگی خواہ انزال ہو یا نہ ہو، لیکن جامع الصغیر میں ہے کہ انزال نہ ہو تو کچھ واجب نہیں، قاضی خاں نے جامع الصغیر کی شرح میں اسی کو صحیح کہا ہے[۴] ــــ اگر (بغیر چھوئے) محض شرمگاہ کی طرف دیکھنے یا دل میں شہوت کا تصور و

---

(۱) وإن جامع بعد ما وقف بعرفة لاتفسد عمرته ولا حجته وعليه جزور لحجته وشاة لعمرته ولزم دم القران. (أيضا)

(۲) ووطؤه في عمرته قبل طوافه أربعة مفسد لها فمضى وذبح وقضى وجوبا، ووطؤه بعد أربعة ذبح ولم يفسد. (الدرالمختار: ۳/ ۵۹۵)

(۳) إن كان في مجلس واحد لايجب إلا دم واحد وإن كان في مجلسين مختلفين فعلى كل واحد منهم دمان الخ (هنديه: ۱/ ۲۴۵)

(۴) الجماع فيما دون الفرج واللمس والقبلة بشهوة لاتفسد الحج والعمرة أنزل أو لم ينزل وعليه دم الخ (هنديه: ۱/ ۲۴۴) واشترط في الجامع الصغير الإنزال، وصححه قاضيخان في شرحه. (ردالمحتار: ۳/ ۵۸٦)

تفکر کرنے سے انزال ہوگیا تو اس میں سوائے غسل کے کچھ واجب نہ ہوگا۔[1]

وحشی جانور کا شکار کرنے پر جزا کی مقدار

وحشی جانور سے مراد وہ جانور ہے جو پیدائش کے اعتبار سے لوگوں سے مانوس نہ ہو اور لوگوں سے بھاگتا ہو اور تنہائی اختیار کرتا ہو۔ اگر چہ بعد میں مانوس ہوگیا ہو۔ پس ہرن، ہاتھی، بندر، شیر، بھیڑیا، خرگوش، کبوتر، بطخ، طوطہ وغیرہ خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو شکار میں داخل ہیں، احرام کی حالت میں یا حرم میں ان کا شکار کرنے سے یا شکار کی طرف رہنمائی کرنے سے جزا لازم ہوگی[2] اور وہ شکار کیا ہوا جانور مردار کے حکم میں ہوجائے گا اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، اگر چہ اس پر اللہ کا نام لیا ہو[3] البتہ اگر کوئی درندہ شیر، چیتا وغیرہ نے محرم پر حملہ کر دیا پھر اس نے دفاع میں اس جانور کو مارڈالا تو بالاتفاق اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور محیط میں ہے کہ اگر اس حملہ کرنے والے جانور کو قتل کئے بنا اس سے بچنا ممکن تھا پھر بھی قتل کر دیا تو اس شخص پر جزا واجب ہوگی ورنہ واجب نہیں۔[4]

شکار کی جزا یہ ہے کہ اس مقام پر دو معتبر اور واقف کار اشخاص (جن کو شکار کی قیمت کا اندازہ کرنے میں معرفت وبصارت ہو) کے ذریعے جانور کی قیمت لگائی

(۱) وإن نظر إلی فرج امرأة بشهوة فأمنی لاشيء علیه کما لو تفکر فأمنی کذا في الهداية. (هندیه: ۱/۲۴۴)

(۲) وحقيقة الصيد حيوان ممتنع متوحش بأصل الخلقة .فدخل الظبی المستأنس وإن كانت ذكاته بالذبح ،وخرج البعير و الشاة إذا استوحشا وإن كانت ذكاته بالعقر الخ. (البحر الرائق: ۳/۴۲)

(۳) فذبیحته میتة لایحل أکلها لأحد من محرم أو حلال. (اللباب: ۱/۱۸۹)

(۴) وسبع أی حیوان صائل لایمکن دفعه إلا بالقتل ،فلو أمکن بغیر قتله لزمه الجزاء. (الدر المختار: ۳/۲۰۹؛ البحر الرائق: ۳/۶۳)

جائے، پھر اس قیمت سے قربانی کے لائق کوئی جانور مل سکتا ہو تو خرید کر ذبح کر دے (اور اس قربانی کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ سارا صدقہ کردے، اگر کھالیا تو اس قدر گوشت کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے) اور اگر جانور نہیں خریدنا ہے تو اس قیمت سے گیہوں خرید کر ایک ایک مسکین کو نصف صاع (بقدر صدقہ فطر) کے حساب سے صدقہ کردے، ورنہ ہر نصف صاع گیہوں کے عوض ایک روزہ رکھ لے، اس کو ان تینوں (قربانی، صدقہ اور روزہ) میں سے کسی ایک کا اختیار ہے، یہی صحیح ہے۔ (۱)

جو جانور وحشی نہیں جیسے بکری، اونٹ، گائے، بھینس، مرغا، کتا، بلی وغیرہ ان کو مارنے سے کوئی جزا لازم نہ ہوگی، اسی طرح دریائی جانور کے شکار میں بھی کوئی حرج نہیں، خواہ وہ دریائی جانور کوئی سا بھی ہو اور اگرچہ حدودِ حرم کے اندر ہو۔

نیز ۷ موذی جانور بھی شکار ہونے سے مستثنٰی ہے کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حل وحرم، احرام اور غیر احرام میں ان کو مارنے کی اجازت دی ہے اور وہ جانور یہ ہیں: کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا اور کٹ کھنا کتا۔ پھر فقہاء کرام نے ان سات جانوروں پر قیاس کر کے بعض حشرات الارض کا حکم بھی یہی بیان کیا ہے جو موذی جانوروں میں سے ہیں، جیسے کن کھجورا، ایذا پہنچانی والی چیونٹی، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، بھڑ، گرگٹ، چھپکلی، کیکڑا وغیرہ پس ان جانوروں کو حرم واحرام میں مارنے سے کوئی جزا اور گناہ لازم نہ ہوگا کیوں کہ یہ جانور اکثر ایذا پہنچانے میں ابتدا کرتے ہیں پس وہ

(۱) والجزاء قیمة الصید بأن یقومه عدلان فی المکان الذی قتله فیه فی زمان القتل... ثم هو مخیر فی القیمة إن شاء اشتری بها هدیا و ذبحه إن بلغت القیمة هدیا وإن شاء اشتری طعاما وتصدق علی کل مسکین نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعیر وإن شاء صام، فإن اختار الصوم قوم المقتول طعاما عن کل نصف صاع یوما. (هندیه: ۱/۲۴۸-۲۴۷)

سانپ بچھوں کے حکم میں ہوں گے۔ (۱)

البتہ جوں کا مارنا جائز نہیں، اگرچہ وہ ایذا پہنچاتی ہے، کیوں کہ وہ بدن سے پیدا ہونے والا کیڑا ہے، اور اس میں اصول یہ ہے کہ: جو کیڑے بدن سے پیدا ہوں ان کا مارنا جائز نہیں کیوں کہ یہ میل کچیل سے پیدا ہوتے ہیں اور محرم کے لئے بالوں کی طرح میل کچیل دور کرنا ممنوع ہے، اور جو کیڑے بدن سے پیدا نہ ہوں اور موذی ہوں جیسے کھٹمل وغیرہ ان کا مارنا جائز ہے۔ پس اگر کسی نے جوں کو مارا تو ایک مشت گیہوں یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ جو چاہے صدقہ کردے، البتہ اگر تین سے زیادہ جوئیں ماری اور زیادہ خواہ کتنی ہی ہوں تو ایک صدقۃ الفطر دینا واجب ہوگا، لیکن اگر محرم نے زمین پر پڑی ہوئی جوں کو -بشرطیکہ خود اس نے نہ ڈالی ہو- یا اپنے بدن یا کپڑے کے علاوہ کسی اور کے بدن یا کپڑے سے جوں کو ماردیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ (۲)

وحشی پرندے کا انڈا احتیاطاً شکار کے حکم میں ہے، پس اگر کسی نے انڈا توڑا تو

(۱) فلایحرم علی المحرم ذبح الإبل والبقر والغنم لأنها لیست بصید لعدم الامتناع وعدم التوحش من الناس...أما صید البحر فیحل اصطیاده للحلال والمحرم جمیعا مأکولا أو غیر مأکول الخ (بدائع الصنائع: ۲/۴۲۷) ولیس فی قتل البعوض والبراغیث والقُراد والفراش والذباب والوزغ والزنبور والخنافس والسلحفاة والقنفذ والصرصر وجمیع هوام الأرض شیء من الجزاء لأنها لیست بصیود ولا متلود من البدن. (اللباب فی شرح الکتاب: ۱/۱۸۸؛ رد المحتار: ۳/۶۰۷)

(۲) ومن قتل قملة تصدق بماشاء مثل کف من طعام وهذا إذا أخذ القملة من بدنه أو رأسه أو ثوبه أما إذا أخذها من الأرض فقتلها فلا شیء فیه سواء قتل القملة أو ألقاها علی الأرض وإن قتل قملتین أو ثلاثا تصدق بکف من طعام وفي الزیادة علی ذالك نصف صاع من حنطة. (هندیه: ۱/۲۵۲) حتی لو قتل ما علی الأرض من القمل فإنه لا شیء علیه، أو قتلها من بدن غیره فکذالك (البحر الرائق: ۳/۶۱)

اگر وہ انڈا گندا نہیں ہوا تھا تو اس پر اس انڈے کی قیمت واجب ہوگی اور اگر وہ انڈا گندا ہو چکا تھا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکلا تو اگر یہ معلوم ہے کہ یہ بچہ انڈا توڑنے سے پہلے ہی مرا ہوا تھا تو اس پر کچھ واجب نہیں اور اگر بچہ انڈا توڑنے کی وجہ سے مر گیا یا اس کے مرنے کی وجہ ہی معلوم نہ ہو سکی تو ان دونوں صورتوں میں زندہ بچے کی قیمت واجب ہوگی۔ (۱)

اگر محرم نے شکار کو زخمی کیا تو اگر اس زخم سے وہ جانور شکار کی حد سے نکل گیا مثلاً ہرن کا پیر توڑ دیا یا پرندے کا پر توڑ دیا کہ اب وہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تو پورے شکار کی قیمت لازم ہوگی، ورنہ جس قدر جانور کی قیمت کم ہو اس کا ضمان واجب ہوگا۔ (۲)

اگر دو یا زیادہ آدمی نے مل کر احرام کی حالت میں کسی ایک جانور کا شکار کیا تو ہر ایک پر پوری جزا واجب ہوگی، کیوں کہ فعل متعدد ہونے سے جزا بھی متعدد ہوتی ہے، البتہ اگر دو یا زیادہ آدمی جو حلال (یعنی بغیر احرام کے) تھے حرم کے جانور کے شکار میں شریک ہوئے تو سب کے درمیان ایک ہی جزا لازم ہوگی، کیوں کہ حرم کے شکار

(۱) وكسر بيضه غير المذر (درمختار) قيد به لأنه لو كسر بيضة مذرة لا شيء عليه. (شامية: ۲۰۲/۳) أما إذا خرج فرخ ميت. قال في العناية: هذه المسئلة لا تخلو من أن علم أنه كان حيا ومات بالكسر أو علم أنه كان ميتا ولم يعلم أن موته بسبب الكسر أو لا، فإن كان الأول ضمن قيمته وإن كان الثاني فلا شيء عليه، وإن كان الثالث فالقياس أن لا يغرم سوى قيمة البيض الخ (منحة الخالق على البحر: ۵۸/۳)

(۲) وأما حكم الصيد إذا جرحه المحرم فإن جرحه جرحا يخرجه عن حد الصيد وهو الممتنع المتوحش بأن قطع رجل ظبي أو جناح طائر فعليه الجزاء لأنه أتلفه حيث أخرجه عن حد الصيد فيضمن قيمته وإن جرحه جرحا لم يخرجه عن حد الصيد يضمن ما نقصته الجراحة الخ (بدائع الصنائع: ۴۴۳/۲)

میں اتحادِ محل (شکار کے ایک ہونے کا) اعتبار ہے فعل کے متعدد ہونے کا نہیں پس اس ایک جزا کو سب پر برابر تقسیم کردی جائے گی۔ (۱)

اگر قارن نے شکار کیا تو دو احراموں میں جنایت کی وجہ سے اس پر جزا دو چند لازم ہوگی۔ (۲)

فائدہ (۱): شکار تین صورتوں میں امن میں ہوتا ہے یعنی اس کو مارنا جائز نہیں، اول: آدمی احرام میں ہو۔ دوم: شکار حرم میں ہو۔ سوم: آدمی حرم میں ہو اور شکار حرم سے باہر ہو، پس حرم میں رہ کر حل میں موجود شکار پر تیر یا گولی چلانا بھی جائز نہیں (۳)

فائدہ (۲): اگر کسی حلال آدمی نے حرم سے باہر شکار کیا تو محرم اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے، خواہ اس نے خود اپنے لئے شکار کیا ہو یا محرم کے لئے، بشرطیکہ یہ شکار محرم کے حکم سے یا اس کے اشارہ سے یا تعاون سے یا دلالت (رہنمائی) سے نہ کیا گیا ہو، ورنہ یہ شکار مردار کے حکم میں ہوجائے گا اس کا کھانا جائز نہ ہوگا نہ محرم کھا سکتا ہے اور نہ غیر محرم۔ (۴)

---

(۱) ولو قتل محرمان صیدا تعدد الجزاء لتعدد الفعل ولو حلالان صید الحرم لا لاتحاد المحل. (الدر المختار: ۶۱۸/۳)

(۲) فعلیه أی القارن دمان لجنایته علی الحج والعمرة فیجب علیه دم لحجته ودم لعمرته وکذا الصدقة. (اللباب في شرح الکتاب: ۱۹۰/۱)

(۳) قال فی المحیط: ثم الصید إنما یصیر آمنا بثلاثة أشیاء: بإحرام الصائد وبدخول الصید الحرم وبدخول الصائد فی الحرم الخ (البحر الرائق: ۶۸/۳)

(۴) وإن ذبح المحرم صیدا مطلقا أو الحلال صید الحرم فذبیحته میتة لا یحل أکلها لأحد من محرم أو حلال ولا بأس أن یأکل المحرم لحم صید اصطاده حلال من حل أو ذبحه، اذا لم یدله المحرم علیه ولا أمره بصیده سواء اصطاده لنفسه أو للمحرم حیث لم یکن فیه صنع. (اللباب في شرح الکتاب: ۱۸۹/۱)

محرم نے یہ خیال کر کے کہ وہ احرام سے نکل گیا ہے کئی جنایتیں کر لی تو؟

اگر کسی محرم نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ احرام سے نکل چکا ہے اور ممنوعات احرام میں سے کئی چیزوں کا ارتکاب کر لیا تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا، کیوں کہ یہ تمام جنایات قصد واحد کی طرف منسوب ہوگی، خواہ وقوف عرفہ سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا ہو یا وقوف کے بعد، البتہ وقوف سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد ہو جائے گا، اگر چہ بے خبری میں کیا ہو۔ (۱)

مقام حرم کی ممنوعات اور ان کے ارتکاب پر جنایات

حرم کے احکام دیگر جگہوں سے مختلف ہیں، وہاں شکار کرنا اور درخت، گھاس وغیرہ کاٹنا جائز نہیں، شکار کا ذکر تو ابھی اوپر ہو چکا —— درخت اور گھاس میں یہ تفصیل ہے:

(۱) درخت ایسا ہو جس کو انسان اگاتا ہے، جیسے: گیہوں، باجرا، آم، سیب، کیلا وغیرہ اس کا کاٹنا جائز ہے خواہ خود اگا ہو یا کسی نے اگایا ہو۔

(۲) خودرو گھاس اور ایسا درخت جس کو عام طور پر لوگ بوتے اور لگاتے نہیں جیسے پیلو، نیم، کیکر وغیرہ، اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: کسی انسان نے اس کو بویا ہے، تو اس کا بھی کاٹنا جائز ہے۔

دوم: خود بخود اگا ہے، تو اس کا کاٹنا جائز نہیں، جزا واجب ہوگی۔ جزا کا مطلب: اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اور قصداً کاٹا ہے تو توبہ بھی لازم ہے۔

البتہ یہ خودرو گھاس اور درخت یا اس کی کوئی ٹہنی سوکھ جائے تو اس کے کاٹنے میں

(۱) فإن المحرم إذا نوى رفض الإحرام فجعل يصنع مايصنعه الحلال من لبس الثياب والتطيب والحلق والجماع وقتل الصيد فعليه دم واحد ...سواء نوى الرفض قبل الوقوف أو بعده إلا أن الإحرام يفسد بالجماع قبله الخ (غنية الناسك :۳۱۳)

کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح اذخر گھاس بھی کاٹ سکتے ہیں خواہ خشک ہو یا ہری کیوں کہ شارع علیہ السلام نے اس گھاس کو مستثنیٰ کیا ہے، پس اس کے کاٹنے میں کوئی جزا نہیں۔ اذخر یہ ایک خوشبودار گھاس ہے جو چھت وغیرہ کے کام آتی ہے ہندی میں اس کو گندھیس اور گندھیل اور بھڑانچ کی گھاس کہتے ہیں۔ (۱)

اور حرم کی گھاس جانوروں کو چرانا بھی جائز نہیں، یہ طرفین (امام ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ) کا قول ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے چرانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اگر جانور خود بخود چرے، مالک نے چرنے کے لئے نہیں چھوڑا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی جزا نہیں۔ (۲)

فائدہ: جاننا چاہئے کہ حرم میں خودرو گھاس یا درخت شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں، وہاں پتھر ہی پتھر ہیں، گھاس کا نام و نشان نہیں، البتہ اب حکومت اس کی طرف متوجہ ہے اس نے درخت لگائے ہیں مگر وہ انسان کے اگائے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو کاٹنا جائز ہے۔ (۳)

---

(۱) فالحاصل أن النابت فی الحرم إما إذخر أو غیرہ، فالأول سیتشنیہ، والثانی: علی ثلاثة إما أن یجف أو ینکسر أو لیس واحدا منهما، وقد استثنی ماجف أی یبس ویلحق به المنکسر وأما مالیس واحدا منهما فهو علی قسمین: إما أن یکون أنبته الناس أو لا، والأول لاشیء فیه سواء کان من جنس ماینبته الناس أو لا، والثانی إن کان من جنس ماینبته الناس فلاشیء علیه وإلا ففیه الجزاء فما فیه الجزاء هو مانبت بنفسه ولیس من جنس ماأنبته الناس ولا منکسرا ولا جافا ولا إذخرا. (البحر الرائق: ۳/۷۷)

(۲) ولا یرعی حشیشه بدابة (الدر المختار) أی عندهما، وجوزہ أبو یوسف للضرورة... لو ارتعت بنفسها لاشیء علیه اتفاقا... وإنما الخلاف فی إرسالها للرعی وهو مضاف إلیه. (رد المحتار: ۳/۶۰۴-۶۰۳؛ هندیه: ۱/۲۵۲)

(۳) (تحفة الالمعی: ۳/۱۹٦)

میقات کا بیان

میقات: وہ جگہ ہے جہاں سے احرام باندھنا واجب ہے، بغیر احرام کے اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔ اور میقات تین طرح کا ہے: ایک اہل حرم کا۔ دوسرا اہل حل کا۔ تیسرا اہل آفاق کا۔

اہل حرم کا میقات:

حرم کے باشندوں کو اہل حرم یا حرمی کہتے ہیں۔ حرم بیت اللہ کے اردگرد مخصوص جگہ کا نام ہے جس کی نشاندہی کردی گئی ہے جو مدینہ کی جانب تین میل، عراق کی جانب سات میل، جعرانہ کی جانب نو میل اور جدہ کی جانب دس میل ہے۔[1] اہل حرم کا میقات حج کے لئے حدود حرم کی تمام سرزمین ہے جہاں سے چاہے احرام باندھ لیں لیکن مسجد الحرام سے باندھنا افضل ہے اس کے بعد اپنے گھروں سے باندھنا افضل ہے۔ اور ان کے لئے عمرہ کا میقات حدود حرم کی باہر کی جگہ تمام زمین حل ہے تاکہ ایک گونہ سفر محقق ہوجائے، لیکن مقام تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے (تنعیم حد حرم سے باہر مدینہ کے راستہ پر مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) پس اہل حرم کا میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حد حرم سے باہر کی جگہ حل ہے: اگر کسی حرمی نے حج کا احرام بجائے حرم کے حل میں جاکر باندھا یا عمرہ کا احرام بجائے حل کے حرم ہی میں باندھ لیا تو دم واجب ہوگا کیوں کہ اس نے اپنے میقات کو ترک کردیا، لیکن اگر (افعال شروع کرنے سے پہلے) جب دوبارہ اپنی اصل جگہ آکر احرام باندھ لے یعنی تجدید تلبیہ کرے تو دم ساقط ہوجائے گا[2] باہر سے آکر حرم میں

(۱)(تحفۃ الالمعی: ۹۴/۳ ا بحوالہ: حاشیہ بخاری ۲۱۶/۱)

(۲) فیحرم المکی من دویرۃ أھلہ للحج أو حیث شاء من الحرم ویحرم للعمرۃ من الحل وھو التنعیم أو غیرہ... والأفضل أن یحرم من التنعیم... ولو ترک ←

رہنے والا شخص جو وہاں کا مستقل باشندہ نہیں ہے (خواہ مقیم ہو یا مسافر) اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ اہل حرم کے حکم میں ہے۔ (۱)

اہل حل کا میقات:

اہل آفاق کی میقات اور حرم کے درمیان میں رہنے والوں کو اہل حل یا حلی کہتے ہیں ان کی میقات حج اور عمرہ میں تمام زمین حل ہے یعنی میقات اور حرم کے درمیان کی جگہ۔ لیکن بہتر ہے کہ وہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوں، احرام کی آخری حد ان کے لئے حرم محترم کی حد ہے جیسا کہ میقات سے باہر کے رہنے والوں کے لئے آخری حد میقات ہے۔ بغیر احرام کے اس سے تجاوز کیا تو دم واجب ہوگا۔ لیکن اگر حلی کو حج یا عمرہ کا قصد نہ ہو بلکہ کسی اور ضرورت سے حرم میں جانا چاہے تو اب بغیر احرام کے اس کا حرم میں داخل ہونا جائز ہے جیسا کہ کوئی مکہ کا رہنے والا حرم سے باہر چلا جائے لیکن حل ہی میں رہے حل سے باہر آفاق میں نہ جائے تو بغیر احرام کے اس کا حرم میں داخلہ جائز ہے، لیکن اگر وہ مکی حل سے آفاق کی طرف چلا گیا تو اب اس کا بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا جائز نہ ہوگا کیوں کہ وہ حکماً آفاقی ہوگیا (۲) اور

← المکی میقاته فأحرم للحج من الحل وللعمرة من الحرم یجب علیه الدم الا اذا عاد وجدد التلبیة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳۷۶، الدر المختار: ۳/ ۴۸۴-۶۲۳)

(۱) (والمراد بالمکی من کان داخل الحرم سواء کان بمکة أولا، وسواء کان من أهلها أولا.. الخ (رد المحتار: ۳/ ۴۸۴)

(۲) وحل لأهل داخلها یعنی لکل من وجد فی داخل المواقیت غیر محرم مالم یرد نسکا للحرج کما لو جاوزها حطابو مکة، فهذا میقاته الحل اللذی بین المواقیت والحرم (الدر المختار) (کما لو جاوزها الخ) یحتمل عود الهاء الی مکة فتکون الکاف للتمثیل، لأن المکی اذا خرج الی الحل الذی فی ←

احرام کا مطلب عمرہ کا احرام باندھے اور اس سے عمرہ ادا کرے یا اگر چاہے تو حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے جبکہ حج کا موسم ہو۔

اہل آفاق کی میقات:

جاننا چاہئے کہ ایک حرم ہے اس کے بعد حل ہے اس کے بعد میقات ہے اس کے بعد ساری دنیا ہے جس کو آفاق اور اس کے باشندے کو اہل آفاق یا آفاقی کہتے ہیں۔ اہل آفاق کے لئے شریعت نے پانچ میقات متعین کئے ہیں: ذو الحلیفہ، جحفۃ، قرن المنازل، یلملم اور ذات عرق۔

ذو الحلیفه: اہل مدینہ کی میقات ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پر پڑتا ہے، یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً دو سو میل ہے بلکہ آج کل کے راستہ سے تو تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔

جحفة: یہ شام اور مغربی علاقوں سے آنے والوں کی میقات ہے اور مکہ معظمہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغربی ساحل کے قریب ہے۔

قَرْنُ المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، مکہ معظمہ سے تقریباً ۳۵ رمیل مشرق میں نجد کے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذاتِ عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق کے راستہ پر واقع ہے، یہ مکہ معظمہ سے ۵۰ رمیل کی دوری پر واقع ہے۔

یَلَمْلَم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ تہامہ کی ایک

← داخل المیقات التحق بأهله کما مر آنفا، بشرط أن لا یجاوز میقات الآفاقی والا فهو کالآفاقی لایحل له دخوله بلا احرام . (ردالمحتار: ۳/ ۴۵۷؛ تاتارخانیة ۲/ ۴۷۶)

معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ (۱)

متفرقات میقات:

(۱) اگر کوئی بغیر احرام کے میقات سے بڑھ گیا تو دم واجب ہے، لیکن پھر (مذکورہ پانچ میقاتوں میں سے) کسی بھی میقات پر جا کر احرام باندھ لیا (یعنی وہاں جا کر احرام کی نیت سے تلبیہ کہہ دیا) تو دم ساقط ہو جائے گا، بشرطیکہ حج یا عمرہ کے ارکان شروع نہ کئے ہو، ورنہ تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ (۲)

(۲) اور میقات سے احرام باندھنا بہر صورت ضروری ہے خواہ حج یا عمرہ کا قصد ہو یا کوئی اور غرض مثلاً تجارت یا سیر و تفریح وغیرہ۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حج یا عمرہ کے علاوہ کوئی اور غرض ہو تو احرام باندھنا ضروری نہیں —— کاروباری اور ٹیکسی والوں کو امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے۔ مگر عام لوگوں کے لئے جن کو یہ مجبوری نہیں ہے اپنے مسلک پر عمل لازم ہے۔ (۳)

(۳) اگر کسی شخص کو مکہ جانے کے لئے دو میقاتوں سے گذرنا پڑے تو پہلی میقات سے احرام باندھنا افضل ہے اور دوسری میقات سے باندھے تو بھی جائز ہے۔ (۴)

---

(۱) ان پانچ میقات کی ساری تفصیل تحفۃ الامعی "شرح ترمذی": ۱۹۴/۳ سے بطور افادہً کاملہ من وعن بیان کی گئی ہے، فجز اللہ مؤلفہ أحسن الجزاء

(۲) (کما اذا لم یحرم، فان عاد) الی میقات ما (ثم أحرم أو) عاد الیہ حال کونہ (محرما لم یشرع فی نسک) صفۃ محرما کطواف ولو شوطا، وانما قال (ولبی) لأن الشرط عند الامام تجدید التلبیۃ عند المیقات بعد العود الیہ خلافا لھما (سقط دمہ) (الدر المختار) (خلا فالھما) خیث قالا :یسقط الدم وان لم یلب. (ردالمحتار: ۶۲۱/۳، تاتارخانیۃ ۴۷۶/۲)

(۳) (تحفۃ الالمعی: ۲۲۸/۳-۲۲۷)

(۴) ولو مر بمیقاتین فاحرامہ من الأبعد افضل. (الدر المختار) أی الأبعد ←

(۴) مواقیت کا فائدہ یہ ہے کہ احرام کے بغیر ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں، اور تقدیم بالاتفاق جائز ہے، بلکہ اگر سہولت ہو تو اپنے گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے یا میقات سے پہلے پہلے احرام باندھ لے[1] — آج کل ہوائی جہاز کے سفر میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ گھر سے غسل کر کے احرام کی لنگی باندھ لے اور جہاز میں ایک وقت گذرنے پر کرتا یا قمیص نکال کر احرام کی چادر لپیٹ لے اور تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کر دے۔ خیال رہے کہ تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جائے گا اور جب تک تلبیہ نہیں پڑھے گا احرام شروع نہ ہوگا خواہ احرام کے کپڑے پہن لئے ہو — ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش والوں کا میقات ہوائی جہاز کے سفر میں قرن المنازل اور ذات عرق ہے اس سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر کسی نے نہیں باندھا اور جہاز میقات کی حدود میں داخل ہو گیا تو دم واجب ہوگا، لیکن جدہ پہنچنے کے بعد پھر اس نے وہاں سے احرام باندھ لیا تو واجب شدہ دم ساقط ہو جائے گا کیوں کہ جدہ راجح قول کے مطابق میقات ہے (اور اوپر ذکر ہوا کہ میقات سے گذرنے کے بعد دوسرے میقات سے احرام باندھ لیا جائے تو دم ساقط ہو جاتا ہے) البتہ قصداً ایسا کرنا یعنی اپنے میقات سے احرام کو مؤخر کرنا سخت گناہ ہے۔[2]

(۵) اگر آفاقی حل میں قیام کے ارادے سے نکلا مکہ مکرمہ جانے کا اس کا ارداہ نہیں ہے تو میقات سے گذرتے وقت اس پر احرام باندھنا لازم نہیں۔[3]

(۶) اگر سفر میں میقات مشتبہ ہو جائے کہ کہاں سے ہے اور علم کا کوئی ذریعہ نہ

← من المكة. (ردالمحتار: ۴۸۰/۳، المنسک المتوسط: ۸۱/۱-۸۰)

(۱) لایحرم التقدیم للاحرام بل هو الافضل. (الدر المختار: ۴۸۳/۳)

(۲) (مستفاد: جواهر الفقه: ۴۷۴)

(۳) ...أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام. (الدرالمختار: ۴۸۲/۳)

ہوتو تحری کرے اور جو غالب گمان ہو اس پر عمل کرے جیسا کہ قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں حکم ہے۔[1]

کتاب النکاح

مہر کی کم از کم مقدار

حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر دس دراہم، یعنی ۳۰ ر گرام ۶۱۸ ر ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے، اس سے کم مہر جائز نہیں۔[2] عام کتب میں دس دراہم کی یہی مقدار بیان کی گئی ہے، تاہم احسن الفتاویٰ اور قاموس الفقہ میں دس دراہم کی مقدار تقریباً ۳۴ ر گرام مذکور ہے پس اس پر عمل کرنا احتیاط ہے۔

مہر فاطمی کی مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی تھا، یعنی ۵۰۰ ر دراہم، اور بعض روایتوں میں جو بارہ اوقیہ کا ذکر ہے وہ عربوں کی عادت کے موافق راوی نے کسر کو چھوڑ دیا ہے۔ صرف ام المومنین حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دیگر ازواج مطہرات سے زیادہ تھا، اور وہ چار ہزار درہم تھا، مگر یہ مہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ شاہ حبشہ نجاشی رحمہ اللہ نے مقرر کیا تھا اور خود انہوں نے ہی یہ مہر ادا کیا تھا۔

یہی ۵۰۰ ر درہم کی مقدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اور لاڈلی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء کی جانب نسبت کرتے ہوئے "مہر فاطمی" کے نام سے مشہور ہے (یہ نسبت تشریفاً ہے ورنہ تو جیسا کہ بیان کیا گیا یہ مہر ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھا)

(۱) ...تحری أی غلب علی ظنه واحرم منه، إن لم یجد عالما به یسأله. (رد المحتار: ۳ر ۴۸۱-۴۸۲)

(۲) (الأوزان المحمودة: ۱۰۰، إیضاح المسائل: ۱۲۹؛ مفتاح الأوزان: ۱۰۰)

موجودہ وزن کے حساب سے اس کی مقدار: ۱رکلو ۵۳۰ رگرام، ۹۰۰ ملی گرام چاندی بنتی ہے (یعنی تقریباً پندرہ سواکتیس گرام) یہی محقق اور معمول بہا ہے۔[۱]

البتہ احسن الفتاویٰ میں ۱رکلو ، ۱۰۷ رگرام چاندی ، اسی طرح فتاویٰ رحیمیہ میں مختلف فتاویٰ کی روشنی میں احتیاطی تول ۱رکلو، ۵۰۷ رگرام چاندی بیان کیا گیا ہے، پس اس پر کوئی عمل کرتا ہے تو بہتر ہے۔[۲]

ظہار اور کفارۂ ظہار

تمہید: ظہار: ظہر (پشت) سے ماخوذ ہے، اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں عورت کو اپنی محرمات ابدیہ (ماں ، بیٹی ، بہن ، ساس، رضاعی ماں ، رضاعی بہن وغیرہ) کے ہر ایسے عضو کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا حرام ہے (جیسے پیٹ، پشت، ران، شرمگاہ) سے تشبیہ دینا،[۳] جیسے بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن، یا خالہ، یا ساس یا رضاعی ماں کی پشت کی طرح ہے تو یہ ظہار ہے۔

اور اگر محرمات کی پوری ذات کے ساتھ تشبیہ دی، مثلاً کہا کہ تو میری ماں کی طرح ہے (پشت وغیرہ کا ذکر نہیں کیا) تو یہ کلام کنایہ ہے، اس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت وشرافت میں مماثلت کا احتمال ہے، پس ان الفاظ میں نیت کا اعتبار ہوگا اور اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ پس اگر شوہر کہے کہ میں نے ماں کی عزت وشرافت میں تشبیہ دی ہے تو تسلیم کیا جائے گا اور ظہار نہ ہوگا۔[۴] اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو اور یہ

---

(۱) (مستفاد: تحفة الألمعي: ۳/۵۴۰؛ الأوزان المحمودة: ۱۰۰؛ دینی مسائل: ۲۴۰؛ مفتاح الأوزان: ۱۰۱)

(۲) (دیکھئے احسن الفتاویٰ ۳۱/۵ ، رحیمیہ: ۲۳۲/۸، دارالاشاعت)

(۳) وأراد بالمشبه به عضواً يحرم إليه النظر من عضو محرمة عليه على التابيد. (البحر الرائق: ۱۵۸/۴)

(۴) وإن نوى بأنت على مثل أمي... براً أو ظهاراً أو طلاقاً صحت نيته ووقع ←

الفاظ غصہ میں استعمال کئے ہوں تو فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ: ظاہری عرف کے لحاظ سے طلاق بائن کا حکم لگایا جائے گا، کیوں کہ عام طور سے لوگ ظہار سے ناواقف ہوتے ہیں اور غصہ کے وقت ان الفاظ کو استعمال کرنے میں بالیقین طلاق اور دائمی مفارقت کی نیت ہوتی ہے۔[۱] اور محرمات کے عضو (پیٹ، پشت وغیرہ) کے ساتھ تشبیہ دینا یہ ظہار میں صریح ہے، اس میں بلا نیت بھی ظہار ہو جاتا ہے۔[۲]

پھر ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کلام لغو ہے۔[۳] اور حرف تشبیہ سے مراد عربی میں کاف، مثل، نحو اور اردو میں مثل، طرح، مانند وغیرہ ہیں؛ پس بغیر حرف تشبیہ کے صرف یہ کہا: کہ تو میری ماں ہے یا بہن ہے، یا تیری پشت میری ماں کی پشت ہے تو یہ کلام لغو ہے، اس سے ظہار نہ ہوگا۔ البتہ ایسا کہنا مکروہ ہے، عورت کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کو باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کرے۔[۴]

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کرے اس کے لئے وہ بیوی کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتی، ظہار کا کفارہ یہ ہے:

کفارۂ ظہار:

ایک غلام آزاد کرے —— اگر اس پر قدرت نہ ہو تو: ساٹھ دن لگاتار روزہ رکھے، بیچ میں بالکل ناغہ نہ ہو، اگر ناگاہ ہو گیا- خواہ مرض کی وجہ سے ناغہ ہوا ہو یا سفر کی

← مانواہ لأنہ کنایة. (الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۵/ ۱۳۱)

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم: ۱۰/ ۲۰۹)

(۲) لو قال لامرأتہ أنت علی کظھر أمی کان مظاھر أسواء نوی الظھار أو لانیة له أصلا، لأن ھذا صریح فی الظھار (بدائع الصنائع: ۳/ ۳۶۶)

(۳) لابد فی کونہ ظھاراً من التصریح بأداة التشبیہ شرعاً. (رد المحتار: ۵/ ۱۳۱)

(۴) (البحر الرائق: ۴/ ۱۶۰-۱۶۱؛ ھندیہ: ۵/ ۵۰۷؛ رد المحتار: ۵/ ۱۳۱)

وجہ سے تواتر سے روزہ رکھنا لازم ہوگا، البتہ حیض کی وجہ سے ناغہ ہو تو حرج نہیں (۱) — اگر کسی کو روزوں پر واقعتاً قدرت نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔

نوٹ: اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھلایا، یا ایک سو بیس مسکین کو ایک وقت کھلایا وغیرہ تفصیلی صورتوں کا حکم کتاب الصوم عنوان کفارۂ صوم کی مقدار کے تحت گذر چکا وہاں ملاحظہ فرمائیں کہ اس سلسلہ میں کفارۂ ظہار اور کفارۂ صوم دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

ایلاء اور کفارۂ ایلاء

ایلاء کے معنی لغت میں: یمین اور قسم کے ہیں، اصطلاح شرع میں ایلاء کہتے ہیں: شوہر اپنی آزاد بیوی سے چار مہینے (اور بیوی باندی ہو تو دو مہینے) یا اس سے زائد تک جماع نہ کرنے کی قسم کھائے، یعنی کہا: قسم اللہ کی میں تم سے چار مہینے تک یا دس مہینے تک جماع نہیں کروں گا، یا کہا: زندگی بھر یا کبھی بھی جماع نہیں کروں گا، ایسا کہنے سے شوہر ایلاء کرنے والا ہو جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ: اگر چار مہینے تک بیوی سے مجامعت نہیں کی تو عورت اس پر ایک طلاق بائن کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے، اور اگر چار مہینے کے اندر مجامعت کر لی تو وہ اپنی یمین اور قسم میں حانث ہو گیا، اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

(۱) وعلى هذا يخرج ما إذا أفطر في خلال الصوم أنه يستقبل الصوم، سواء أفطر لغير عذر أو لعذر مرض، أو سفر، لفوت شرط التتابع، و كذلك لو أفطر يوم الفطر أو يوم النحر أو أيام التشريق، فإنه يستقبل الصيام الخ. (بدائع الصنائع: ۵/۱۱۱، كتاب الكفارات) يقطع الحيض التتابع في صوم كفارة اليمين، و لا يقطعه في صوم كفارة القتل و الإفطار. أما النفاس فيقطع التتابع في كل الكفارات. (هندية: ۱/۶۶، كتاب الطهارة، الباب السابع)

اور اگر چار مہینے سے کم مدت کی قسم کھائی مثلاً کہا بخدا دو مہینے تک یا تین مہینے تک تم سے مباشرت نہ کروں گا تو یہ اصطلاحی ایلاء نہیں ہے، صرف قسم ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ: اس مدت میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو قسم پوری ہوگئی کفارہ لازم نہیں، اور بیوی بھی حرام نہ ہوگی، اور اگر بیان کردہ مدت کے اندر بیوی سے جماع کرلیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ (۱)

اور بغیر قسم کے یوں ہی کہا کہ میں تم سے چار مہینے یا ہمیشہ مجامعت نہ کروں گا، یا قسم تو کھائی مگر غیر اللہ کی قسم کھائی مثلاً کہا: فلاں پیر کی قسم: یا تیری قسم، یا میری قسم؛ میں تجھ سے مجامعت نہ کروں گا تو یہ نہ لغتاً ایلاء ہے اور نہ اصطلاحاً، اس سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی؛ مگر غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے (۲)

ایلاء میں حانث ہونے پر جو کفارۂ یمین لازم ہوتا ہے وہ یہ ہے:

کفارۂ یمین (قسم کا کفارہ)

قسم میں حانث ہونے کا کفارہ: ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔

یا دس مسکین کو صبح شام کھانا کھلانا ہے (دس مسکین کو دو دن ایک وقت کھلایا تو یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ ایک مسکین کو دس دن صبح شام کھلایا، یا ایک مسکین کو بیس دن تک ایک وقت کھلایا تو یہ بھی کافی ہے، کیونکہ ہر روز مسکین کی حاجت الگ ہوتی ہے پس وہ

---

(۱) هو الحلف على ترك وطيء الزوجة مدته وهي أربعة أشهر للحرة وشهران للأمة فلا إيلاء لو حلف على أقل منها وحكمه وقوع طلقة بائنة إن بر ولزوم الكفارة أو الجزاء إن حنث فلو قال لزوجته: والله لا أقربك أو والله لا أقربك أربعة أشهر كان موليا. فإن قربها في المدة حنث وسقط الإيلاء وإلا بانت بمضيها وسقط اليمين. ولا إيلاء فيما دون أربعة أشهر الخ. (ملتقى الأبحر: ۹۸/۱؛ ردالمحتار: ۴۲۳/۳)

(۲) ولو حلف بغير الله عز وجل... لايكون مولي. (بدائع الصنائع: ۲۵۴/۳)

نے مسکین کے مانند ہوگا؛ البتہ بیس مسکین کو ایک وقت کھلایا، یا صبح میں دس مسکین کو کھلایا اور شام میں دوسرے دس مسکین کو کھلایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں دس کے کھانے کو بیس پر تفریق کرنا لازم آتا ہے جبکہ ایک کے حصہ میں کم از کم ایک دن۔ یعنی دووقت۔ کا کھانا آجانا لازم ہے)[۱] ـــــ کھلانے کے بجائے ہر ایک مسکین کو نصف صاع (ارکلو ۵۷۴رگرام، ۶۴۰ ملی گرام) گیہوں یا اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے، دس مسکینوں کے لئے کل ۵رصاع ہوں گے، جس کی مجموعی مقدار: ۱۵رکلو ۷۴۶ر گرام ۴۰۰رملی گرام ہے۔ ہر مسکین کو نصف صاع (یا اس کی قیمت) دینا لازم ہے اس سے کم دینا کافی نہ ہوگا، اسی طرح پانچ صاع ایک ہی شخص کو ایک دن میں ادا کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ دس مسکین کو نصف نصف صاع ادا کرے، یا ایک مسکین کو دس دن تک ہر روز نصف صاع کے حساب سے دیتا رہے۔[۲]

یا دس مسکین کو ایک ایک جوڑا کپڑا دینا ہے، ایک جوڑے سے مراد اتنا کپڑا دے کہ اس سے اکثر بدن ڈھانکا جاسکے۔[۳]

---

(۱) وإذا غدى مسكينا وعشى غيره عشرة أيام لم يجزه لأنه فرق طعام العشرة على عشرين، كما إذا فرق حصة المسكين على مسكينين، ولو غدى مسكينا وأعطاه قيمة العشاء أجزأه، وكذا إذا فعله في عشرة مساكين؛ ولو عشاهم في رمضان عشرين ليلة أجزأه اهـ (ردالمحتار: ۳/۷۲۶، كتاب الأيمان)

(۲) فأطعم كل مسكين نصف صاع من بر ولا يجزيه أقل من ذلك، كما في كفارة اليمين. (بدائع الصنائع: ۲/۲۰۰ كتاب الحج) حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز، ولو أعطاه في يوم واحد بدفعات في عشر ساعات. قيل يجزئ وقيل لا وهو الصحيح. (ردالمحتار: ۳/۷۲۵ كتاب الأيمان)

(۳) أو كسوتهم بما يصلح للأوساط. يستر عامة البدن. (الدر المختار: ۳/۷۲۶)

ان تین چیزوں میں اختیار ہے، جو چاہے اختیار کرے، اگر ان پر قدرت نہیں ہے یعنی نہ غلام آزاد کرسکتا ہے، نہ دس مسکین کو کھلانے کی استطاعت ہے اور نہ ان کو کپڑا دینے پر قدرت ہے، تو:

تین دن لگاتار روزے رکھنا ہے، لگاتار اس لئے کہ: عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: فصیام ثلاثة ایام متتابعات، اس میں "متتابعات" کی قید ہے اور یہ خبر مشہور سے ثابت ہے اس لئے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے (۱) لہٰذا اگر رمضان کی آمد پر یا عید وایام تشریق کی آمد پر یا سفر کی وجہ سے یا مرض کی بنا پر تتابع کو فوت کردیا یعنی لگاتار تین روزے نہیں رکھے، بلکہ درمیان میں وقفہ ہوگیا، یہاں تک کہ عورت کو درمیان میں حیض آگیا اور تسلسل چھوٹ گیا تو ان سب صورتوں میں از سر نو تین روزے رکھنے لازم ہوں گے، سفر اور مرض تو کفارۂ ظہار اور کفارۂ صوم میں بھی عذر نہیں، پس یہاں بھی یہ دونوں عذر نہ شمار نہ ہوں گے، البتہ حیض (نہ کہ نفاس) ان دو کفاروں میں عذر ہے، اور اس کی وجہ سے تتابع فوت نہیں ہوتا، مگر یہاں فوت ہوجاتا ہے، کیونکہ وہاں دو مہینوں کے روزے ہیں اور اس درمیان عورت کو حیض کے بغیر چارہ نہیں، جبکہ یہاں کفارۂ یمین میں فقط تین دن کے ہی روزے ہیں۔ (۲)

---

(۱)... وكلمة أو للتخيير فكان الواجب أحد الأشياء الثلاثة قال: "فإن لم يقدر على أحد الأشياء الثلاثة صام ثلاثة أيام متتابعات" ولنا قراءة ابن مسعود رضي الله عنه فصيام ثلاثة أيام متتابعات وهي كالخبر المشهور (بدائع: ۲/۲۱۹ الكفارات)

(۲) وعلى هذا يخرج ما إذا أفطر في خلال الصوم أنه يستقبل الصوم، سواء أفطر لغير عذر أو لعذر مرض، أو سفر، لفوت شرط التتابع، وكذلك لو أفطر يوم الفطر أو يوم النحر أو أيام التشريق، فإنه يستقبل الصيام. ولو كانت امرأة فصامت عن كفارة الإفطار في رمضان، أو عن كفارة القتل، فحاضت في خلال ذلك لا يلزمها الاستقبال لأنها لا تجد صوم شهرين لا تحيض فيهما فكانت معذورة، ←

عنین اور مجبوب کو مہلت دینے کے ایام

جو شخص کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے-باوجود عضو مخصوص کے ہوتے ہوئے- عورت سے جماع پر قادر نہ ہو، ایسا شخص ''عنین'' کہلاتا ہے، اگر اس کی بیوی کو یہ بات معلوم نہ ہو اور نکاح کر کے اس کے پاس چلی گئی تو وہ قاضی شریعت (یا جماعت المسلمین) کے حضور تفریق کا مقدمہ دائر کر سکتی ہے، ایسی صورت میں قاضی اس عنین کو ایک سال تک دوا علاج کی مہلت دے گا، اگر اس مدت میں بھی وہ صحبت پر قدرت نہ پا سکے اور عورت دوبارہ درخواست لے کر آئے تو اب قاضی اولا اس سے طلاق کا مطالبہ کرے گا اگر وہ طلاق کے لئے راضی نہ ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا، اور اس مہلت کے لئے ظاہر الروایۃ میں تو قمری سال کا اعتبار کیا ہے، لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے، اور بعض اصحاب ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے، اور عام متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔[1]

← وعليها أن تصلي أيام القضاء بعد الحيض بما قبله حتى لو لم تصلي وأفطرت يوما بعد الحيض استقبلت لأنها تركت التتابع من غير ضرورة، ولو نفست تستقبل لعدم الضرورة، لأنها تجد شهرين لا نفاس فيهما، ولو كانت في صوم كفارة اليمين، فحاضت في خلال ذلك تستقبل لأنها تجد ثلاثة أيام لا حيض فيها فلا ضرورة إلى سقوط اعتبار الشرط (بدائع: ۱۱۱/۵) يقطع الحيض التتابع في صوم كفارة اليمين، ولا يقطعه في صوم كفارة القتل والإفطار. أما النفاس فيقطع التتابع في كل الكفارات. (هندية: ۶۶/۱)

---

(۱) فإن أجلته المرأة أو أجله غير القاضي لا يعتبر ذلك في فتاوى قاضي خان في التأجيل تعتبر السنة القمرية في ظاهر الرواية كذا في التبيين وهو الصحيح كذا في الهداية. روى الحسن عن أبي حنيفة أنه تعتبر سنة شمسية وهي لا تزيد على القمرية بأيام وذهب شمس الأئمة السرخسي في شرح الكافي إلى رواية ←

اور جس شخص کا عضو تناسل قطع ہو گیا ہو اس کو "مجبوب" کہتے ہیں، اس کو سال بھر کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ پہلی ہی درخواست پر جب وہ خود اقرار کر لے یا تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ وہ مجبوب ہے عورت کو اختیار دے دیا جائے گا اور قاضی تفریق کر دے گا؛ جس شخص کا عضو مخصوص اس قدر چھوٹا ہو کہ دخول ممکن ہی نہ ہو اس کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔[1]

مفقود الخبر کی بیوی کے لئے انتظار کی مدت

جس عورت کا شوہر گم ہو گیا ہو اور اس کا کوئی اتا پتہ نہ ہو، اور معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے، اس کو "مفقود" اور اس کی بیوی کو "زوجۃ المفقود" کہا جاتا ہے، علماء نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق زوجہ مفقود کے لئے مفقود کی پیدائش کے وقت سے ۱۰۰ ر سال کی مدت مقرر کی ہے یعنی وہ اتنی مدت تک دوسرے نکاح کے لئے انتظار کرے گی؛ وجہ یہ ہے کہ رشتۂ نکاح بنیادی طور پر تین صورتوں میں ختم ہوتا ہے شوہر کے طلاق دینے سے یا میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حرام ہو جانے سے یا زوجین میں سے کسی کی موت سے، اور یہاں طلاق اور حرمت کی کوئی وجہ نہیں اور تیسری وجہ یعنی موت کے متعلق قطعی علم نہیں اس لئے اس کے ہم عصر

← الحسن أخذا بالاحتياط وكذلك صاحب التحفة، وهذا هو المختار عندي كذا في غاية البيان وهو اختيار شمس الأئمة، واختيار الإمام قاضي خان والإمام ظهير الدين في التأجيل أنه يقدر بسنة شمسية أخذا بالاحتياط وعليه الفتوى. (هندية: ۵۲۳/۱، الطلاق)

(۱) لو وجدت المرأة زوجها مجبوبا خيرها القاضي للحال ولا يؤجل كذا في فتاوى قاضي خان. ويلحق بالمجبوب من كان ذكره صغيرا جدا كالزر لا من كانت آلته قصيرة لا يمكن إدخالها داخل الفرج كذا في البحر الرائق. (هندية: ۵۲۳/۱، كتاب الطلاق)

لوگوں کا جب تک انتقال نہ ہوجائے اس کے نکاح کے بقاء کا حکم ہوگا جب اس کی عمر کے لوگ گزر جائیں تو توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اس کی بھی موت واقع ہوگئی ہوگی اور ہم عصر کی موت غالباً سو سال میں ہوتی ہے اس لئے سو سال کی تحدید کی گئی، تاہم احناف کے یہاں راجح یہی ہے کہ اس میں کوئی مدت متعین نہیں بلکہ قاضی اپنے زمانہ کے عمروں کے حساب سے موت وحیات کا فیصلہ کرے گا۔(۱)

پھر موجودہ حالات میں چونکہ اس قدر طویل مدت تک انتظار میں عورت کے لئے فتنہ کا اندیشہ تھا اور اب تحقیقات کے ذرائع بھی وسیع ہوگئے ہیں اس لئے احناف میں متاخرین فقہاء نے فتویٰ دیا کہ: امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ امام مالک کے قول کی تفصیل یہ ہے کہ: ''اگر شوہر نفقہ کے لئے کوئی جائداد چھوڑ کر گیا ہو اور عورت چار سال تک انتظار کرنے میں اپنی عفت وعصمت میں کوئی خطرہ بھی محسوس نہیں کرتی ہے تو مقدمہ دائر کرنے کے بعد قاضی یا جماعت المسلمین کی طرف سے چار سال کی مدت مقرر کی جائے اگر چار سال تک باوجود تشہیر کے شوہر نہ آئے تو میاں بیوی میں تفریق کا فیصلہ کردیا جائے، فیصلے کے بعد عورت عدت وفات گزارے گی پھر دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی ـــــ اور اگر شوہر نے نفقہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ہے یا چھوڑا ہے مگر چار سال کے طویل انتظار میں عورت اپنی عفت وعصمت میں خطرہ محسوس کرتی ہے تو مناسب تحقیق وتشہیر کے بعد تفریق کردی جائے گی ایسی صورت میں یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اور فیصلے کے بعد عورت بجائے عدت وفات کے عدت طلاق گزارے گی اور دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی'' اھ۔(۲)

فائدہ: پھر مفقود کے لئے موت کے فیصلہ کے بعد جب اس کی بیوی نے

---

(۱)(مستفاد: بدائع الصنائع: ۶/۱۹۷، م: زکریا دیوبند)

(۲)(مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ: ۷۴تا۸۱؛ کتاب الفتاویٰ: ۵/۱۸۳؛ فتاویٰ دار العلوم: ۹/۱۷۶؛ ردالمحتار: ۶/۴۶۰؛ المدونۃ الکبریٰ: ۲/۹۳)

دوسرا نکاح کیا اور بچہ بھی پیدا ہوا اس کے بعد مفقود آ گیا تو اس کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ: بچہ کا نسب زوج ثانی سے ثابت ہوگا کیونکہ نسب میں اعتبار فراش حقیقی کا ہے اگر چہ فراش فاسد ہو اور یہاں فراش حقیقی شوہر ثانی کا ہے پس اولاد اسی کی شمار ہوگی، لیکن ابن حنبلی رحمہ اللہ کی شرح المنار میں ہے کہ یہ بات مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت ہے جبکہ زوج ثانی سے ثبوت نسب کا احتمال ہو، اور احتمال سے مراد زوج ثانی سے نکاح کے بعد کم از کم چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہوا ہو کیونکہ اس سے پہلے پیدا ہونے کی صورت میں اس سے ثبوت نسب کا احتمال نہ ہوگا۔

اور رہی عورت تو وہ زوج اول کو ملے گی، کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے، فتویٰ اسی پر ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں موجود ہے، پس مفقود کے آتے ہی وہ عورت زوج ثانی کے لئے حلال نہیں رہے گی، اور بغیر کسی نکاح کے زوج اول کے حوالہ کر دی جائے گی مگر زوج اول کے لئے بھی اس سے وطی کرنا جائز نہ ہوگا: یہاں تک کہ عورت زوج ثانی کی عدت گزار لے، اور عدت سے مراد طلاق کی عدت ہے یعنی تین حیض یا تین مہینے، اور اصولاً یہ عدت زوج اول کے یہاں پر ہی گزارے گی، کیونکہ وہ بمنزلہ موطوئۃ بالشبہ ہے اور موطوئۃ بالشبہ زوج اول کے پاس عدت گزارتی ہے۔ (۱)

(۱) غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولادا) ثم جاء الزوج الأول (فالأولاد للثاني على المذهب) الذي رجع إليه الإمام وعليه الفتوى كما في الخانية والجوهرة والكافي وغيرها. وفي حاشية شرح المنار لابن الحنبلي، وعليه الفتوى إن احتمله الحال. (الدر المختار) واحتمال الحال بأن تلده لستة أشهر فأكثر من وقت النكاح. وإنما وضع المسألة في الولد إذ المرأة ترد إلى الأول إجماعا. (ردالمحتار: ۵۵۲/۳ باب العدة) ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر. فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول، ولكن لا يقربها لكونها معتدة لغيره كالمنكوحة إذا وطئت بالشبهة. (المبسوط ←

کتاب الحدود

کفارۂ قتل

کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اس میں قاتل پر دیت کے علاوہ شرعاً کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، یہ کفارہ: قتل خطاء، شبہ عمد اور قتل بالسبب میں لازم ہوتا ہے، قتل عمد میں لازم نہیں کیونکہ اس میں تو قصاص ثابت ہے مگر یہ کہ مقتول کے ورثاء کسی مال پر مصالحت کرلیں۔

قتل کا کفارہ یہ ہے کہ: ایک مومن غلام آزاد کرے؛ اگر استطاعت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے؛ بس یہی دو چیزیں ثابت ہیں، اس کے علاوہ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا غلہ دینا یہاں کافی نہیں جیسا کہ وہ کفارۂ ظہار، کفارۂ صوم وغیرہ میں کافی ہو جاتا ہے، کیونکہ قتل کی سنگینی کی وجہ سے اس میں شدت ہے۔ (۱)

قسامہ میں قسم کھانے والوں کی تعداد اور طریقۂ کار

کوئی شخص کسی محلہ یا گلی میں مرا ہوا پایا جائے اور اس پر قتل کی علامت ہو جیسے زخم ہو، مار پیٹ کا نشان ہو، گلا گھونٹنے کی علامت ہو، کان، آنکھ سے خون نکلتا ہو (منھ اور

← للسرخسي: ۳۷/۱۱، کتاب المفقود) وفی الدر المختار: وللموطوءة بشبهة أن تقيم مع زوجها الأول وتخرج بإذنه في العدة لقيام النكاح بينهما، إنما حرم الوطء الخ. (الدر المختار: ۵۱۷/۳، باب العدة)

(۱) ولا مساواة بين كفارة القتل وبين سائر الكفارات فإن القتل من أعظم الكبائر وفيه تفويت رقبة مؤمنة مخاطبة بالإيمان بخلاف أسباب سائر الكفارات ففيها من التغليظ ما ليس في غيرها ولهذا لا يكون الإطعام بدلا من الصيام في كفارة القتل بخلاف كفارة الظهار. (المبسوط للسرخسي: ۴/۷، کتاب الطلاق)

ناک سے خون نکلنا قتل کی علامت نہیں کیونکہ یہ طبعی موت میں بھی ہوتا ہے) تو مقتول کے ولی کو یہ حق دیا جائے گا کہ اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں، پھر ان سے یہ قسم لی جائے گی کہ: ''قسم اللہ کی ہم نے اس کو نہ قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں'' اس کو ''قسامہ'' کہا جاتا ہے، اور اگر اہل محلہ کسی قاتل کی تعیین کریں اور اولیاء اس کی تصدیق نہ کریں تو قسم یوں کھائیں گے ''بخدا نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس معین قاتل کے علاوہ کسی اور قاتل کو جانتے ہیں''(۱)

اگر اہل محلہ پچاس کی تعداد میں نہ ہوں تو جو لوگ موجود ہوں انہیں سے مکرر قسم لے کر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی، اگر کوئی قسم سے انکار کرے تو اس کو قید کیا جائے گا تا آنکہ وہ بھی قسم کھالے، البتہ نابالغ بچہ، عورت اور مجنون سے قسم نہ لی جائے گی۔

پھر جب وہ قسم کھالیں تو اگر مقتول کے اولیاء نے اہل محلہ کے خلاف قتل عمد کا دعویٰ کیا ہے تو اہل محلہ پر اجتماعی طور پر دیت لازم کردی جائے گی اور دعویٰ قتل خطاء کا ہے تو ان کے عاقلہ: رشتہ دار یا متعلقین تین سال کی مدت میں قتل خطاء کی دیت ادا کریں گے۔(۲)

کتاب البیوع

خیار شرط کی مدت

خیار شرط یہ ہے کہ مثلاً بائع یا مشتری یا دونوں اس بات کی شرط لگا دیں کہ وہ اس سودے پر مزید غور و فکر کریں گے، پھر سودے کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا ان کو اختیار ہوگا اس خیار کی مدت فقط تین دن ہے، اس سے زائد اختیار درست نہیں۔ (هندیه: ۳/ ۳۸) اگر کسی نے تین دن سے زیادہ کی شرط لگائی تو وہ معاملہ موقوف رہے گا، اگر تین

(۱)(البنایة: ۱۳/ ۳۵۶ باب القسامة، م: شاملة، هندیه: ۶/ ۷۹، م: شاملة)

(۲)(الدر المختار علی هامش الرد: ۶/ ۶۲۷ باب القسامة، م: شاملة)

دن کے اندر فریقین نے معاملہ کی برقراری پر اتفاق کرلیا تب تو معاملہ صحیح ہوجائے گا، ورنہ فاسد ہوجائے گا۔[۱]

فائدہ: خیار شرط کا عقد میں ہونا ضروری نہیں، عقد کے بعد بھی اگر کسی نے دوسرے کو تین دن کا اختیار دیدیا تو درست ہے، اس کو یہ اختیار عقد کے وقت سے تین دن تک حاصل رہے گا۔[۲]

خیار مغبون کی تعریف اور غبن کی حد

مغبون کے معنی: وہ شخص جس کو دھوکا لگ گیا ہو یا دھوکا دیا گیا ہو۔ خیار مغبون یہ ہے کہ: کسی نے بیع کی، اور بیع کے اندر اس کو دھوکا ہوگیا- بلکہ صحیح روایت کے مطابق دھوکا دیا گیا- یعنی بازار کے نرخ سے اگر بائع ہو تو کم میں بیچ دیا اور مشتری ہو تو زائد میں خرید لیا تو اس صورت میں اس کو خیار حاصل ہوگا یعنی اگر وہ چاہے تو بیع کو فسخ کردے یا باقی رکھے۔

لیکن یہ خیار صرف غبن فاحش میں حاصل ہوگا، غبن یسیر میں حاصل نہ ہوگا۔ اور فاحش ویسیر میں حد فاصل یہ ہے کہ: "جو قیمت مقومین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ کے دائرے میں نہ آتی ہو وہ غبن فاحش ہے، اور جو قیمت ان کے دائرہ میں آجاتی ہو وہ غبن یسیر ہے"[۳] جیسے دس روپے میں کوئی چیز خریدی لیکن اس کی قیمت سات آٹھ روپے اور زیادہ سے زیادہ نو روپے تک لگائی جاتی ہے کوئی اس کی قیمت دس روپے نہیں لگاتا تو وہ غبن فاحش ہے؛ اور اگر اس کی قیمت کوئی آٹھ روپے کوئی نو روپے اور کوئی دس روپے بھی لگاتا ہے تو چونکہ یہ قیمت مقومین کے اندازے میں آجاتی ہے اس لئے غبن یسیر ہے۔

(۱) (مستفاد هندیه: ۳۸/۳، هدایه: ۳/ ۳۰- ۳۱)

(۲) ويجوز شرط الخيار بعد البيع كما يجوز شرطه وقت البيع. (ہندیہ: ۳۹/۳)

(۳) بغبن فاحش: هو ما لا يدخل تحت المقومين. (الدر المختار: ۷/ ۳۶۳)

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے اس تحدید میں عام لوگوں کے لئے خاصی دشواری ہے اس لئے لوگوں کی سہولت کے پیش نظر "مجلة الأحكام" کے مرتبین نے ان حضرات کی رائے کو ترجیح دی ہے جنہوں نے آسان عددی تحدید کو پیش کیا ہے، اور سہولت کے لئے فقہاء ایسی تحدید بیان کرتے ہیں اس کی مثال شرعی حوض کی پیمائش وغیرہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

جب غبن: منقول اشیاء میں پانچ فیصد؛ جانوروں میں دس فیصد؛ اور زمین مکانات وغیرہ میں بیس فیصد پہنچ جائے تو خیار حاصل ہوگا، اس سے کم میں حاصل نہ ہوگا۔ (۱)

پانچ فیصد کا مطلب ہے بائع نے کوئی چیز ایک سو پانچ میں دی جبکہ بازار میں اس کی عام قیمت سو روپے ہے؛ اسی طرح دس فیصد اور بیس فیصد کو سمجھ لیجئے۔

ملحوظہ: یہ خیار اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کو دھوکا دیا گیا ہو یعنی کہا ہو کہ "بازار کا دام یہ ہے" پھر بعد میں وہ دام نہ نکلا۔ اور اگر سامنے والے نے بازار کا دام وغیرہ کچھ نہ کہا ہو ویسے ہی کسی کو بیع میں دھوکا لگ گیا (جیسا کہ عامۃً ہوتا ہے) تو اس میں اختیار نہ ہوگا، یہی مفتی بہ ہے۔ تاہم ایک روایت کے مطابق مطلقاً (خواہ دھوکا دیا گیا ہو یا دھوکا لگ گیا ہو) خیار حاصل ہوتا ہے اور اس پر بھی فتویٰ نقل کیا گیا ہے، مگر علامہ شامی

---

(۱) الغبن الفاحش: غبن على قدر نصف العشر فی العروض والعشر فی الحیوانات والخمس فی العقار أو زیادة۔ وربع العشر فی الدراهم بالنظر إلى قیم الأشیاء الحقیقیة أیضاً، یعنی: أن إعطاء العشرة بعشرة وربع، أو أخذ العشرة وربع بعشرة فی الدراهم وإعطاء ماقیمته عشرة بعشرة ونصف، أو أخذ ماقیمته العشرة ونصف بعشرة فی العروض وإعطاء ماقیمته عشرة بأحد عشر، أو أخذ ماقیمته أحد عشر بعشرة فی الحیوانات وإعطاء ماقیمته عشرة باثنی عشر وأخذ ماقیمته اثنی عشر بعشرة فی العقار یعدّ غبناً فاحشاً (درر الحکام شرح مجلة الأحكام: ۱/ ۲۶۵)

رحمہ اللہ نے اس پر نقد کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ صحیح جس مفتی بہ قول کی گئی ہے وہ تفصیل کا ہے نہ کہ مطلق خیار کا۔اور جس نے مطلقاً خیار کا فتویٰ دیا اس نے خطاء فاحش کی۔(۱)

ذبح کا بیان

جانور کے ذبح کی جگہ اور کاٹی جانے والی رگوں کی تعداد

ذبح کی جگہ حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔خیال رہے ذبح میں گلے کی چار رگیں: غذا، سانس اور خون کی دو رگیں کٹ جائیں، اگر ان میں سے تین کٹیں تو بھی کافی ہے اور صرف دو ہی رگیں کٹیں تو جانور مردار ہے کھانا جائز نہیں، اور قربانی بھی درست نہ ہوگی، یہ ذبح اختیاری یعنی قابو شدہ جانور کا حکم ہے — اور ذبح اضطراری یعنی جب جانور (باوجود کوشش کے) قابو میں نہ رہے تو کسی خاص رگ کا کاٹنا ضروری نہیں بلکہ جسم کے کسی بھی حصہ میں بسم للہ پڑھ کر زخم لگا دینا کافی ہے، اگر زخم سے جانور کی موت ہو جائے اور مرنے کے بعد ہی قابو و گرفت میں آئے تو اس کا کھانا حلال ہے، البتہ اگر مرنے سے پہلے قابو میں آگیا تو اب اس کو باقاعدہ ذبح کرنا ضروری ہے، اس میں سستی کی اور جانور مر گیا تو اب کھانا حلال نہ ہوگا۔(۲)

(۱)... ویفتی بالرد رفقاً بالناس وعلیہ أکثر روایات المضاربة وبہ یفتی. ثم رقم رقال إن غرہ أی غر المشتری البائع أو العکس أو غرہ الدلال فلہ الرد وإلا لا وبہ أفتی صدر الإسلام وغیرہ (الدر المختار) وھو الصحیح کما یأتی ... فمن أفتی فی زماننا بالرد مطلقاً فقد أخطأ خطأ فاحشاً لما علمت من أن التفصیل ھو المصحح المفتی بہ. (شامی: ۷/۳۶۲-۳۶۳)

(۲) وذکاة الضرورة: جرح وطعن وإنہار دم في أي موضع وقع من البدن، و ذکاة الاختیار ذبح بین الحلق، واللبة بالفتح: المنحر من الصدر، وعروقہ الحلقوم کلہ وسطہ أو أعلاہ أو أسفلہ: وھو مجری النفس علی الصحیح، ←

بوقت ذبح جانور کولٹانے کا طریقہ اور رخ کی تعیین

ذبح کرتے وقت جانور کو بائیں پہلو پر لٹا کر اس کے پیر قبلہ کی جانب کریں پھر ذبح کرنے والا اپنے بائیں ہاتھ سے جانور کا سر پکڑے اور اپنا داہنا پیر جانور کے داہنے شانہ پر رکھ کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، اس طرح جانور کو لٹانا سنت ہے اور اس میں سہولت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، قبر میں جس طرح میت کو داہنی کروٹ پر لٹاتے ہیں اس طرح نہ لٹائیں، کہ وہاں کی سنت الگ ہے۔

وضاحت: ہند کے علاقہ کے لحاظ سے کہ یہاں قبلہ مغرب (پچھم) کی جانب ہے: جانور کا سر جنوب (دکھن) میں، اس کی دُم شمال (اتر) میں اور اس کے تمام پیر مغرب کی جانب کریں۔ (۱)

۞ ۞ ۞

← والمريء: هو مجرى الطعام والشراب، والودجان: مجرى الدم، وحل المذبوح بقطع أي ثلاث منها؛ إذ للأكثر حكم الكل. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۹۴/۶، كتاب الذبائح؛ هندية: ۲۸۵/۵، كتاب الذبائح، الباب الأول)

(۱) السنة أن ينحرها قائمة معقولة اليد اليسرى، والبقر، والغنم تذبح مضطجعة على الجانب الأيسر مرسلة الرجل. (مرقاة شرح المشكاة: ۵/ ۱۸۲۳، كتاب المناسك، باب الهدي) وليشدّ قوائمه وليلقه على شقه الأيسر وليوجهه نحو القبلة. (بدائع الصنائع: ۶۰/۵، كتاب الذبائح، آخر فصل في بيان شرط حل الأكل في الحيوان المأكول) وعمل المسلمين على أن إضجاعها يكون جانبها الأيسر؛ لأنه أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها باليسار. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية، مكتبة دار العلوم كراچی)

قربانی کا بیان

قربانی کا نصاب

جس شخص کی ملک میں قرض نکال کر ساڑھے سات تولہ (یعنی: ۸۷/گرام ۴۸۰/ملی گرام) سونا، یا ساڑھے باون تولہ (یعنی: ۶۱۲/گرام، ۳۶۰/ملی گرام) چاندی، یا اس کی قیمت ہو، یا اس قیمت کے بقدر مال تجارت ہو، یا ضرورت سے زائد مکان، یا زمین ہو، یا کپڑے ہوں، یا گھریلو سامان ہو، تو اس پر قربانی واجب ہوگی واضح رہے کہ: قربانی اور صدقۃ الفطر میں مال غیر نامی کو بھی شمار کیا جاتا ہے، جبکہ زکوۃ میں صرف مال نامی کا اعتبار کیا جاتا ہے، نیز قربانی وصدقۃ الفطر میں مال پر سال گذرنا بھی ضروری نہیں۔ (۱)

فائدہ: سونا، چاندی اور کرنسی مطلقاً مال نامی ہیں، اور ان کے علاوہ مال واسباب میں اگر تجارت کی نیت ہے تو وہ مال نامی ہے، ورنہ غیر نامی۔

نوٹ: نصاب سے متعلق مزید تفصیل اور قربانی اور زکوۃ کے نصاب میں فرق کو زکوۃ کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

قربانی کے وجوب وسقوط میں آخری وقت معتبر ہے

قربانی کے وجوب وسقوط میں اعتبار آخری وقت کا ہے۔ (۲) پس قربانی کے آخر وقت میں غریب آدمی غنی ہوگیا؛ یا مسافر مقیم ہوا؛ یا نابالغ بالغ ہوا؛ یا کافر مسلمان ہوا، اور وہ سب غنی ہیں تو ان پر قربانی واجب ہوجائے گی۔ اور اگر آخر وقت میں غنی (جس نے ابھی قربانی نہیں کی) فقیر ہوگیا؛ یا مر گیا؛ یا مرتد ہوگیا (نعوذ باللہ) یا سفر کرلیا تو اس

(۱) (مستفاد: ھندیہ: ۵/ ۲۹۲)

(۲) والمعتبر وجود هذه الشرائط آخر الوقت وإن لم تكن في أوله (شامی: ۹/ ۴۵۲)

سے وجوب ساقط ہوجائے گا۔[1]

قربانی کے ایام واقات

قربانی کے تین دن ہیں: ۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ۔ افضل پہلا دن ہے پھر دوسرا پھر تیسرا[2] ـــــ اگر ذی الحجہ کے چاند کا مسئلہ مشکوک ہوجائے اور ۱۲ر تاریخ کے متعلق ۱۳ر ہونے کا بھی شک ہوتو افضل ہے کہ ۱۲ر سے پہلے قربانی کرلے، اگر ۱۲ر کو قربانی کرے تو مستحب ہے کہ اس گوشت کو صدقہ کردے خود نہ کھائے (یہی حکم ۹ اور ۱۰ میں شک ہونے کا ہے)[3] روشنی کا معقول انتظام ہوتو رات میں (یعنی درمیان کی دو رات میں) بھی قربانی کرسکتے ہیں، فقہاء نے جو مکروہ لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رات میں تاریکی کی وجہ سے غلطی کا احتمال رہتا ہے[4] مگر جب دن جیسی روشنی ہوتو پھر یہ احتمال نہیں رہتا پس کراہت ختم ہوجائے گی جیسا کہ رمی جمار کا مسئلہ ہے (مؤلف) شہر یعنی جہاں عید کی نماز ہوتی ہے وہاں نماز عید کے بعد قربانی کی جائے، نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی وجہ سے نماز نہ ہوسکے تو زوال کے بعد قربانی درست ہے[5] (اگر شہر میں کئی جگہ نماز ہوتی ہوتو کسی بھی ایک جگہ نماز ہوجائے قربانی درست ہے سب جگہ نماز

(۱) والمعتبر آخر وقتها للفقير وضده والولادة والموت، فلو كان غنيا في أول الأيام فقيرا في آخرها لاتجب عليه، وإن ولد في اليوم الآخر تجب عليه، وإن مات فيه لاتجب عليه (ردالمحتار: ۹/ ۴۶۲، بدائع: ۴/ ۲۰۰)

(۲) (ردالمحتار: ۹/ ۴۵۸)

(۳) (وإذا شك في يوم الأضحى فالمستحب أن لايؤخر الى اليوم الثالث فإن أخر يستحب أن لا يأكل منه ويتصدق بالكل (هنديه: ۵/ ۲۹۴، خانية: ۳/ ۳۴۵)

(۴) وكره تنزيهاً الذبح ليلاً لاحتمال الغلط. (الدر المختار: ۹/ ۴۶۳)

(۵) فإن اشتغل الإمام فلم يصل أو ترك عمدا حتى زالت فقد حل الذبح بغير صلاة في الأيام كلها الخ. (ردالمحتار: ۹/ ۴۶۱)

ہوجانا ضروری نہیں (۱)

اور دیہاتوں میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے صبح صادق کے بعد ہی سے قربانی جائز ہے، البتہ مستحب وقت طلوع آفتاب کے بعد ہے کہ اس وقت دن کے آثار مکمل ہوتے ہیں (۲) لیکن اگر شہر میں یہ واقعہ پیش آوے کہ کسی وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوئی مثلاً امام نے بے وضو نماز پڑھا لی وغیرہ اور لوگوں نے قربانی کر لی ہے تو اب صرف نماز کا اعادہ کیا جائے اور جن لوگوں نے بے خبری میں قربانی کر لی ان کی قربانی درست ہوگئی اس کا اعادہ لازم نہیں (۳) اور اعتبار جانور کی جگہ کا ہوگا نہ کہ اس کے مالک کی جگہ کا پس جانور دیہات میں ہو اور اس کا مالک شہر میں تو طلوع فجر کے بعد ہی سے قربانی کی جا سکتی ہے اور اس کے برعکس میں یعنی مالک دیہات میں ہو اور جانور شہر میں تو نماز عید کے بعد ہی قربانی درست ہوگی، اس سے پہلے جائز نہیں۔ (۴)

موکل اور وکیل کی جگہ میں تاریخ کا فرق ہو تو کس جگہ کا اعتبار ہوگا؟

مگر وقت کے سلسلہ میں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ: ایک شخص مثلاً لندن میں ہے اس نے وہاں سے ہندوستان میں کسی کو اپنی طرف سے قربانی کا وکیل بنایا اور یہاں عید جمعرات کو ہے اور وہاں ایک دن بعد جمعہ کو ہے تو اس کی قربانی یہاں جمعرات کو کی

---

(۱) ولو ضحی بعد ما صلی أهل المسجد ولم یصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا لأنها صلاة معتبرة حتی لو اكتفی بها اجزأتهم وكذا عكسه (ردالمحتار: ۹/۴۶۰)

(۲) وأفضل وقت التضحية لأهل السواد ما بعد طلوع الشمس لأن عنده يتكامل آثار أول النهار. (بدائع الصنائع: ۴/۲۲۳)

(۳) تبين أن الامام صلی بغير طهارة تعاد الصلاة دون الأضحية (الدرالمختار: ۹/۴۶۲)

(۴) (المعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه) فلو كانت في السواد والمضحي في المصر جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز (ردالمحتار: ۹/۴۶۰)

جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا جمعہ کو کرنی ہوگی؟ اسی طرح اس کے برعکس صورت ہو مثلاً کوئی شخص سعودیہ میں ہو اور وہاں عید جمعرات کو ہے اور یہاں جمعہ کو تو کیا وہاں کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی قربانی جمعرات کو کرنا درست ہے؟ بعض علماء نے شہری اور دیہاتی والے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے اس میں بھی جانور کی جگہ کا اعتبار ہوگا، یعنی جانور جہاں ہے وہاں عید ہے تو قربانی کرنا درست ہے، ورنہ درست نہیں خواہ موکل کی جگہ میں عید ہو یا نہ ہو۔

مگر احقر عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں دونوں ہی جگہ میں عید کا اعتبار ضروری ہے، جانور کی جگہ میں عید کا ضروری ہونا تو یہ شق متفق علیہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، پس صورت دوم (یعنی سعودیہ والی صورت میں) تو کلام کی حاجت نہیں کہ اس صورت میں بالاتفاق قربانی درست نہ ہوگی کیونکہ جانور کی جگہ میں عید نہیں ہے۔

مگر صورت اولیٰ میں (یعنی لندن والی صورت میں) بھی موکل کی جگہ عید کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایام کے آنے کے بعد ہی وجوب ذمہ میں آتا ہے، اگر ایام کے آنے سے پہلے قربانی کی جائے تو لازم آئے گا کہ وجوب کے ذمہ میں آنے سے پہلے قربانی کرنا اور یہ بلاشبہ عدم صحت کا موجب ہے، جیسا کہ نماز کا وقت نماز کے لئے مقرر ہے اگر وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوتی، علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات الموقتة لاتجب قبل أوقاتها كالصلوٰة والصوم ونحوهما“ [1] —— اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آدمی جہاں ہوتا ہے اس کے لئے وجوب، سقوط اور قضا میں وہاں کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے دوسری جگہ کے وقت کا نہیں جیسے ایک شخص لندن میں ہے وہاں فجر کی نماز کا وقت آگیا تو اس پر فجر کی نماز کا وجوب آجائے گا اسی وقت دوسرا شخص ہندوستان میں ہے اور ہندوستان میں عصر کی نماز کا

(۱) (بدائع الصنائع: ۱۹۸/۴، مکتبۂ زکریا دیوبند)

وقت ہے تو اس پر عصر کا وجوب آئے گا، علی ہذا۔

پھر اس مسئلہ کو زکوۃ پر بھی قیاس نہیں کر سکتے کہ جس طرح حولان حول سے پہلے پیشگی زکوۃ دینا بالاتفاق صحیح ہے تو یہاں پر بھی یہ حکم ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ زکوۃ میں اداء زکوۃ کا کوئی ایسا وقت معین نہیں جس کے فوت ہونے سے عبادت فوت ہو جائے جبکہ یہاں شریعت نے ایسا وقت مقرر کیا ہے، پس قیاس مع الفارق ہو جائے گا۔ اور رہا نماز پر قیاس کرنا تو چونکہ بات وقت کی ہے اور تعیین وقت کے لحاظ سے نماز اور قربانی دونوں متحد ہیں اس لئے اس قیاس پر اشکال نہ ہونا چاہئے۔

پس حاصل یہ ہے کہ بوقت ذبح لندن میں بھی ایام ہونے چاہئے، اگر وہاں ایام ابھی نہیں آئے تو وجوب ذمہ میں نہیں آیا اگرچہ ہندوستان میں ایام آگئے ہوں پس اس کی قربانی صحیح نہ ہوگی، اور اگر وہاں ایام گذر گئے تو قربانی اس پر قضا ہوگئی اور قربانی کی قضا میں اراقۃ دم (جانور ذبح کرنا) درست نہیں ہے بلکہ زندہ جانور کا یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، فافہم۔

اب سوال صرف اس عبارت: "المعتبر مکان الاضحیة لا مکان من علیه" میں "لامکان من علیه" کا ہے، تو جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق ایام کے ساتھ نہیں ہے کہ ایام کا اعتبار کرنے میں جانور کی جگہ کو دیکھا جائے گا قربانی کرنے والے کی جگہ کو نہیں، بلکہ اس کا تعلق وجوب ذمہ میں آنے کے بعد اس شرط کے ساتھ ہے جو شہری پر لازم ہے یعنی نماز کے بعد ذبح کرنا کہ اس شرط کا لحاظ کرنے میں کس کی جگہ کا اعتبار ہوگا؟ تو فرمایا: جانور کی جگہ کا اعتبار ہوگا قربانی کرنے والے کی جگہ کا نہیں، قربانی کا وجوب ذمہ میں آنے و قضا کے لحاظ میں اس عبارت کو کوئی مس نہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذ التضحية لايختلف وقتها بالمصري وغيره بل شرطها ، فأول وقتها فى حق المصري والقروي طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز

لفقد الشرط لالعدم الوقت کما فی المبسوط.[1]

پس حاصل یہ ہے کہ بوقت ذبح دونوں ہی جگہ عید کا ہونا ضروری ہے اگر کسی ایک جگہ بھی عید نہ ہوتو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ فتدبر هذا التحقیق فهو بالقبول حقیق والله ولی التوفیق (أسامه غفر له)

قربانی کے جانور اور ان کی عمریں

بکرا بکری، مینڈھا مینڈھی: ایک سال کے؛ گائے بیل، بھینس بھینسا: دو سال کے؛ اونٹ اونٹنی: پانچ سال کے؛ بس انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے ان کے علاوہ کوئی اور جانور: ہرن، خرگوش وغیرہ کی قربانی درست نہیں [2] — اگر کوئی جانور دو مختلف الجنس جانور کے اختلاط سے پیدا ہوا ہوتو اس میں اس کی ماں کا اعتبار ہوگا مثلا ہرن اور بکری کے اختلاط سے پیدا ہوا تو اس کی قربانی جائز ہے کہ ماں اس کی بکری ہے اور اس کے برعکس یعنی بکرا اور ہرنی کے اختلاط سے پیدا ہوا تو اس کی قربانی جائز نہ ہوگی علیٰ ہذا القیاس [3] — اور عمر کے لحاظ سے ہر جانور میں مذکورہ عمروں کا اعتبار ہوگا اس سے ایک دن بھی کم ہوتو قربانی جائز نہ ہوگی [4] اور حساب میں اعتبار قمری سال کا ہوگا نہ کہ شمسی سال کا جیسا کہ زکوۃ میں ہے؛ البتہ صرف مینڈھا (بھیڑ) کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ اگر وہ چھ ماہ یا زیادہ عمر کا ہو اور اتنا فربہ ہو کہ سال بھر کے مینڈھوں میں اس کو چھوڑ دیا جائے تو دور سے چھوٹا معلوم نہ ہوتو ایسے مینڈھے کی

---

(۱) (ردالمحتار: ۹/ ۴۶۰؛ اللباب في شرح الکتاب: ۳/ ۹۹)

(۲) (الدر المختار: ۹/ ۴۶۶؛ بدائع الصنائع: ۴/ ۲۰۵)

(۳) والمتولد بین الأهل والوحشي یتبع الأم. (الدر المختار: ۹/ ۴۶۶)

(۴) ...حتی لو ضحی بأقل من ذالک لم یجز. (هندیه: ۳/ ۲۹۷)

قربانی درست ہے (۱) ـــــ اگر بیچنے والا جانور کی پوری عمر بتلاتا ہو اور ظاہری حالات سے بھی ایسا لگتا ہو تو اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اگر چہ وہ کافر ہو (۲) ـــــ اور اعتبار عمر کا ہے دانت نکلنے کا نہیں حتی کہ اگر کسی بکرے کی عمر یقینا ایک سال ہوگئی ہے، لیکن آگے کے دو دانت نہیں نکلے (جو عامۃً بکرے اور بھیڑ میں سال بھر ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے) تب بھی اس کی قربانی جائز ہے۔ (۳)

بڑے جانور میں شرکت کی حد

بکرا مینڈھا ایک ہی آدمی کی طرف سے ہوسکتا ہے اس میں شرکت جائز نہیں اور بڑا جانور یعنی اونٹ اونٹنی، گائے بیل، بھینس بھینسا میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔ سات سے زیادہ جائز نہیں، اگر آٹھ آدمی شریک ہوئے تو کسی کی بھی قربانی جائز نہ ہوگی۔ سات سے کم میں کوئی حرج نہیں پورا جانور ایک ہی آدمی کی طرف سے ہو تب بھی جائز ہے (۴) ـــــ اور تمام شرکا کے لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی عبادت مثلاً قربانی یا عقیقہ یا دم تمتع وغیرہ کی نیت سے شریک ہوں، اگر ایک کی بھی نیت گوشت خوری کی ہوگی تو سب کی قربانی درست نہ ہوگی (۵) ـــــ اگر کوئی شخص جانور میں ایک حصہ اپنے کسی مرحوم رشتہ دار یا پیر و مرشد یا نبی کریم ﷺ کی طرف سے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ چھ آدمی اپنا حصہ رکھنے کے بعد ساتواں حصہ مشترکہ طور

(۱) (الدر المختار: ۹/ ۴۶۵)

(۲) يجب أن يعلم بأن العمل بغالب الرأي جائز في باب الديانات وفي باب المعاملات. (هندية: ۵/ ۳۱۳)

(۳) (مستفاد: رحيمية: ۳/ ۱۸۱؛ محمودية: ۱۷/ ۳۶۷)

(۴) (الدر المختار: ۹/ ۴۵۷)

(۵) وإن كان شريك الستة نصرانيا أو مريد اللحم لم يجز عن واحد منهم لأن الإراقة لا تتجزأ. (الدر المختار: ۹/ ۴۷۲)

پر حضور ﷺ کی طرف سے کردے[۱] — اگر شرکاء میں سے کوئی مرگیا تو میت کے ورثا کی اجازت (صراحتاً یا دلالتاً) ضروری ہے، ان کی اجازت کے بغیر کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی[۲] — اگر غریب نے جانور اپنے لئے خریدا، اور خریدتے وقت شرکت کی نیت نہیں تھی تو وہ جانور اسی کے لئے متعین ہوگیا اب اس میں کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا، برخلاف غنی (صاحب نصاب) کے۔[۳]

قربانی میں مانع اور غیر مانع عیوب کی تحدید

اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ: جانور میں ہر ایسا عیب جس سے کسی قسم کی منفعت یا ظاہری جمال بالکل ختم ہوجائے قربانی کے لئے مانع ہے۔ اور جو عیب ایسا نہ ہو اس میں حرج نہیں۔[۴]

پس اس پر متفرع کرتے ہوئے کچھ تقریبی تحدید پیش کی جاتی ہے:

مانع عیوب:

۱- جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی سے زائد روشنی چلی گئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۵]

۲- جانور کا ایک کان ایک تہائی سے زائد کٹ گیا ہو؛ یا دُم (پونچھ) ایک تہائی سے زائد کٹ گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (البتہ دم یا کان پیدائشی چھوٹے

(۱) (مستفاد: محمودیہ: ۱۷/۴۰۵؛ رحیمیہ ۲/۹۰؛ الدر المختار: ۹/۴۷۱)

(۲) ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم لأن بعضها لم يقع قربة. (الدر المختار: ۹/۴۷۱)

(۳) أما الفقير فلا يجوز أن يشرك فيها لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية فتعينت. (ردالمحتار: ۴/۳۸، باب الهدي)

(۴) كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية وما لا يكون بهذه الصفة لا يمنع (هنديه: ۵/۲۹۹) (۵) (هنديه: ۵/۲۹۷)

ہوں تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح کان میں سوراخ ہو یا کان لسبائی میں چیرا گیا ہو تو بھی مضائقہ نہیں) (۱)

۳-اگر زبان اتنی کٹ گئی ہو کہ گھاس نہ کھاسکتا ہو تو قربانی جائز نہیں (۲) ۴-جانور کے پیدائشی دانت نہ ہوں یا اکثر دانت گر گئے ہوں تو قربانی جائز نہیں۔ (۳) (البتہ اگر دانت نہ ہونے کے باوجود گھاس کھاسکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے یہی صحیح قول ہے) (۴)

۵-جانور کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا اور اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو قربانی جائز نہیں۔ (البتہ اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ جڑ سے نہیں ٹوٹا، بیچ میں سے ٹوٹ گیا یا صرف کھول اتر گیا تو اس کی قربانی جائز ہے) (۵)

(۱) وفي الجامع أنه إذا كان ذهب الثلث أو أقل جاز، وإن كان أكثر لا يجوز، والصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوى، كذا في فتاوى قاضي خان. (هنديه: ۵/۲۹۷، ردالمحتار: ۶/۳۲۴)

(۲) وفي اليتيمة كتبت إلى أبي الحسن علي المرغيناني، ولو كانت الشاة مقطوعة اللسان هل تجوز التضحية بها؟. فقال: نعم إن كان لا يخل بالاعتلاف، وإن كان يخل به لا تجوز التضحية بها، كذا في التاتارخانية. (هندیہ: ۵/۲۹۸؛ ردالمحتار: ۹/۴۷۰، ط: زکریا)

(۳) ولا بالهتماء التي لا أسنان لها، ويكفي بقاء الأكثر. (الدرالمختار؛ خانیه: ۳/۳۴۶)

(۴) وأما الهتماء وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، كذا في البدائع. وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. (ہند ۵/۲۹۸)

(۵) (قوله ويضحي بالجماء) هي التي لا قرن لها خلقة وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز قهستاني، وفي البدائع إن بلغ الكسر المشاش لا يجزئ والمشاش رءوس العظام مثل الركبتين والمرفقين اهـ (ردالمحتار: ۶/۳۲۳؛ ہند ۵/۲۹۸)

۶- جانور اتنا لنگڑا ہو کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو قربانی جائز نہیں (لیکن اگر چلتے وقت اس لنگڑے پاؤں کا سہارا لے کر چلتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو پھر اس کی قربانی درست ہے)[۱]

۷- جانور اتنا پاگل یا بیمار ہو کہ پاگل پن اور بیماری کی وجہ سے کھاپی نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۲]

۸- اتنا کمزور اور مریل ہو کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو (جس کی علامت یہ ہے کہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے) تو اس کی قربانی جائز نہیں (اور اگر اتنا کمزور نہ ہو بلکہ چلتا پھرتا ہو مگر دبلا پتلا ہو تو کوئی حرج نہیں اس کی قربانی جائز ہے)[۳]

۹- دو تھن والے جانور میں ایک تھن اور چار تھن والے جانور میں دو تھن سوکھ گئے ہوں (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے ان میں دودھ نہ اترتا ہو) یا کٹ گئے ہوں یا اتنے زخمی ہوں کہ بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۴]

---

(۱) والعرجاء البين عرجها: هي ما لا يمكنها المشي برجلها العرجاء، وإنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (العناية شرح الهداية: ۹/ ۵۱۵)

(۲) وتجوز الثولاء وهي المجنونة إلا إذا كان ذلك يمنعها عن الرعي والاعتلاف فلا تجوز. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۵)

(۳) (ولا... العجفاء) المهزولة التي لا مخ في عظامها (الدر المختار) أي لا مخ لها، وهذا يكون من شدة الهزال... فلا يضر أصل الهزال. (ردالمحتار: ۶/ ۳۲۳)

(۴) ولا... الجذاء) مقطوعة رءوس ضرعها أو يابستها. (الدر المختار) وفي التاتارخانية والشطور لا تجزئ، وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما قطع من ضرعيها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع (ردالمحتار: ۸/ ۳۲۵) ولا المصرمة أطباؤها: وهي التي عولجت حتى ←

۱۰- خنثیٰ یعنی جانور میں پیدائشی مذکر ومؤنث دونوں کی علامت ہو، یا کوئی علامت نہ ہو تو قربانی جائز نہیں۔ (۱)

ملحوظہ: یہ سب عیوب خواہ خریدنے سے پہلے ہوں یا خریدنے کے بعد پیدا ہوئے ہوں دونوں کا حکم یکساں ہے، البتہ ذبح کرتے وقت جانور کے تڑپنے یا کودنے سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ایسا عیب معاف ہے۔ (۲)

غیر مانع عیوب:

وضاحت: غیر مانع عیوب تو بے شمار ہیں، یہاں صرف ان کو بیان کیا جاتا ہے جن سے غلط فہمی اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے، پس وہ یہ ہیں:

۱- جانور خارش زدہ، مگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (۳)

۲- زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے بچہ پیدا کرنے کے لائق نہ رہا ہو، اس کی قربانی جائز ہے۔ (۴)

۳- داغ دیا ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی جائز ہے۔ (۵)

← انقطع لبنها (الدرالمختار)(قوله وهي إلخ) فسرها الزيلعي بالتي لا تستطيع أن ترضع فصيلها. (ردالمحتار:۸/ ۳۲۴؛ خلاصة الفتاوی: ۴/ ۳۲۱)

(۱) ولا بالخنثى لأن لحمها لا ينضج. (الدرالمختار) وبهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لا تخلو إما أن تكون ذكرا أو أنثى، وعلى كل تجوز. (ردالمحتار:۶/ ۳۲۵؛ هندية:۵/ ۲۹۹)

(۲) ولايضر تعيبها من اضطرابها عند الذبح (الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۹/ ۴۷۱، م: زکریا)

(۳) ويضحى ...الجرباء السمينة، فلو مهزولة لم يجز. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۹/ ۴۶۵) (۴) ويجوز المجبوب... والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (ہندیہ:۵/ ۲۹۷) (۵) ويجوز... اللتي بها كيّ (ہندیہ:۵/ ۲۹۷)

۴-جانور ایک فوطہ والا ہو تو کوئی بات نہیں، قربانی درست ہے۔[۱]

۵-جانور رسولی والا ہو تو مضائقہ نہیں، قربانی صحیح ہے۔[۲] (رسولی: گلٹی اور بڑی گرہ کو کہتے ہیں جو مواد سے ہو جاتی ہے یہ علامۃ اوپری حصہ میں پشت اور گردن کے بیچ میں ہوتی ہے، فیروز اللغات)

۶-کتیا، خنزیر یا عورت کے دودھ سے جس جانور نے پرورش پائی ہو اس کی قربانی جائز ہے (کیوں کہ بڑا ہونے تک چارہ وغیرہ کھانے سے اس دودھ کا اثر ختم ہو جاتا ہے)[۳]

۷-جانور نجاست کھانے والا ہو مگر چند روز باندھ کر اس کو چارہ کھلایا گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ اس کی مدت اونٹ میں ایک مہینہ؛ گائے، بھینس میں ۲۰/روز اور بکرے مینڈھے میں ۱۰/روز ہے، مگر علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ وقت کی کوئی تحدید نہیں جب بھی جانور کے گوشت سے بدبو ختم ہو جائے ذبح کرنا جائز ہے۔[۴]

اور جو جانور نجاست کے ساتھ چارہ وغیرہ بھی کھاتا ہو اور نجاست کھانے سے اس کا گوشت بدبودار نہ ہوا ہو اس کو فوراً ذبح کرنا جائز ہے، باندھنا ضروری نہیں۔[۵]

---

(۱)(بدلیل جواز الخصی، کمافی المحمودیة)

(۲)(فتاوی رحیمیه: ۱۸۳/۴)

(۳)حلت کماحل أکل جدی غذی بلبن خنزیر. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۴۹۱/۹، کتاب الحظر)

(۴)وفی البزازیة: أن ذالک شرط فی اللتی لاتأکل إلاالجیف ولکنه جعل التقدیر فی الابل بشهر وفی البقر بعشرین وفی الشاة بعشرة، وقال السرخسی: الأصح عدم التقدیر حتی تزول الرائحة المنتنة (ردالمحتار: ۴۹۱/۹، کتاب الحظر)

(۵)ولو أکل النجاسة وغیره بحیث لم ینتن حلت (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۴۹۱/۹)

۸- جو جانور بت یا مزار کے نام پر چھوڑا گیا ہو مگر اس کے مالک (چھوڑنے والے) سے خرید لیا گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے (مالک سے خریدنا اس لئے کہ ایسا جانور مالک کی ملک ہی میں رہتا ہے) (۱)

۹-جس جانور کے بال کاٹ لئے گئے ہوں یا بال جل گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ (۲)

۱۰- زمین جوتنے یا رسی باندھنے یا مارنے سے جسم پر نشان یا زخم پڑ گیا ہو تو اس کی بھی قربانی جائز ہے۔ (۳)

مگر مستحب یہ ہے کہ جانور خوبصورت، فربہ اور پیدائشی اعتبا سے مکمل ہو کہ یہ قربان گاہ الٰہی پر اپنی چاہت اور محبت کی قربانی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ جانور میں ذرا بھی عیب نہ ہو، ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہو۔ (۴)

عقیقہ کا بیان

عقیقہ کا وقت؛ جانور کی عمر؛ تعداد وغیرہ

عقیقہ: عقؒ سے مشتق ہے جس کے معنی ہے کاٹنا، اصطلاح میں عقیقہ کہتے ہیں: بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز (یعنی بچہ جمعہ کو پیدا ہوا تو جمعرات کو) اس کے بال کاٹنا اور جانور ذبح کرنا — عقیقہ سنت ہے، حدیث شریف میں ہے کہ: آپ ﷺ نے فرمایا بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے، یعنی معرض آفات میں رہتا ہے

(۱) معارف القرآن: ۱/ ۴۲۳، سورۂ بقرہ، تحت الآیۃ وما اھل بہ لغیر اللہ.

(۲) وکذا المجزوزۃ وھی اللتی جز صوفھا الخ (ہندیہ: ۵/ ۲۹۷)

(۳) (عزیز الفتاوی: ۳/ ۵۴۰)

(۴) قال القھستانی: واعلم أن الکل لایخلو عن عیب، والمستحب أن یکون سلیما عن العیوب الظاھر، فما جوزھا ھنا جوز مع الکراھۃ. (رد المحتار: ۹/ ۴۶۸)

عقیقہ کرنے سے آفات اور بلائیں دور ہو جاتی ہیں [۱] ــــ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا مینڈھے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا مینڈھا ذبح کرنا مسنون ہے [۲] ــــ مذکر و مؤنث کی رعایت ضروری نہیں یعنی لڑکے کی طرف سے بکرا اور لڑکی کی طرف سے بکری ہی ہونا، البتہ رعایت بہتر ہے، یہ بھی ضروری نہیں لڑکے کی طرف سے دو ہی بکرے ہوں بلکہ گنجائش نہ ہو تو ایک بکرا بھی کافی ہے [۳] ــــ اسی طرح بڑے جانور میں حصہ بھی لیا جا سکتا ہے لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے [۴] ــــ عقیقہ کے دن بچہ کے بال کاٹ کر سر میں زعفران (پانی میں بھگو کر) مل دینا اور بال کے وزن برابر چاندی صدقہ کرنا مستحب ہے، لیکن اگر نہیں کیا تب بھی عقیقہ درست ہے [۵] ــــ اگر کسی نے ساتویں روز عقیقہ نہیں کیا تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کر لے، بلا وجہ تاخیر نہ کرے، یہ مستحب ہے، جہاں تک جواز کی بات ہے عمر بھر میں جب چاہے کر سکتا ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت کے بعد کیا تھا [۶] ــــ اور مستحب ہے کہ اسی ساتویں روز ہی بچہ کا نام رکھا جائے اس سے آگے پیچھے بھی رکھا جا سکتا ہے، بلکہ پیدائش سے پہلے بھی نام رکھنا جائز ہے [۷] ــــ اور عقیقہ زندہ بچہ ہی کا درست ہے مرحوم بچہ کا عقیقہ ثابت نہیں [۸] البتہ

---

(۱) (ابو داؤد، حدیث: ۲۸۴۵، فی العقیقۃ)

(۲) (مسند ابی یعلی الموصلی، حدیث: ۴۵۲۸)

(۳) (کفایۃ المفتی: ۸/۲۴۴-۲۴۱)

(۴) (اعلاء السنن: ۱۱۹/۱۷، الذبائح؛ المعجم الصغیر للطبرانی: ۸۴/۱)

(۵) (مستفاد: صحیح ابن حبان، حدیث ۵۳۹۸، باب العقیقۃ، شامی ۹: ۴۸۵)

(۶) (مستفاد: اعلاء السنن: ۱۷/۱۲۱ کتاب الذبائح؛ فتح الباری: ۹/۵۹۵ باب العقیقہ - طحاوی: حدیث ۸۸۳)

(۷) (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵/۱۹۱) (۸) (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۹۴)

ساتویں دن سے قبل بچہ مرجائے تو اس کا عقیقہ مستحب ہے[۱] —— عقیقہ کے جانور میں وہی عمر اور اوصاف کا لحاظ ضروری ہے جو قربانی میں ضروری ہے، گوشت اور چمڑے میں بھی یہی حکم ہے۔[۲] —— شادی کی دعوت میں عقیقہ کی نیت درست ہے، مگر بہتر نہیں مستقل کرنا چاہئے[۳] —— اور عقیقہ میں تفائلا جانور کی ہڈیاں نہ توڑنا مستحب ہے، اس سلسلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ثابت ہے[۴] البتہ ہڈیاں توڑنا ناجائز بھی نہیں[۵] بعض لوگ ناجائز سمجھتے ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی نے توڑ لی تو باقاعدہ نکیر کی جاتی ہے یہ غلط ہے، قابل اصلاح ہے۔[۶]

باب سوم: حظر واباحت اور متفرق مسائل

کھانے پینے کی اشیاء کا بیان

جلالہ جانور کا حکم اور اس کے حبس کی مدت

اگر کوئی حلال جانور کسی عارضہ کی وجہ سے نجاست کھانا شروع کردے جس کی وجہ سے اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے جو قریب جانے پر محسوس ہوتی ہو تو اس کو جلّالہ کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ: اس کو محبوس کر کے اتنے دنوں تک گھاس دانہ کھلایا جائے کہ نجاست کا اثر اس کے گوشت سے ختم ہوجائے، اس سے پہلے اس کا گوشت کھانا

(۱) ولو مات قبل السابع، استحب العقيقة عندنا. (اعلاء السنن: ۱۲۶/۱۷)

(۲) وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى. (ردالمحتار: ۳۳۶/۶)

(۳) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۷۱/۶) (۴) (إعلاء السنن: ۱۱۷/۱۷، كتاب الذبائح)

(۵) سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا.
(ردالمحتار: ۳۳۶/۶، قبيل كتاب الحظر)

(۶) الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية: ۲۶۵/۲، قبيل فصل في القرأة)

اس کا دودھ پینا، اس پر بار برداری کرنا، اور اس کی بیع وہبہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[۱]

اس حبس کے لئے ظاہر الروایت میں مرغی میں تین دن، بکری میں چار دن، اور گائے اور اونٹ میں دس دن کی قید لگائی گئی ہے، مگر اصح یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید نہیں، بلکہ مبتلی بہ کی رائے پر موقوف ہے، جب اس کو قرائن سے یہ غالب گمان ہوجائے کہ اب اس کے گوشت سے نجاست کا اثر ختم ہوگیا تو وہ حلال ہے، اور جب تک یہ غالب گمان نہ ہو حلال نہیں، خواہ اس کے لئے دس دن لگے یا اس سے کم وبیش۔

فائدہ: اگر کسی جانور نے خنزیر یا کتیہ کے دودھ یا گوشت سے نش ونما پائی یا مچھلی کو ناپاک پانی میں چھوڑ دیا اور اسی میں وہ بڑی ہوئی تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس سے اس کے گوشت میں بدبو وغیرہ پیدا نہیں ہوتی جس کی بنا پر اس کو حرام کہا جائے برخلاف جلالہ کے۔[۲]

---

(۱) وفي التجنيس: إذا كان علفها نجاسة تحبس الدجاجة ثلاثة أيام، والشاة أربعة، والإبل والبقر عشرة، وهو المختار على الظاهر. وقال السرخسي: الأصح عدم التقدير وتحبس حتى تزول الرائحة المنتنة. وفي الملتقى: المكروه الجلالة التي إذا قربت وجد منها رائحة فلا تؤكل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها، ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها. (ردالمحتار: ۳۰۶/۶، كتاب الذبائح، ط: بيروت؛ وكذا في المبسوط للسرخسي: ۲۵۶/۱۱، كتاب الصيد)

(۲) ولو ارتضع جدي بلبن كلبة أو خنزيرة حتى كبر لا يكره أكله لأن لحمه لا يتغير بذلك. (الجوهرة النيرة: ۱۸۶/۲، كتاب الأضحية)

وينظر الفرق بين السمكة وبين الجلالة اهـ بأن تحمل السمكة على ما إذا لم تنتن ويراد بالجلالة المنتنة تأمل. (ردالمحتار: ۳۰۷/۶، كتاب الذبائح)

ولو أرسلت السمكة في الماء النجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال كذا في البزازية اهـ وينظر الفرق بينها وبين الجلالة. (دررا لحكام شرح غرر الأحكام: ۲۸۱/۱، آخر كتاب الذبائح)

پس آج کل جو بعض جگہوں پر مرغیوں کو خنزیر کا گوشت کھلایا جاتا ہے، یا بعض قسم کی مچھلیوں کو کتے وغیرہ کا گوشت غذاءً دیا جاتا ہے تو فقہاء کی مذکورہ تصریح کے مطابق اس سے اس جانور میں حرمت پیدا نہ ہوگی، وہ حلال ہے۔ تاہم جب قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ وہی مرغی یا مچھلی ہے تو اس سے احتیاط اولیٰ و بہتر ہے۔

حلال جانور کی سات چیزیں کھانا حرام ہے

(۱-۲) شرمگاہ نر اور مادہ دونوں کی۔

(۳) خصیتین (فوطے)

(۴) مثانہ (پیشاب کی تھیلی)

(۵) غدود (گرہ/گانٹھ جو کھال اور گوشت کے درمیان ہوتی ہے)

(۶) پتہ (جس میں زرد رنگ کا کڑوا پانی ہوتا ہے)

(۷) بہتا خون (جو رگوں میں سے نکلتا ہے)[۱]

فائدہ: لیکن اوجھڑی اور آنتیں حلال ہیں، کھانا جائز ہے، وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے جو حرام اشیاء بیان کی ہیں یہ ان کے علاوہ ہیں۔ (محمودیہ: ۲۹۳/۱۷) نیز گوشت کے اوپر جو خون لگا رہتا ہے وہ بھی پاک اور حلال ہے، پس گوشت دھونا ضروری نہیں، بلا دھوئے بھی کھانا جائز ہے (تاہم نظافت اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ دھولیا جائے) البتہ گوشت پر رگوں کا خون۔ جو ذبح کے وقت نکلتا ہے۔ لگ گیا تو پھر دھونا ضروری ہے کہ وہ خون ناپاک ہے۔[۲]

(۱) ما یحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (بدائع الصنائع: ۶۱/۵، كتاب التضحية)

(۲) وما يبقى من الدم في عروق الذكاة بعد الذبح لا يفسد الثوب وإن ←

انتباہ: ''غدۃ'' کے صحیح معنی وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے یعنی گرہ/گانٹھ/گھٹلی جو گوشت اور کھال کے درمیان ہوتی ہے، بعض نے اس کے معنی حرام مغز سے کیا ہے جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، مگر یہ معنی صحیح نہیں، حرام مغز کے لئے عربی میں نخاع الصلب کا لفظ آیا ہے، اور فیروز اللغات: ۵٦۵ میں ہے: حرام مغز: ''اس گودے کو کہتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے'' اھ جبکہ بعض لوگوں نے کہا: حرام مغز: جانور کی پیلی رگیں ہیں جنھیں پٹھا بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال حرام مغز جو بھی ہو اس کا کھانا حرام نہیں اس لئے کہ وہ مستثنیات میں داخل نہیں؛ إمداد الأحکام: ۳۱۲/۴، باب الأکل والشرب میں ہے کہ: ''حرام مغز کی حرمت کا مصرح ہونا ہم کو کتب فقہ میں نہیں ملا، اگر آپ نے تصریح دیکھی ہے تو عبارت کتاب مع حوالہ صفحہ وجلد وباب لکھ کر مطلع فرمائیں، اس کے بعد نجاست سے بحث کی جائے گی''۔ اور کفایۃ المفتی میں ہے: ''حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ یونہی بیچارہ بدنام ہوگیا''۔ (۱)

تاہم بعض فقہی کتب میں حرام مغز کو کراہت میں شامل کیا گیا ہے، چنانچہ فتاوی رشیدیہ: ۵۵۲ میں اس کو ممنوعات میں شمار کیا ہے، اس لئے تطبیق کی یہ شکل بیان کی جاسکتی ہے کہ: حرام مغز میں طبعی کراہت مراد لی جائے نہ کہ شرعی کراہت، پس کوئی تعارض نہ رہے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

مذبوحہ مرغی کی حرمت میں کس قدر گرم پانی اور وقت کا اعتبار؟

یہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ: مرغی کو ذبح کرکے آلائش نکالے اور اس پر لگی نجاست

← فحش كذا في فتاوى قاضي خان، وكذا الدم الذي يبقى في اللحم؛ لأنه ليس بمسفوح. هكذا في محيط السرخسي. وما لزق من الدم السائل باللحم فهو نجس. كذا في منية المصلي. (هندیہ: ۴٦/۱، کتاب الطہارت)

(۱) (۱۲۳/۹، كتاب الحظر والإباحة، باب المأكولات والمشروبات)

کو ہٹائے بغیر گرم پانی میں ڈال دیا تو اس کا کھانا کسی حال میں حلال نہیں؛ تو یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ایسی مرغی کو کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا ہو اور اتنی دیر تک باقی رکھا ہو کہ گوشت نیم برشت ہو جائے یعنی کچھ ہلکا سا پک جائے، اس صورت میں چونکہ نجاست اندر تک پیوست ہو جاتی ہے اس لئے دھونے سے بھی وہ گوشت پاک نہیں ہو سکتا اور اس کے حلت کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ پس معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں حرمت کا حکم نہ ہوگا:

۱- آلائش کو نکالنے اور اس پر لگی نجاست کو سادے پانی سے اچھی طرح دھونے کے بعد ڈالا۔

۲- آلائش کوئی نہیں نکالا یا نجاست کو صاف نہیں کیا، مگر مرغی کو ٹھنڈے پانی میں ڈالا۔

۳- پانی گرم تھا مگر ہلکا گرم تھا۔

۴- پانی بہت تیز گرم تھا مگر اتنی دیر نہیں ڈالا کہ اس کا اثر گوشت تک پہنچے، بلکہ صرف کھال تک اس کا اثر رہا۔

ان آخری تین صورتوں میں تین مرتبہ دھونے سے گوشت پاک ہو جائے گا؛ اکثر دکاندار 'پر' نکالنے کے لئے آخری صورت اپناتے ہیں، پس گرم پانی میں ڈالی جانے والی مرغی کو مطلقاً حرام نہیں کہنا چاہئے اور نہ ہی کسی کے کاروبار پر بلا تحقیق حرمت کا فتویٰ لگانا چاہئے؛ مع ہذا دکانداروں کے لئے بھی اس مسئلہ سے واقفیت اور اس میں احتیاط بہت ضروری ہے کہ ذرا سی غفلت حرمت پیدا کر کے گناہ عظیم کا باعث بن سکتی ہے۔[1]

---

(۱) وکذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها فتح. (الدر المختار) قال في الفتح: إنها لا تطهر أبدا لكن على قول أبي يوسف تطهر، والعلة -والله أعلم- تشربها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر ←

کھانا کتنی اور کونسی انگلیوں سے؟ اور بعد فراغت ان کے چاٹنے کی ترتیب

داہنے ہاتھ کی تین انگلی- درمیان والی، شہادت والی اور انگوٹھے- سے کھانا مستحب ہے، اور فراغت کے بعد اولاً درمیان والی انگلی چاٹیں پھر شہادت کی انگلی اور پھر انگوٹھے کو صاف کریں۔ (۱)

دواعلاج کا بیان

اسقاط حمل کی تحدید

محقق بات یہ ہے کہ: جان پڑنے کے بعد اسقاط حمل مطلقاً جائز نہیں، اس سے پہلے مجبوری کی بنا پر جائز ہے۔ اور جان پڑنے کی مدت چار مہینے (۱۲۰ دن) ہے، کہ اس مدت کے بعد عموماً حمل میں جان پڑ جاتی ہے پس اس مدت کے بعد کسی بھی حال میں اسقاط جائز نہ ہوگا ورنہ ایک زندہ انسان کا قتل لازم آئے گا—— بلکہ مذکورہ مدت

← نجس، لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير محقق في السميط حيث لا يصل إلى حد الغليان، ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف، بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر، فالأولى في السميط أن يطهر بالغسل ثلاثا فإنهم لا يتحرسون فيه عن النجس، وقد قال شرف الأئمة بهذا في الدجاجة والكرش والسميط اهـ وأقره في البحر. (ردالمحتار: ۱/۳۳۴، باب الأنجاس)

(۱) عن محمد بن كعب بن عجرة، عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه الثلاث: بالإبهام، والتي تليها، والوسطى، ثم رأيته يلعق أصابعه الثلاث قبل أن يمسحها، ويلعق الوسطى، ثم التي تليها، ثم الإبهام. (المعجم الأوسط للطبراني: ۲/۱۸۰، حديث: ۱۵۴۹، باب الألف)

سے پہلے بھی کچھ قرائن -مثلاً سونو گرافی وغیرہ سے- اگر بچہ میں جان پڑ جانے کا غالب گمان بلکہ احتمال ہو تو اسقاط جائز نہ ہوگا۔

اور جان پڑنے سے پہلے کوئی واقعی مجبوری ہو تو اسقاط کی گنجائش ہے، جیسے حمل کو باقی رکھنے میں عورت کی جان کا؛ یا اس کے کسی عضو کے تلف ہونے کا؛ یا کسی بڑی بیماری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو؛ تو اسقاط کی گنجائش ہے ---- اور یہ اندیشہ ماہر قابل اعتماد مسلمان اطباء کے بتلانے سے یا خود کے ظن غالب سے پیدا ہوا ہو ---- اسی طرح عورت کا دودھ پیتا بچہ ہے اور حمل ٹھہر جانے سے اس کا دودھ منقطع ہو گیا جس سے بچے کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور صورت حال یہ ہے کہ کوئی دائی بھی میسر نہیں یا شوہر کو اس کی اجرت پر قدرت نہیں؛ یا عورت کو ایڈز وغیرہ مہلک بیماری لاحق ہے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا؛ یا پیدا ہونے والا بچہ بالکل اپاہج پیدا ہوگا، جو خاندان کے لئے ایک ناتواں بوجھ سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوگا؛ یا حمل زنا کا ہے جس میں ضیاع نسب کی قباحت کے ساتھ عورت کے لئے معاشرہ میں بدنامی یا کسی شورش کا اندیشہ ہے؛ تو ان سب صورتوں میں- جب کہ حمل میں ابھی جان نہیں پڑی- اسقاط کی گنجائش ہے۔ مگر معمولی چھوٹے چھوٹے عذر کی بنا پر اسقاط کی اجازت اس وقت بھی نہ ہوگی، کیونکہ اگرچہ حمل میں جان نہیں پڑی مگر انسان کا ایک جزو ہونے کی بنا پر اس کی حفاظت ضروری ہے، لہٰذا جب تک معقول عذر نہ ہو اس کو علاحدہ کرنا جائز نہیں۔

حاصل بیان: اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ: حمل پر آنے والے مختلف مراحل ہوتے ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے: استقرار حمل کے بعد نطفہ ابتدائی ایام میں محض بستہ خون پھر گوشت کی شکل میں ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس میں روح اور زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں، اور پھر ایک جاندار بچے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس میں جوں جوں مراحل آگے بڑھتے جاتے ہیں اسقاط کی ممانعت اتنی ہی

شدید ہوتی جاتی ہے، سب سے کم ممانعت ابتدائی حمل کے اسقاط میں ہے، پھر اس سے زیادہ اس حمل میں ہے جس کا کوئی عضو بن گیا ہو، پھر اس سے زیادہ جس میں زندگی کے آثار بھی پیدا ہو گئے ہوں، ان میں آخری صورت ہر حال میں حرام ہے، اور پہلی دو صورتیں عذر معقول سے -جیسا کہ کچھ اعذار اوپر بیان ہوئے- جائز ہیں، بلاعذر جائز نہیں۔ (۱)

فائدہ: اور جہاں تک سرے سے منع حمل کی بات ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ: عام حالات میں منع حمل تدابیر کا استعمال مرد و عورت کسی کے لئے جائز نہیں، خواہ وہ تدابیر عارضی ہوں یا مستقل۔ (۲)

البتہ ضرورت و مجبوری میں عارضی منع حمل تدابیر وادویہ کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے جائز ہے، جس کی چند صورتیں یہ ہیں:

۱-ماہر اطباء کی رائے میں ولادت کی صورت میں عورت کو نا قابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

۲-عورت اتنی کمزور ہو کہ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کو متحمل نہیں ہو سکتی اور حمل ہونے کی صورت میں اسے ضرر شدید لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

۳- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت اور نشو نما میں ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہو --- تو مناسب وقفہ کرنا جائز ہوگا۔

---

(۱)(مستفاد: ردالمحتار: ۶/ ۴۲۹، کتاب الحظر، آخر باب الاستبراء؛ إمداد: ۴/ ۲۰۳ کتاب الحضر والاباحۃ؛ فتاوی محمودیۃ: ۱۸/ ۳۲۱-۳۲۲، کتاب الحظر والاباحۃ، باب التداوی؛ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۷۹)

(۲) ثم سألوه عن العزل؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي"، وهي: {وإذا الموءودة سئلت} (صحيح مسلم: ۱/ ۴۶۶، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة الخ)

رہی بات دائمی تدابیر کے استعمال کی تو وہ مرد کے لئے کسی حال میں جائز نہیں، البتہ عورت کے لئے اس میں ایک استثنائی صورت ہے، وہ یہ کہ: ماہر قابل اعتماد ڈاکٹروں کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرادینا تاکہ استقرار حمل نہ ہوسکے بدرجہ مجبوری جائز ہے۔[۱]

باب اللباس و الزینة

ریشم کے کپڑے میں جائز مقدار

عورت کے لئے ریشم کا استعمال مطلقاً جائز ہے،[۲] جبکہ مرد کے لئے بحیثیت لباس کے صرف چار انگل کی اجازت ہے، چنانچہ اگر کرتے، ٹوپی، یا عمامہ وغیرہ میں ریشم سے نقش ونگار کیا یا پھول بوٹے لگائے تو چوڑائی میں چار انگل کے بقدر ہو تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، لمبائی کی کوئی تحدید نہیں۔ اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرقات کو جمع نہیں کیا جائے گا، پس چار انگل سے چھوٹی کڑھائی یا پھول متعدد جگہ ہوں تو حرج نہیں، تاہم اس میں شرط ہے کہ ان کے درمیان فاصلہ کپڑے میں موجود پھول یا کڑھائی کی چوڑائی سے زیادہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ریشمی ہی معلوم ہوتا ہو تو پھر جائز نہیں۔[۳]

---

(۱)(مستفاد: ردالمحتار: ۱۷۵/۳ - ۱۷۶، کتاب النکاح، مطلب فی حکم العزل نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۷۵)

(۲)(کنز العمال: ۱۵/ ۲۶۸ حدیث: ۴۱۸۵۷ محظور اللباس الحریر)

(۳) یحرم لبس الحریر... علی الرجل لا المرأة إلا قدر أربع أصابع كأعلام الثوب... وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو في عمامة. (الدر المختار) وهل المراد قدر الأربع أصابع طولا وعرضا بأن لا يزيد طول العلم وعرضه ←

اور بحیثیت لباس کی قید اس لئے کہ ریشم کے استعمال میں وہ طریقہ جو بحیثیت لباس کے نہ ہو وہ مرد کے لئے بھی حلال ہے: پس گھر میں ریشم کا پردہ لٹکائے؛ یا ریشم کا تکیہ یا بچھونا استعمال کرے؛ یا ریشم کی مچھر دانی میں سوئے؛ یا ریشم کے مصلی پر نماز پڑھے؛ یا قرآن کا جزدان ریشم کا بنائے؛ یا دستی رومال ریشم کا استعمال کرے؛ تو جائز ہے، کیونکہ یہ استعمال بحیثیت لباس کے نہیں ہے۔ (۱)

لیکن ریشم کی چادر یا لحاف کا استعمال مرد کے لئے جائز نہیں، کیونکہ یہ ایک گونہ لباس ہے؛ اسی طرح کرسی یا سواری پر کھانا کھاتے وقت گود میں جو کپڑا رکھا جاتا ہے جس کو عربی میں شکیرا کہا جاتا ہے- تا کہ کھانے کے ذرات یا چکناہٹ سے

← على ذلك أو المراد عرضها فقط، وإن زاد طوله على طولها المتبادر من كلامهم الثاني، ويفيده أيضا ما سيأتي في كلام الشارح عن الحاوي الزاهدي... (قوله وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق) أي إلا إذا كان خط منه قزا وخط منه غيره بحيث يرى كله قزا فلا يجوز كما سيذكره عن الحاوي، ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزا ونسجا إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه أربع أصابع، وإن زادت بالجمع ما لم ير كله حريرا تأمل. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۱-۳۵۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

(۱) ...لأن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه، فليس بحرام كما في صلاة الجواهر (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس) وفيه أن له أن يزين بيته بالديباج ويتجمل؛ ويحل توسده وافتراشه والنوم عليه؛ ولا بأس بكلة الديباج؛ ولا تكره الصلاة على سجادة من الإبريسم وكذا الكتابة في ورق الحرير وكيس المصحف والدراهم... ونحو ذلك مما فيه انتفاع بدون لبس؛ ومفاده جواز اتخاذ خرقة الوضوء منه بلا تكبر إذ ليس بلبس لا حقيقة ولا حكما. (الدر المختار ورد المحتار: ۶/ ۳۵۳ تا ۳۵۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

کپڑے خراب نہ ہو۔وہ کپڑا اریشم کا استعمال کیا جائے تو جائز نہیں، کیونکہ یہ لباس کی طرح ہے۔ (۱)

پھر ریشم کے کپڑے میں اعتبار بانے کا ہے، تانے کا نہیں (عرض اور چوڑائی میں جو تاگا ہوتا ہے اس کو "بانا" کہا جاتا ہے اور جو لمبائی میں ہوتا ہے اس کو "تانا" کہتے ہیں) پس بانا ریشم کا ہو تو اس کا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں، تانا خواہ ریشم کا ہو یا غیر ریشم کا؛ اور بانا غیر ریشم کا ہو تو اس کا پہننا جائز ہے، اگر چہ تانا ریشم کا ہو۔ (۲)

فائدہ: آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے، اگر چہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں، ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہو جائے تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہ ہوگا۔ (۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامے کی مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، علامہ جزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میں نے سیرت کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر

(۱) ويؤخذ من مسألة اللحاف والكيس المعلق ونحو ذلك أن ما يمد على الركب عند الأكل فيقي الثوب ما يسقط من الطعام والدسم ويسمى بشكيرا يكره إذا كان من حرير لأنه نوع لبس. (ردالمحتار: ۳۵۳/۶، كتاب الحظر، فصل في اللبس)

(۲) ويحل لبس ما سداه إبريسم ولحمته غيره ككتان وقطن وخز لأن الثوب إنما يصير ثوبا بالنسج والنسج باللحمة فكانت هي المعتبرة دون السدى. (الدر المختار: ۳۵۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

السدى: (من الثوب) کپڑے کا تانا، بعکس، لحمة: بانا. (القاموس الوحید: ۷۹۵/۱، م: حسینیہ دیوبند) بانا تانا کے خلاف وہ تار جسے جولاہے عرض میں بنتے ہیں۔ (نور اللغات، ص: ۵۱۵)

(۳) (أحسن الفتاوی: ۶۲/۸، کتاب الحظر والإباحة، أحکام لباس)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی، طبرانی کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار سات ذراع (ساڑھے دس فٹ = ۳ر میٹر ۶ر انچ) بیان کی گئی ہے، مگر علامہ بیجوری نے ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے، البتہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عمامے تھے: ایک بڑا جو بارہ ہاتھ کا تھا (۱۸ر فٹ = ۲۱۶ر انچ کا) اور ایک چھوٹا جس کی لمبائی سات ذراع (ساڑھے دس فٹ = ۱۲۶ر انچ کا) اور چوڑائی ایک ذراع (ڈیڑھ فٹ) تھی۔ (۱)

عمامہ میں شملہ کی مقدار و کیفیت

شرح زرقانی میں ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا اور دو شانوں کے درمیان میں شملہ چار انگل، یا ایک بالشت چھوڑا۔ (۲)

تحفۃ الالمعی میں ہے: ”پگڑی بغیر شملہ کے باندھنا بھی درست ہے، اور شملہ کے ساتھ بھی، پھر ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو بھی، اور اس کی مقدار کم از کم ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ کمر تک ہونی چاہئے اس سے لمبا شملہ جر ثوب کے دائرہ میں آتا ہے اور شملہ دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی سینہ پر ڈالا جا سکتا ہے، پہلے روافض بائیں کندھے سے سینہ پر شملہ ڈالتے تھے مگر اب ان کا یہ شعار نہیں رہا اس لئے یہ بھی درست ہے“۔ (۳)

فائدہ: اور جہاں تک عمامہ کے رنگ کی بات ہے تو اس سلسلہ میں کوئی تعیین

---

(۱) (مستفاد: مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۲۵۰؛ شرح زرقانی: ۵/ ۴؛ أنوار رسالت: ۵۲۲؛ الأوزان المحمودۃ: ۱۰۶، ملخصاً)

(۲) (شرح زرقانی: ۵/ ۱۲۰، کتاب اللباس، باب العمائم، دار الفکر بیروت)

(۳) (تحفۃ الألمعی شرح الترمذي: ۵/ ۷۰، أبواب اللباس)

نہیں، بعض روایات میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے کالے رنگ کا عمامہ زیب تن فرمایا، جبکہ بعض میں ہرے رنگ کا بھی تذکرہ ملتا ہے، تاہم لباس میں چونکہ آپ کو سفید لباس پسند تھا، اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سالار لشکر بنا کر روانہ فرمایا تو ان کا کالا عمامہ اتار دیا تھا اور خود اپنے دست مبارک سے سفید عمامہ باندھا تھا اور اس کی تعریف وتحسین بھی فرمائی تھی اس لئے سفید عمامہ افضل ہوگا۔(۱)

آستین کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے؟

قال الملاعلی القاری فی شرح الشمائل ص:۱۱۰ج۱: "قال الجزري فيه دليل على أن السنة أن لايتجاوز كمّ القميص الرسغ ، وأماغير القميص فقالوا السنة فيه لايتجاوزرؤس الأصابع من جبة وغيرها؛ وفي شرح الشمائل للمناوي :وأخرج سعيد بن المنصور والبيهقي عن علي رضي الله عنه :أنه كان يلبس القميص ثم يمدّ الكمّ حتى إذابلغ الأصابع قطع مافضل ويقول لافضل للكمّين على الأصابع" اه.

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کرتہ کی آستین گٹے تک ہونی چاہئے اور چونکہ غایت اکثر مغیہ سے خارج ہوتی ہے اس لئے گٹے کا کھلا رہنا بہتر ہے، اور ہاتھ کی انگلیوں سے آستین کا بڑھا ہونا خلاف سنت ہے۔(۲)

---

(۱)في الحديث الطويل...ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء، وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك وقال: هكذا يا ابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن (المستدرك للحاكم:۴/۵۸۲،كتاب الفتن والملاحم ،رقم الحديث: ۸۶۲۲) عن سمرة بن جندب، قال: قال رسول الله ﷺ: البسوا البياض فإنها أطهر وأطيب (سنن الترمذي:۴/۱۴۱،أبواب الأدب، في لبس البياض، رقم الحديث: ۲۸۱۰)

(۲)(مأخوذ: إمداد الأحكام: ۴/۳۲۴ كتاب اللباس، م: دار العلوم كراچی)

مرد وعورت کے لئے انگوٹھی میں جائز وناجائز کی تحدید

مرد کے لئے کسی بھی دھات سے تحلّی (تزین) پورے جسم میں کہیں جائز نہیں، البتہ صرف چاندی کی انگوٹھی کہ وہ مخصوص مقدار تک درست ہے۔ اور وہ مقدار ایک مثقال ہے: یعنی ۴ رگرام ۳۷۴ ملی گرام، اس سے زیادہ وزن والی انگوٹھی مرد کو جائز نہیں، نیز دو انگوٹھیاں بھی جائز نہیں، اگر چہ دو، دو گرام کی ہوں۔ پھر انگوٹھی میں اعتبار حلقہ کا ہے، نگینہ کا نہیں، پس نگینہ میں کوئی قید نہیں جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔(۱)

اور عورت کے لئے ہر قسم کی دھات سے تحلی (تزین) بلا تعیین عدد و مقدار جائز ہے، مگر محض انگوٹھی کہ اس میں سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھات کا استعمال جائز نہیں، پھر اس میں بھی مقدار اور عدد کی کوئی تعیین نہیں، انگوٹھی جتنے بھی وزن کی ہو یا عدد میں جس قدر بھی ہو جائز ہے، بس صرف اتنی شرط ہے کہ وہ سونے کی یا چاندی کی ہو؛ لوہے، ایلمونیم، پلاسٹک وغیرہ کی نہ ہو۔(۲) پھر اس میں بھی جیسا کہ بیان ہوا اعتبار حلقہ کا ہے نگینہ کا نہیں، اس لئے آج کل عورتوں میں ہیرے (ڈائمن) کی انگوٹھیاں

---

(۱) والعبرة بالحلقة من الفضة لا بالفص، فيجوز من حجر وعقيق وياقوت وغيرها وحل مسمار الذهب في حجر الفص (الدر المختار:٦/٣٦٠ كتاب الحظر)

(۲) ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقا إلا بخاتم ... أي الفضة. (الدر المختار) (قوله ولا يتحلى) أي لا يتزين. (رد المحتار: ٦/٣٥٩ كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس) يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق، الخ. (إعلاء السنن: ١٧/٢٩٣ كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال الخ) التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٤ كتاب الكراهية، الباب العاشر)

جو مروج ہیں جن میں عام طور پر سونا چاندی کے علاوہ اسٹیل یا ایلمونیم وغیرہ کا حلقہ ہوتا ہے یہ جائز نہیں، حلقہ: سونا یا چاندی کا ہونا ضروری ہے۔[۱]

فوائد:

۱-سونا، چاندی اگر دوسری دھات کے ساتھ مخلوط ہو تو جو دھات غالب ہوگی اس کا حکم جاری ہوگا۔[۲] پس مرد یا عورت کی انگوٹھی میں لوہے یا اسٹیل کی ملاوٹ ہو جیسا کہ آج کل بازار میں چاندی کے نام سے ایسی مخلوط انگوٹھیاں عام ہیں تو اگر اس میں چاندی غالب ہے تو پہننا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ البتہ تاتارخانیہ میں ہے کہ لوہے کی ایسی انگوٹھی جس پر چاندی کا ایسا ملمع کیا گیا کہ لوہا نظر نہ آئے اور وہ چاندی ہی کی لگتی ہو تو حرج نہیں۔[۳] (مگر تاتارخانیہ کی یہ بات مذکور اصول کے خلاف ہے، علاوہ ازیں عام متون کی روایت یہ ہے کہ قلعی اور گلیٹ کا اعتبار نہیں ہوتا)

۲-سونا چاندی کی قلعی (گلیٹ) والی اشیاء کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے بالاجماع جائز ہے؛ کیونکہ قلعی یعنی سونے چاندی کا پانی اس چیز میں کھپ جاتا ہے وہ جدا نہیں ہوسکتا اور فقط رنگت کا اعتبار نہیں، پس گھڑی، چشمہ، بٹن یا برتن وغیرہ جس میں سونا چاندی کی قلعی کی گئی ہو ان کا استعمال جائز ہے۔ ہاں مفضض یعنی جس چیز پر سونا

---

(۱) وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجل والنساء. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۹-۳۶۰ كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس)

(۲) وماغالبه الفضة أو الذهب فضة وذهب. (الدر المنتقى شرح الملتقى: ۴/ ۱۶۲ كتاب الصرف، مكتبه غفاريه) والغالب عليه الغش منهما فى حكم عروض اعتبارًا للغالب (الدر المختار: ۵/ ۲۶۶ كتاب البيوع، باب الصرف)

(۳) لا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة وألبس بفضة حتى لا يرى تاتارخانية. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۹-۳۶۰ كتاب الحظر، فصل فى اللبس)

چاندی کا اس طرح جڑاؤ کیا گیا ہو کہ وہ الگ ہوسکتا ہو تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں حرج نہیں جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا استعمال مکروہ ہے، اور امام محمدؒ سے روایات مختلف ہیں۔ (۱)

۳- یہ جو مشہور ہے کہ دوسری دھات کی انگوٹھی پہننے سے مرد وعورت کی نماز نہیں ہوتی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ نماز تو ہوجاتی ہے، تاہم اس میں کچھ کراہت ضرور آجاتی ہے، جیسا کہ مرد کا سونا یا ریشم یا عورت کا تنگ کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ (۲)

۴- انگوٹھی میں نام یا حکمت کی باتیں کندہ کی جاسکتی ہیں: جیسے

۞ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر کندہ تھا: "محمد رسول اللہ"، یہ تین سطروں میں نیچے سے اوپر اس طرح کہ: سب سے نیچے محمد، اس سے اوپر رسول، اس سے اوپر لفظ اللہ تھا مراتب ادب کے لحاظ سے۔

۞ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: نِعْمَ القادر اللہ (اللہ کی قدرت کا کیا کہنا!)

۞ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: کفی بالموت

---

(۱) لا بأس بالسكين المفضض والمحابر والركاب وعن الثاني يكره الكل والخلاف في المفضض أما المطلي فلا بأس به بالإجماع بلا فرق بين لجام وركاب وغيرهما لأن الطلاء مستهلك لا يخلص فلا عبرة للونه عيني وغيره. (الدر المختار: ۶/ ۳۴۴ كتاب الحظر) لا بأس بالانتفاع بالأواني المموهة بالذهب والفضة بالاجماع (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۳۵ كتاب الكراهية، الباب العاشر)

(۲) ستر عورته ولو بما لا يحل لبسه كثوب حرير وإن أثم بلا عذر، كالصلاة في الأرض المغصوبة. (رد المحتار: ۱/ ۴۰۴، كتاب الصلوة، مطلب في ستر العورة)

واعِظًا (موت نصیحت وعبرت کے لئے کافی)

۞ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: لَتَصْبِرَنَّ أولَتَندِمَنَّ (صبر کرو، ورنہ پشیمانی اٹھاؤ گے)

۞ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: المُلکُ للہ (سلطنت اللہ کی ہے)

۞ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: قُلِ الخَیر وَإلاّ فَاسکُتْ (اچھی بات بولو، ورنہ خاموش رہو)

۞ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: مَنْ عَمِلَ بِرَأیِهٖ فَقَدْ نَدِمَ (جس نے (محض) اپنی رائے پر عمل کیا اس نے پشیمانی اٹھائی)

۞ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: مَنْ صَبَرَ ظَفَرَ (جس نے صبر کیا وہ کامیاب وبامراد ہو)

۞ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: رشید أحمد

۞ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: الٰهی عاقبت محمود گرداں (اے اللہ! انجام بہتر بنائیو)

۞ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: از گروہ أولیا اشرف علی (اولیاء کی جماعت میں سب سے اشرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، مگر حضرت رحمہ اللہ اس مہر کو استعمال نہیں کرتے تھے کیونکہ اس سے لوگوں میں غلط فہمی کا امکان تھا، جبکہ ان الفاظ میں مذکورہ تلمیح کے ساتھ نیک فالی بھی مقصود تھی)

۞ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی انگوٹھی میں کندہ تھا: در دو جہاں مظفر حسین (دونوں جہاں میں کامیاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ رہے، یزید کامیاب نہیں رہا، یہ سجع حضرت مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہ نے کہا تھا)

۞ اور حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری ادام اللہ فیوضہم کے مہر

میں لکھا ہوا ہے: فَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ (یعنی اگر جنت میں جانا ہے تو نیک بخت بنو) یہ انگوٹھی حضرت مفتی یحی صاحب قدس سرہ نے بنائی تھی اور آیت بھی انھوں نے لکھی تھی۔

لطیفہ: ایک دیہاتی نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے کہا: حضرت جی! میرا بھی سجع کہہ دے، حضرت تھانوی نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: محمد گھیسا۔ حضرت نے اس کا سجع کہا: ''سب مٹھا محمد گھیسا'' یعنی سارا جگت چھاچھ ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں گھی کی مثال ہیں۔

مسئلہ: اگر انگوٹھی پر کوئی آیت کندہ ہو تو اس کو لے کر بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر چونکہ آیت (یعنی سورہ فتح کی آخری آیت کا ابتدائی حصہ) کندہ تھی اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو اس کو نکال کر باہر رکھ دیتے تھے، آج کل حروف مقطعات کی انگوٹھیوں کا رواج چل پڑا ہے یہ بھی آیات قرآنیہ ہیں پس انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نکال کر باہر رکھ کر جانا چاہئے (البتہ نگینہ کالے شیشہ کا ہو جس کے نیچے آیت چھپی ہوئی ہو بالکل دکھائی نہ دیتی ہو تو حرج نہیں تاہم اس میں بھی احتیاط ادب کی بات ہے)(۱)

حجاب وپردے کا بیان

پردہ کس عمر سے کس عمر تک؟

اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ: جب لڑکی سیانی ہو جائے یعنی اس کے اندر ایسا مادہ پیدا ہو جائے کہ خود اس کو مرد کی خواہش ہونے لگے، یا مرد کو اس کی خواہش ہونے لگے تو وہ پردہ کے قابل ہوگئی، پھر ساری عمر اس کو پردہ لازم ہے، کسی وقت بھی اس کو

(۱) (مستفاد: الأوزان المحمودة: ۱۰۵؛ تحفة الألمعی: ۵/۷۵-۷۶)

آزادی نہیں کہ بے پردہ ہو کر مردوں میں گھومتی پھرے۔ (۱)

مرد کے ستر کی مقدار

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ہے، گھٹنا ستر میں شامل ہے ناف شامل نہیں، اور یہ ستر مرد عورت دونوں کے حق میں ہے، یعنی جس طرح ایک مرد دوسرے مرد کا اتنا حصہ نہیں دیکھ سکتا؛ عورت کے لئے بھی اجنبی مرد کے اس قدر حصہ دیکھنا جائز نہیں۔ (۲)

ملحوظہ: اور ہدایہ میں جو مبسوط کے حوالہ سے ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بمنزلۂ مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنے کے ہے، پس عورت اجنبی مرد کے پیٹ اور پشت کو بھی نہیں دیکھ سکتی، تو علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عام متون کے خلاف ہے اور اول بات ہی معول ہے، یعنی راجح قول کے مطابق عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بمنزلہ مرد کا مرد کو دیکھنے کے ہے، نہ کہ بمنزلہ مرد کا اپنی محرم عورت کو دیکھنے کے۔ (۳)

(۱)(فتاویٰ محمودیة: ۱۹/ ۱۶۹ کتاب الحظر والإباحة، باب الحجاب)

(۲) فالركبة عورة والسرة ليست بعورة عندنا. (بدائع الصنائع: ۱۲۳/۵ ، كتاب الإستحسان)

(۳)(وكذا) تنظر المرأة (من الرجل) كنظر الرجل للرجل (إن أمنت شهوتها)... كالرجل هو الصحيح في الفصلين تاتارخانية معزيا للمضمرات. (الدر المختار) (قوله وكذا تنظر المرأة إلخ) وفي كتاب الخنثى من الأصل أن نظر المرأة من الرجل الأجنبي بمنزلة نظر الرجل إلى محارمه، لأن النظر إلى خلاف الجنس أغلظ هداية والمتون على الأول فعليه المعول. (ردالمحتار: ۳۷۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

عورت کے ستر کی مقدار

عورت کا ستر بھی وہی ہے جو مرد کا ہے، یعنی ناف سے گھٹنے تک، اور اس کے علاوہ اس کے باقی اعضاء کو جو ستر کہا گیا ہے وہ درحقیقت ان کا حجاب ہے، اور یہ حجاب متعلق کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، اللہ کے سامنے نماز میں کھڑے ہونے کا حجاب الگ ہے، عورتوں کے سامنے اور محارم مرد کے سامنے حجاب اس سے جداگانہ ہے اور اجنبی مرد کے سامنے حجاب اس سے مختلف ہے، کیونکہ ستر سب کے حق میں ستر ہوتا ہے وہ متعلق کے بدلنے سے بدلتا نہیں برخلاف حجاب کے، لیکن چونکہ فقہاء نے ان اعضاء کے لئے بھی ستر کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہے اس لئے اتباعاً اس کو یہاں لکھا جاتا ہے، تاہم حقیقت سے آگاہی لازم ہے۔

پس ایک عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں تو وہی ہے جو بیان ہوا یعنی ناف سے گھٹنے تک خواہ وہ محرم عورت ہو یا غیر محرم حتی کہ ماں اپنی بالغہ بیٹی کا اتنا حصہ بلاضرورت شدیدہ نہیں دیکھ سکتی، اس کے علاوہ باقی اعضاء مثلاً پیٹ، پشت، سینہ، وغیرہ کو دیکھنے میں حرج نہیں۔ (۱) البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کافرہ و فاجرہ عورت کے سامنے نیک و صالح عورت کو اپنے اعضاء بلاضرورت ظاہر نہیں کرنے چاہئے، بلکہ ایسی عورت سے کوئی بات بھی کرے تو پردہ کے ساتھ کرے، یہ احتیاط کی بات ہے، کیونکہ پھر یہ اس کے محاسن اجنبی مردوں کے سامنے بیان کرے گی، جس سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ (۲)

اور محرم مرد کے حق میں عورت کا ستر وہ ہے جو ایک باندی کا اجنبی مرد کے حق میں

---

(۱) فتنظر المرأة من المرأة إلى سائر جسدها إلا مابين السرة والركبة ... ولايجوز لهاأن تنظر مابين سرتها إلى الركبة إلاعند الضرورة. (بدائع الصنائع: ۱۲۴/۵)

(۲) ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلاتضع جلبابها ولا خمارها كمافي السراج اهـ (ردالمحتار: ۳۷۱/۶)

ہے، یعنی ناف سے گھٹنے تک اور پیٹ پشت کا حصہ، تاہم محارم کے سامنے بھی عورت کا اپنے سینہ پر اوڑھنی ڈالے رکھنا یہ تہذیب اور سلیقہ مندی کی بات ہے، قرآن میں مطلق حکم ہے: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔ (۱)

اور اجنبی مرد کے حق میں عورت کا ستر اس کا پورا جسم ہے، سوائے چہرہ دونوں ہاتھ گٹوں تک اور دونوں پیر ٹخنوں تک کے، لیکن بوجہ فتنہ چہرہ کا پردہ لازم ہے کیونکہ چہرہ اعظمِ محاسن میں سے ہے۔ (۲)

فائدہ: اور راجح قول کی بنا پر عورت کی آواز میں بھی پردہ ہے، نامحرموں تک پہنچانا جائز نہیں، پس عورت کا اذان دینا؛ یا بلند آواز سے تلبیہ کہنا؛ یا نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنا؛ یا لاؤڈ اسپیکر میں ترانہ پڑھنا یا تقریر کرنا اس طرح کے مرد بھی سنیں؛ یا کیسٹ وغیرہ میں ترانہ یا تقریر کو ریکارڈ کرنا جو مردوں تک بھی پہنچے یہ جائز نہیں حرام ہے۔

البتہ بوقت ضرورت جبکہ فتنہ نہ ہو کسی نامحرم سے پس پردہ کلام کی گنجائش ہے، تاہم اس وقت کلام میں بتکلف درشتی پیدا کرے، نرم، پرکشش اور متلین گفتگو سے اجتناب کرے۔ (۳)

---

(۱) (ومن محرمه: إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته والالا، لا إلى الظهر والبطن والفخذ. (الدر المختار: ۳۶۷/۶، كتاب الحظر)

(۲) (و) ينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة ...فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها...وأما في زماننا فمنع من الشابة قهستاني وغيره (الدر المختار: ۳۶۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

(۳) فظهر الكف عورة على المذهب (والقلمين) على المعتمد، وصوتها على الراجح. (الدر المختار) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله على الراجح) عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه. وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده۔ ←

جسمانی وضع قطع اور زینت کا بیان

ڈاڑھی کی حد

داڑھی کی تحدید یہ ہے کہ: وہ ہڈی جس پر دانت ہوتے ہیں وہ داڑھی کا حصہ ہے،

← ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب. قال -عليه الصلاة والسلام- "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء" فلا يحسن أن يسمعها الرجل. اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهرا لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان بحر. قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقراءة في الصلاة فسدت كان متجها، ولهذا منعها -عليه الصلاة والسلام- من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق اهـ وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد؛ ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها، لأن ذلك ليس بصحيح، فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. اهـ. قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة . (ردالمحتار: ۱/۴۰۴ باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة) وقال العلامة الجصاص رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: "ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن": وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب إذ كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها ولذلك كره أصحابنا أذان النساء. (أحكام القرآن للجصاص: ۵/۱۷۷ باب ما يجب من غض البصر عن المحرمات)

باقی حصہ داڑھی سے خارج ہے۔[1] اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ عربی میں ''لحی'' اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت ہوتے ہیں، اور چونکہ داڑھی اس پر پیدا ہوتی ہے اس لئے داڑھی کو ''لحیۃ'' کہتے ہیں۔ پس اس ہڈی پر جو بال ہوں ان کو باقی رکھنا واجب ہے، ان کو منڈانا یا ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹوانا جائز نہیں اور جن فقہاء نے داڑھی رکھنے کو سنت لکھا ہے تو یہ سنت اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد الطریقة المسلوکة فی الدین، یا یہ مراد ہے کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہے۔

اور خط بنوانا یعنی جو بال داڑھی کی حد سے بڑھ کر رخسار پر پیدا ہو گئے ہوں ان کو منڈانا درست ہے، تاہم بہتر نہیں[2] ـــ لیکن نیچے جولب کے بال ہوتے ہیں ان کو منڈانا جائز نہیں، کیونکہ وہ بچۂ ریش کہلاتا ہے اور اس کا حکم مثل ریش (داڑھی) کے ہے، ہاں بال بکھر کر بدنما لگتے ہوں تو کچھ کاٹ کر درست کرنا صحیح ہے ـــ اور حلق کے بال میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔[3]

---

(۱) اللحی العظام الذی علیه الأسنان، الخ (المغرب، اللحی، ص: ۴۴۲)

(۲) قال الشیخ العلامة انور شاه الکشمیری رحمه الله تعالیٰ: أما الأشعار التی علی الخدین فلیست من اللحیة لغة، وإن کره الفقهاء أخذها، لأنه إن کان بالحدید فذالک یوجب الخشونة فی الخدین، وإن کانت بالنتف فإنه یضعف البصر. (فیض الباری: ۳۸۰/۴، کتاب اللباس، باب قص الشارب، خضره بک ڈپو دیوبند)

(۳) ولا یحلق شعر حلقه وعن أبي یوسف رحمه الله تعالی لا بأس بذلك ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجهه ما لم یتشبه بالمخنث كذا في الینابیع ونتف الفنیکین بدعة وهما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلی كذا في الغرائب (الفتاوی الهندیة: ۳۵۸/۵، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر)

اور جب داڑھی ایک مشت سے زائد ہو جائے تو زائد کو کاٹنے میں اختلاف ہے، احناف کے یہاں مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ: آپ اپنی ریش مبارک کو طول وعرض سے تراشتے تھے اس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے، اسی طرح ابو داؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل کیا ہے کہ: وہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے اور جو اس سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے تھے؛ ظاہر ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہوگا کیونکہ سنت کے معاملہ میں وہ بہت حریص تھے اسی وجہ سے ان کو صاحب مطواع السنة کہا جاتا تھا، اسی کے مثل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ کا عمل بھی مروی ہے۔(۱)

دراصل احناف کے یہاں ایک مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ: واجب ہے، جیسا کہ نہایہ اور فتح القدیر میں ہے، علامہ ابن نجیم اور علامہ حصکفی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ: اس کا تارک

---

(۱)(القبضة) بضم القاف، قال في النهاية: وما وراء ذلك يجب قطعه هكذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان يأخذ من اللحية من طولها وعرضها، أورده أبو عيسى يعني الترمذي في جامعه، رواه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص. فإن قلت: يعارضه ما في الصحيحين عن ابن عمر رضي الله عنهما، عنه عليه الصلاة والسلام: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحية فالجواب: أنه قد صح عن ابن عمر راوي هذا الحديث أنه كان يأخذ الفاضل عن القبضة... رواه أبو داود والنسائي في كتاب الصوم... وذكره البخاري تعليقا... وقد روي عن أبي هريرة رضي الله عنه أيضا "كان يقبض على لحيته فيأخذ ما فضل عن القبضة "الخ (فتح القدير: ۳۴۷/۲؛ هكذا في البحر الرائق: ۳۰۲/۲؛ وحاشية طحطاوی: ۵۲۶/۱)

گنہ گار ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ: یہ سنت ہے، الاختیار لتعلیل المختار، محیط البرہانی اور غایۃ الاوطار وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ: مستحب ہے، یہ قول منح الغفار شرح تنویر الابصار، معین المفتی اور مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح وغیرہ میں منقول ہے۔ (۱)

داڑھی کی مقدار سے متعلق کچھ لطائف وظرائف:

۱- امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے تعجب ہوتا ہے ایسے عاقل پر جو طویل داڑھی رکھتا ہو، آخر وہ اپنی داڑھی متوسط (ایک مشت) کیوں نہیں کر لیتا! جبکہ توسط کو پسند کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے: خير الأمور أوساطها۔ (۲)

۲- طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ روایت کیا ہے کہ: "آدمی کی داڑھی کا ہلکا ہونا اس کی سعادت ونیک بختی ہے"؛ اور مشہور ہے کہ داڑھی کا لمبا ہونا انسان کے خفت عقل کی دلیل ہے، چنانچہ بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

ما أحد طالت له لحية ❁ فزادت اللحية في هيئته
إلا وما ينقص من عقله ❁ أكثر مما زاد في لحيته

ترجمہ: جس کسی کی داڑھی (بہت) لمبی ہوئی اور وہ اپنی ہیئت میں بڑھنے لگی، تو اس کی عقل اس سے زیادہ کم ہوتی گئی جتنی اس کی داڑھی بڑھتی گئی۔ (۳)

(۱) (عمدۃ الفقہ: ۳/ ۳۶۱، ملخصاً)

(۲) (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۲۲۳، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول)

(۳) روى الطبراني عن ابن عباس رفعه "من سعادة المرء خفة لحيته" واشتهر أن طول اللحية دليل على خفة العقل وأنشد بعضهم: ما أحد الخ (رد المحتار: ۶/ ۴۰۷)

۳-حکایات لطیف میں ہے کہ: ایک قاضی نے کتاب میں پڑھا کہ جس کی داڑھی بہت لمبی ہو اور سر چھوٹا گنجا ہو وہ احمق ہوتا ہے، اتفاق سے جناب ایسے ہی تھے، دل میں کہا ارے یہ کیا! اب میں ایک منٹ کے لئے بھی احمق نہیں رہ سکتا، سر کے بال کا تو خیر فوری کوئی علاج نہیں لیکن داڑھی کو تو کم کرسکتا ہوں، چنانچہ اسی ہڑبڑاہٹ میں قینچی کو تلاش کیا، مگر قینچی نہیں ملی، سامنے چراغ نظر آیا تو سوچا اسی سے زائد بال کو جلادیتے ہیں، چنانچہ ایک مشت پکڑ کر باقی بالوں کو آگ کے حوالے کیا، آگ کی لپٹ تیزی سے جب ہاتھ تک پہنچی تو ہاتھ چھوٹ گیا، اور پورے بال جل گئے، انتہائی ندامت کے ساتھ جب بیوی کے سامنے آئے تو بیوی نے کہا: یہ آپ کیا بن گئے! تو آپ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ یوں اس کتاب میں پڑھا اور یوں ہوا، تو بیوی نے طنزا ومزاحا کہا: ''صحیح تو لکھا ہے اس کتاب میں'' یعنی سوچو ذرا! جس میں ذرا بھی عقل ہو وہ ایسی حرکت کرسکتا ہے؟!

۴-ہشام ابن الکلبی سے مروی ہے کہ: میں نے حفظ میں وہ کمال کیا جو کسی نے نہیں کیا، اور نسیان بھی مجھ پر ایسا طاری ہوا جو شاید کسی پر نہیں ہوا، میں نے قرآن کریم کو صرف تین دن میں حفظ کرلیا؛ اور ایک مرتبہ زائد داڑھی کے کاٹنے کے ارادے سے داڑھی کو مٹھی میں پکڑا تو بھول سے اوپر کا حصہ کاٹ لیا اور یوں پوری داڑھی میرے ہاتھ میں آگئی۔ (۱)

مونچھوں کے کاٹنے میں تحدید

مونچھیں اتنی بڑی رکھنا کہ کوئی چیز کھاتے پیتے وقت اس کے ساتھ لگ جائیں جائز

(۱) نقل عن هشام بن الكلبي قال: حفظت ما لم يحفظه أحد ونسيت ما لم ينسه أحد حفظت القرآن في ثلاثة أيام وأردت أن أقطع من لحيتي ما زاد على القبضة فنسيت فقطعت من أعلاها. (ردالمحتار: ۶/۴۰۷)

نہیں، بکم از کم لب کے کنارے سے اس حد تک کاٹنا ضروری ہے کہ لب کی سرخی ظاہر ہوجائے، حدیث میں ہے کہ جو شخص مونچھیں نہیں تراشتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (۱)

اور مونچھوں کو استرے سے مونڈنے کے متعلق دو قول ہے: ایک قول یہ ہے کہ بدعت ہے، دوسرا قول ہے کہ سنت ہے (۲) اور جو فعل سنت اور بدعت کے درمیان ہو اس کا ترک (چھوڑنا) اولیٰ ہے، (۳) چنانچہ بدائع میں ہے کہ مسنون قصر ہے اور یہی صحیح ہے لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مونچھوں کے کاٹنے میں قصر حسن ہے اور حلق احسن ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا مذہب ہے۔ (۴)

تاہم احادیث کی روشنی میں دیکھیں تو مونچھوں کے متعلق حدیث شریف میں "جزو" یا "أحفوا" وغیرہ الفاظ آئے ہیں جس کے معنی خوب کاٹنے کے ہیں یعنی اس طرح کاٹے کہ مونڈنے کے قریب ہوجائے، حلق کا لفظ نہیں آیا جس کے معنی مونڈنے

---

(۱) قص الشارب أن يأخذ ما طال على الشفة بحيث لا يؤذي الآكل، ولا يجتمع فيه الوسخ. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۰۹ كتاب اللباس، باب الترجل، م: حقانيه پشاور) عن زيد بن أرقم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يأخذ من شاربه فليس منا. (سنن الترمذي: ۵/ ۹۳ حديث: ۲۷۶۱، أبواب الأدب، في قص الشارب)

(۲) حلق الشارب بدعة وقيل سنة. (الدر المختار: ۶/ ۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

(۳) إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا على فعل البدعة. (رد المحتار: ۱/ ۶۴۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

(۴) واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا أنه القص. قال في البدائع: وهو الصحيح. وقال الطحاوي: القص حسن والحلق أحسن، وهو قول علمائنا الثلاثة نهر. (رد المحتار: ۲/ ۵۵۰، كتاب الحج، باب الجنايات)

کے ہے پس بہتر یہ ہے استرے سے مونڈنے کی بجائے قینچی سے یا مشین سے اس طرح کاٹے کہ مونڈنے کے قریب ہوجائیں، لیکن اگر کوئی استرے سے مونڈتا ہے تو بھی جائز ہے۔

ابرو کے کاٹنے کا حکم اور اس کی تحدید

بھنو اور ابرو کو تراشنا یا موچنے یا دھاگے وغیرہ سے نوچ کر ان کو دور کرنا یہ جائز نہیں، ایسی عورتوں پر لعنت آئی ہے، اور ایسا کرنا تغییر خلق اللہ کا مصداق ہے؛ البتہ ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں اور بدنما لگتے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق (نہ کہ مخنث کی ہیئت کے مطابق) کر لینے میں مضائقہ نہیں، احسن الفتاوی میں ہے کہ "نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے (کمایدل علیه التعلیل بتغییر خلق اللہ) غرض یہ کہ تزیین مستحب ہے اور ازالہ عیب کا استحباب نسبۃ زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس وتغییر خلق ناجائز ہے" اھ[1]

اور شامی میں ہے کہ: ابرو کو سنوارنا وغیرہ اگر قصد جمال سے ہو تو جائز ہے، قصد

(۱)(قوله والنامصة إلخ) ذكره في الاختيار أيضا وفي المغرب. النمص: نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اهـ ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب، وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه، ففي تحريم إزالته بعد، لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين، إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء. وفي تبيين المحارم إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب اهـ، وفي التاتارخانية عن المضمرات: ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث اهـ ومثله في المجتبى تأمل. (رد المحتار: ۶/ ۳۷۳ كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

زینت سے ہو تو جائز نہیں، اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ: قصد جمال اللہ کی نعمت کے اظہار اور اس پر شکر کی غرض سے عیب کو دور کرنے اور اس کے ذریعہ وقار کو قائم رکھنے کا نام ہے، اور یہ نفس کی تہذیب اور طبیعت کی تیزی کا اثر ہے، جبکہ قصد زینت میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ اس میں فخر کا عنصر موجود ہوتا ہے اور وہ طبیعت کے ضعف کا اثر ہے۔ (۱)

فائدہ: مذکورہ نیت کے تحت (یعنی ازالۂ عیب کے لئے نہ کہ زینت کے قصد سے) مرد وعورت کے لئے سفید بالوں کو چننا؛ یا عورت کے لئے کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا؛ اسی طرح چہرے کے بال دور کرنا؛ یا بلیچ کر کے ان کی رنگت چہرے کی طرح کرنا یہ سب جائز ہے، بلکہ عورت کو اگر ڈاڑھی مونچھ کے بال غیر معتاد طریقے پر نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔ (۲)

سر کے بالوں میں تفصیل وتحدید

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کبھی کانوں کی لو تک؛ کبھی کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک؛ اور کبھی کندھوں تک ہوتے تھے، اول طریق کو عربی میں وَفْرَۃ؛ ثانی کو

---

(۱) اعلم أنه لا تلازم بین قصد الجمال وقصد الزینة فالقصد الأول لدفع الشین وإقامة ما به الوقار وإظهار النعمة شكرا لا فخرا، وهو أثر أدب النفس وشهامتها، والثاني أثر ضعفها. (ردالمحتار: ۴۱۷/۲، باب مایفسد الصوم)

(۲) ولا بأس بنتف الشیب (الدرالمختار) وقال ابن عابدین رحمه الله تعالٰی: (قوله ولا بأس بنتف الشیب) قیده في البزازیة بأن لا یکون علی وجه التزین. (ردالمحتار: ۴۰۷/۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع) وفي تبیین المحارم إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحیة أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب اهـ. (رد المحتار: ۳۷۳/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللنظر والمس)

لِمَة، اور ثالث کو جُمَّة، کہا جاتا ہے، یہ تینوں طریقے سنت ہیں، یعنی سنن زوائد میں سے ہیں۔

کانوں کے اوپر تک کٹانے کا حدیث میں ثبوت نہیں ملتا، تاہم اگر سر کے تمام بالوں کو منڈا جائے یا یکساں طور پر تراشا جائے کہ کہیں چھوٹے بڑے نہ ہوں تو یہ بھی بلاکراہت جائز ہے، لیکن سر کے بعض حصے کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑ دینا، یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم تراشنا- جیسا کہ آج کل فیشن چل رہا ہے- یہ جائز نہیں، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ (۱)

نابالغ لڑکی کے بال کب تک کاٹے جاسکتے ہیں؟

چھوٹی بچیوں کے بال- جبکہ فیشن کے طور پر نہ ہو بلکہ قصد جمال یا ازالۂ عیب کے لئے ہو- کاٹنا درست ہے، البتہ جو بچیاں قریب البلوغ ہوں ان کے بال کاٹنا جائز نہیں ان کا حکم بالغ عورتوں کا ہے، پس نو سال کی عمر سے بچی کے بال نہ کاٹیں جائیں۔ (۲)

بالغہ کے بال کس حد تک لمبے ہوں تو کاٹنا درست ہے؟

گھنے اور لمبے بال عورتوں کے لئے باعث زینت ہیں، آسمانوں پر فرشتوں کی ایک تسبیح یہ ہے: سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحیٰ وَزَیَّنَ النِّسَاءِ بِالذَّوَائِبِ. پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور

(۱) عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم: رأى صبيا قد حلق بعض شعره وترك بعضه، فنهاهم عن ذلك، وقال: "احلقوه كله، أو اتركوه كله". (أبو داؤد: ۵۷۷/۲ كتاب الترجل، باب في الذوائبة؛ سنن النسائي: ۳۱۲/۸، كتاب الزينة، الرخصة في الحلق)

(۲) (مستفاد: إمداد الأحكام: ۳۴۱/۴، كتاب اللباس، م: دار العلوم كراچی)

چوٹیوں سے۔[1]

لہٰذا عورت کے لئے واجب ہے کہ بالوں کو چھوٹا نہ کرے، چھوٹا کرنا باعث گناہ ولعنت ہے،[2] البتہ اگر کسی عورت کے بال اتنے لمبے ہوں کہ سرین سے بھی نیچے ہوجائیں، اوران کو دھونا وسنبھالنا مشکل ہوتو وہ بالوں کی لمبائی قدرے کم سکتی ہے، یعنی ایسی صورت میں سرین سے نیچے والے حصہ کے بالوں کو کاٹنا چاہے تو کاٹ سکتی ہے۔[3]

فائدہ: بعض عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگالیتی ہیں تاکہ بال بڑے معلوم ہوں، تواگر یہ بال انسان کے ہوں-خواہ خود اسی کے گرے ہوئے بال ہوں-تو ان کا لگانا گناہ کبیرہ ہے اوراس پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے؛ اوراگر کسی دوسرے جاندار کے ہوں یا مصنوعی ہوں تو جائز ہے۔[4]

ناخن، مونچھ، زیرناف اوربغل وغیرہ کی صفائی کی مدت

افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن ان تمام چیزوں کی صفائی کرے، البتہ زیرناف اوربغل کی صفائی ہر ہفتہ نہ کرسکے تو پندرہ بیس دن میں کرے، انتہائی

---

(۱)(روح البیان: ۱/۲۲۲)

(۲)قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت. (الدر المختار: ۶/۴۰۷ کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء)

(۳)(مستفاد: فتاوی رحیمیه: ۱۰/۱۱۳)

(۴)ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها الخ. (الدر المختار) وفي الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئا من الوبر. (ردالمحتار: ۶/۳۷۳ کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس)

مدت چالیس دن ہے، چالیس روز گزر جائے اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہ گار ہوگا(۱)

فائدہ: ان بالوں کی صفائی کے لئے بال صفا پاؤڈر اور کریم وغیرہ کا استعمال کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے، البتہ زیر ناف میں مستحب ہے کہ: مرد اس کو استرے سے صاف کرے اور عورت کریم وغیرہ سے، کیونکہ عورت میں گدازی اور مرد میں خشونت مطلوب ہے اور ان میں سے ہر ایک کا اپنا کچھ اثر ہے۔(۲)

زیر ناف کے بال کہاں سے کہاں تک کاٹے جائیں؟ اس کی حدود

اس سلسلہ میں محقق بات یہ ہے کہ: حکم واجب کی ابتداء مثانہ کے نیچے پیڑو کی ہڈی سے ہوتی ہے جہاں پیٹ کا سلسلہ ختم ہو کر ایک خط نمایاں ہوتا ہے، اسی ہڈی کو عانہ کہتے ہیں اور یہیں سے عموماً گھنے بالوں کی ابتداء ہوتی ہے، پس اس جگہ سے کاٹنا شروع کرے ، اور اعضائے ثلاثہ اور ان کے حوالی اور ان کے محاذات میں رانوں کا وہ حصہ جس کے تلوث کا خطرہ ہے سب کے بال صاف کردے، اسی طرح دبر کے بال بھی صاف کرے، دبر کے بالوں کی صفائی کو امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستحب لکھا ہے، مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

تاہم اگر کوئی شخص بغرض صفائی ناف سے متصل ہی سے کاٹنا شروع کرے تو اس

---

(۱) الأفضل أن يقلم أظفاره ويحفي شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، فإن لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوما، ولا يعذر في تركه وراء الأربعين، فالأسبوع هو الأفضل، والخمسة عشر الأوسط، والأربعون الأبعد، ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد كذا في القنية. (هنديه: ۳۵۷/۵)

(۲) ولو عالج بالنورة يجوز كذا في الغرائب وفي الأشباه والسنة في عانة المرأة النتف. (ردالمحتار: ۴۰۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء)

میں مضائقہ نہیں جائز ہے، مگر یہاں سے ابتداء واجب نہیں، واجب حد وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ (۱)

ناخن کاٹنا کس انگلی سے شروع اور کس پر ختم کیا جائے؟

اولیٰ ہے کہ: دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور وسطی، بنصر اور خنصر کے بعد انگوٹھے کا ناخن کاٹے، اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے؛ اور پیروں میں دائیں پیر کی چھوٹی انگل سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے، پھر بائیں پیر میں انگوٹھے سے شروع کر کے چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔ (۲)

ملحوظہ: جاننا چاہئے کہ: ناخن کاٹنے کا کوئی مخصوص طریقہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں، مگر چونکہ بعض شروحات حدیث میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس کو مستحب و اولیٰ لکھا ہے اس لئے اس کو یہاں ذکر کیا گیا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اس کو ذکر کیا ہے اسی لئے اکثر کتب میں انہیں کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی گئی ہے، فتح الباری میں بھی اسی حوالہ سے مذکور ہے، مگر پھر حافظ رحمہ اللہ نے اس پر کئی اعتراضات کئے ہے، اور اخیر میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ممکن ہے ہاتھوں میں شہادت کی انگلی سے ابتداء کو علماء نے اس کی افضلیت کی وجہ سے بیان کیا ہو، اور بائیں ہاتھ میں خنصر سے ابتداء کو اس لئے ذکر

(۱) (تحقیق کے لئے دیکھئے: أحسن الفتاوی: ۸/۷۷، کتاب الحظر، ط: کراچی)

(۲) وأولاها أن يبدأ في اليدين بمسبحة اليمنى ثم الوسطى ثم البنصر ثم الخنصر ثم الإبهام، ثم خنصر اليد اليسرى ثم بنصرها ثم وسطاها ثم مسبحتها ثم إبهامها وفي الرجلين بخنصر اليمنى ويختم بخنصر اليسرى. (مرقاة المفاتيح: ۱/۳۹۶، باب السواك؛ شرح النووي على مسلم: ۳/۱۴۹، كتاب الطهارت، باب خصال الفطرة)

کیا ہوتا کہ یمین کی طرف جاری رہتا ہوا اور اسی پر اختتام ہو، اور پیروں میں دائیں پیر کی خنصر سے ابتداء کر کے دوسری خنصر پر اختتام کی بات جہت یمین کی رعایت میں کہی گئی ہو، پس اس بنا پر اس کو زیادہ سے زیادہ اولیٰ یا مستحب تو کہا جا سکتا ہے، مگر سنت ہر گز نہ کہا جائے اور نہ سمجھا جائے اس لئے کہ سنت کے لئے ثبوت ضروری ہے۔ (۱)

ختنہ کا حکم اور اس کا وقت

ختنہ سنت مؤکدہ ہے، اور خصال فطرت میں سے ہے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کوئی خاص مدت اور وقت کو مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ مولود کی صحت اور قوت برداشت پر اس کو موقوف رکھا ہے، اور یہی اشبہ ہے۔ (۲)

اگر بڑے ہونے تک ختنہ نہیں کیا گیا تو اگر برداشت کر سکتا ہو تو ختنہ کرا دیا جائے، پھر اس میں یہ اشکال نہ ہو کہ: ”ختنہ تو سنت ہے اور بڑے کا ستر کا نہ دیکھنا واجب ہے اور سنت کے خاطر واجب کا ترک جائز نہیں“ اس لئے کہ اس میں فقہ کی بات یہ ہے کہ ختنہ سنت ہونے کے ساتھ شعائر اسلام میں سے بھی ہے پس اس کا درجہ واجب سے بڑھ کر ہے، پس ختنہ کے لئے بے ستری کو گوارا کیا جا سکتا ہے، اس میں پھر نو مسلم کے ختنہ کی اہمیت زیادہ ہے یعنی بڑی عمر میں کوئی اسلام میں داخل ہوا تو جہاں تک ممکن ہو اس کا ختنہ کرا دیا جائے، کہ ختنہ خاص اسلامی علامت ہے جس کا نو مسلم میں ہونا بہت ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے اور دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین بھی، ایسی صورت میں ختنہ کا مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے رکھے اور ختنہ کرنے

(۱) (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباري: ۱۰/۳۴۵، باب قص الشارب، قبيل باب تقليم الأظفار)

(۲) وقيل إن كان قويا يطيق ألم الختان ختن، وإلا فلا، وهو أشبه بالفقه، وقال أبو حنيفة - رحمه الله - لا علم لي بوقته. (تبيين الحقائق: ۶/۲۲۷، مسائل شتى)

والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے؛ تاہم اگر ڈاکٹروں کی رائے یہ ہو کہ بڑی عمر میں اس کے لئے ختنہ مناسب نہیں کسی سخت مرض یا انفیکشن کا اندیشہ ہے تو چھوڑ دیا جائے کہ یہ ایک عذر کی بنا پر اس کا ترک ہے۔[1] اگر کوئی بچہ پیدائشی مختون ہو تو اس کا ختنہ نہ کیا جائے۔[2] اور عورت کے ختنہ میں صحیح بات یہ ہے کہ وہ سنت نہیں بلکہ جائز ہے، اس میں مردوں کا مفاد ہے کہ جماع میں الذ ہے۔[3]

فائدہ: ختنہ کے موقع پر دعوت کا رواج لوگوں میں عام ہوتا جا رہا ہے تو اس سلسلہ میں محقق بات یہ ہے کہ: دعوت ختنہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ تو نصاً اس کا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی مشروعیت دعوت میں ضابطہ: الدعوت فی السرور میں داخل، اس لئے یہ دعوت جائز نہیں، پھر اس کو سنت سمجھنے میں بدعت ہونے کی قباحت شنیعہ مزید، تبدیع کے لئے عدم ثبوت ہی کافی تھا اور یہاں تو قرون مشہود لہا بالخیر میں اس پر نکیر موجود ہے۔[4]

(۱) والظاهر في الكبير أنه يختن ويكفي قطع الأكثر. (الدر المختار) أي يختنه غيره فيوافق إطلاق الهداية تأمل. (رد المحتار: ۶/۳۸۳ كتاب الحظر, باب الاستبراء) وفي الذخيرة: والكافر إذا أسلم يختن بالإتفاق لمخالفته دين الإسلام وهو بالغ. (رحیمیه : ۱۰/۱۳۴ بحواله مجموع فتاوی: ۴/۹۶ بحواله خزانة الرواية)

(۲) (بزازية على هامش الهندية: ۶/۳۷۳)

(۳) وختان المرأة ليس سنة بل مكرمة للرجال (درمختار) (قوله بل مكرمة الخ) لأنه ألذ في الجماع زيلعي (رد المحتار. ۶/۷۵۱، قبيل كتاب الفرائض)

(۴) (مزید تفصیل وتحقیق کے لئے دیکھئے: أحسن: ۸/۱۵۵، کتاب الحظر)

تصویر اور فوٹو کا بیان

جاندار کی اتنی چھوٹی تصویر جس کے استعمال میں گنجائش ہے کی تحدید

جاندار کی چھوٹی تصویریں اگر کسی وجہ سے موجود ہوں تو اس میں گنجائش ہے (اگرچہ ان کا بھی رکھنا بلاضرورت مناسب نہیں) پھر چھوٹی اور بڑی کی تحدید میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک چھوٹی وہ ہے جو بے تکلف پہچان میں نہ آئے اور بعضوں کے نزدیک وہ جو پرندہ سے کم جسم کی ہو۔ اور جواہر الفقہ میں ہے کہ صحیح، محتاط اور مناسب قول یہ ہے کہ تندرست بینائی والا شخص کھڑے ہو کر زمین پر پڑی ہوئی تصویر کو دیکھے تو صاف نظر نہ آئے تو وہ چھوٹی ہے ورنہ بڑی ہے۔

بہت چھوٹی تصویر کی چونکہ عبادت نہیں کی جاتی، نیز وہ بہت چھوٹی ہونے کی وجہ سے کالعدم شمار ہوتی ہے، اس لئے فقہاء نے اس میں رخصت بیان کی ہے، علاوہ ازیں بعض صحابہ کی انگوٹھیوں کے نگینے اور ان کے بٹن پر چھوٹی تصویروں کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ طبقات ابن سعد اور اسد الغابہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ (۱)

تاہم خیال رہے کہ یہ تو تصویر کے استعمال کی بات تھی، البتہ تصویر بنانا تو وہ

(۱) (تفصیل کے لئے دیکھئے: جواهر الفقه جدید، جلد هفتم، التصویر لأحکام التصویر؛ اور البحر الرائق، باب مایفسد الصلوٰة) (أو كانت صغيرة) لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما وهي على الأرض، ذكره الحلبي. (الدرالمختار) (قوله لا تتبين إلخ) هذا أضبط مما في القهستاني حيث قال بحيث لا تبدو للناظر إلا بتبصر بليغ كما في الكرماني. (رد المحتار: ۱/۶۴۸، باب مایفسد الصلوٰة، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه)

بہر صورت ناجائز ہے، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، محل ذلت میں استعمال کی جانے والی ہو یا محل احترام میں، بغیر سر کی ہو یا سر کے ساتھ ہو۔(۱) اسی طرح وہ تصویر خواہ قلم سے بنائی جائے یا سانچہ، مشین، کیمرہ، موبائل وغیرہ سے؛ اور خواہ تصویر سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار؛ بہر صورت ناجائز اور حرام ہے۔(۲)

سایہ دار سے مراد "مجسمے" ہیں جن کا سایہ بنتا ہے، بعض عرب علماء نے ممانعت کو اسی کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں تصویر کشی کے معاملہ میں بہت ابتلاء ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث شریف سے بلاتفریق ممانعت معلوم ہوتی ہے، بہت سے محتاط عرب علماء کی بھی یہی رائے ہے، اور برصغیر کے تمام دارالافتاؤں کا فتوی بھی اسی پر ہے۔ البتہ پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ ضروری امور میں بوجہ مجبوری علماء نے تصویر وفوٹو کی اجازت دی ہے، مگر وہ بھی بقدر ضرورت کہ الضرورة تتقدر بقدرها.

(۱)هذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا لأنه مضاهاة لخلق الله تعالى كمامر. (ردالمحتار: ۱/ ۶۵۰، باب مايفسد الصلوٰة)

(۲)وفي التوضيح قال أصحابنا وغيرهم تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم وهو من الكبائر وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فحرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله وسواء كان في ثوب أو بساط أو دينار أو درهم أو فلس أو إناء أو حائط وأما ماليس فيه صورة حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام وسواء كان في هذا كله ماله ظل وما لا ظل له وبمعناه قال جماعة العلماء مالك والثوري وأبو حنيفة وغيرهم. (عمدة القارى: ۲۲/ ۷۰، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة)

قال ابن عباس: ... فعليك بهذا الشجر و كل شيء ليس فيه روح. (صحيح البخارى: ۳/ ۸۲ حديث: ۲۲۲۵ كتاب البيوع، بيع التصاوير التي ليس فيها روح)

فوائد:

۱- سر کٹی ہوئی تصویر جو درخت کے مشابہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے۔ البتہ تصویر میں صرف آنکھیں یا بھنویں یا ہاتھ وغیرہ کا کاٹ لینا کافی نہ ہوگا، بلکہ سر تن سے الگ کرنا یا پورا چہرہ مسخ کرنا ضروری ہے۔ (۱)

۲- اور بچوں کے کھیلنے کی گڑیاں میں فقہاء کا اختلاف ہے: بعض نے اس کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے مطلقاً حلال کہا ہے؛ اور بعض نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اس واقعہ کے حکم کو منسوخ، یا اس بات پر محمول کیا ہے کہ ان کی گڑیاں درحقیقت مکمل تصویریں نہیں تھیں جس پر کچھ قرائن ہیں؛ اور بعض نے اس میں بچوں کے بلوغ اور عدم کے اعتبار سے تفصیل کی ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے دوسرا قول یعنی مطلق حرمت کو اختیار کیا ہے اور واقعہ میں نسخ کے علاوہ مذکورہ دوسری توجیہ کو پسند کیا ہے، کما في تعليق أبي داؤد لمولانا محمديحى ناقلاعن الشيخ الگنگوهي رحمهما الله تعالىٰ؛ حافظ منذری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہے کمافي فتح الباري (۲)؛ احقر عرض کرتا ہے کہ: عام طور پر ہمارے یہاں فتویٰ بھی اسی پر دیا جاتا ہے جیسا کہ احسن الفتاویٰ، فتاوی رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں صراحت ہے۔

(۱) عن أبي هريرة قال: استأذن جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ادخل فقال: كيف أدخل وفي بيتك ستر فيه تصاوير، فإما أن تقطع رءوسها، أو تجعل بساطا يوطأ فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتا فيه تصاوير. (سنن النسائی: ۸/۲۱۶، حدیث ۵۳۶۵)

لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها و كذا لا اعتبار بقطع اليدين. (رد المحتار: ۱/۶۴۸، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه)

(۲) (ملخصاً عن جواهر الفقه)

سلام ومصافحہ کا بیان

مواقع کراہت سلام

۱-جو شخص کھانے میں مشغول ہو اسے سلام کرنا۔

۲-جو کسی شرعی چیز مثلاً نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت، یا علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہو۔

۳-نامحرم جوان عورت۔

۴-برہنہ شخص۔

۵-جو پیشاب پاخانہ میں مشغول ہو۔

۶-جو شخص شطرنج، تاش وغیرہ میں مشغول ہو۔

۷-جو بیوی کے ساتھ مشغول ہو۔

۸-مجلس قضاء میں خصمین کا قاضی کو سلام کرنا۔

ان تمام صورتوں میں راجح یہ ہے کہ: اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔ (۱)

کلمات سلام کی مقدار

الفاظ سلام میں وبرکاتہ کے بعد ومغفرتہ کے اضافہ میں روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت۔ لیکن چند وجوہات سے کراہت کو ترجیح ہیں:

۱-حضرات فقہاء اور عامۃ المفسرین کراہت کے قائل ہیں۔

(۱)(ردالمحتار: ۱ / ۶۱۶، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، البحر الرائق: ۲ / ۶، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا)

۲-بوقت تعارض اصولاً کراہت کو ترجیح ہے۔
۳-ممانعت کی روایت سنداً قوی ہے۔
لہٰذا وبرکاتہ کے بعد ومغفرتہ وغیرہ نہیں بڑھانا چاہئے۔ (۱)

اجازت طلبی کے لئے کتنی دفعہ سلام کرے؟

کسی کے وہاں ملاقات کے لئے جائیں تو وقفے وقفے سے تین دفعہ سلام کرکے اجازت طلب کریں، اگر اس کے بعد بھی اجازت نہ ملے اور کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جائیں۔ (۲)

کسی جگہ بار بار آنا جانا ہو تو سلام کتنی بار کرنا چاہئے؟

جہاں تھوڑی، تھوڑی دیر میں بار بار آنا جانا رہتا ہو، مثلاً کوئی مخدوم کے کمرے میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہر بار سلام وجواب میں حرج ہے، اس لئے ایک بار سلام کرلینا کافی ہوگا۔ (۳)

(۱)(احسن الفتاوی:۸/۱۳۹) وفی الهندية: والأفضل للمسلم أن يقول: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، والمجيب كذلك يرد، ولا ينبغي أن يزاد على البركات شيء، قال ابن عباس - رضي الله عنهما - لكل شيء منتهى ومنتهى السلام البركات، كذا في المحيط. (۵/۳۲۵ كتاب الكراهية، الباب السابع)

(۲)عن أبي سعيد الخدري، قال: كنت في مجلس من مجالس الأنصار، إذ جاء أبو موسى كأنه مذعور، فقال: استأذنت على عمر ثلاثا، فلم يؤذن لي فرجعت، فقال: ما منعك؟ قلت: استأذنت ثلاثا فلم يؤذن لي فرجعت، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا استأذن أحدكم ثلاثا فلم يؤذن له فليرجع". (صحيح البخاري: ۸ / ۵۴، كتاب الاستئذان، باب التسليم والاستئذان ثلاثا، رقم الحديث: ۶۲۴۵)

(۳)(مستفاد: هندية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع)

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مجھے متنبی کا یہ شعر بہت پسند ہے جس میں اس بات کی ترجمانی ہے:

أقل سلامی حب ماخف عنکم ❁ وأسکت کیمالایکون جواب

ترجمہ: میں آپ کو بہت کم سلام کرتا ہوں تا کہ آپ پر سلام کا جواب دینے کا بار نہ پڑے؛ اور میں اکثر خاموش رہتا ہوں (سوال کم کرتا ہوں) تا کہ آپ پر جواب کی مشقت نہ ہو۔ (۱)

مصافحہ ایک ہاتھ سے سنت ہے یا دو ہاتھ سے؟

غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے پر اصرار کرتے ہیں اور دو ہاتھ سے کرنے پر نکیر کرتے ہیں، جبکہ صحیح بخاری: ۱/۲۹۶ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: علّمنی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- التشہد و کفي بین کفیه. ترجمہ: ''مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات سکھائی، اور اس طرح سکھائی کہ میرا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا''۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث باب المصافحة کے تحت ذکر فرمائی ہے اور اس کے متصل باب الأخذ بالیدین کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کو مکرر ذکر فرمایا ہے، اس سے بین طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

علاوہ ازیں مصافحہ کی روح جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: ''اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے پیش آنا باہمی الفت و محبت کا اظہار ہے''۔ (۲)

اور فطرت سلیمہ سے رجوع کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع وانکسار، الفت و محبت اور

(۱) (مجالس حکیم الامت) (۲) (حجة اللہ البالغة، ص: ۱۹۸)

بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی (۱)

معانقہ کی مقدار اور اس کے متعلقات

معانقہ کے متعلق جو روایات آئی ہیں، ان سب میں صرف ایک مرتبہ معانقہ کا ذکر ہے، پس سنت ایک مرتبہ ہی سے ادا ہو جاتی ہے، تین مرتبہ معانقہ کی ضرورت نہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصافحہ بالاتفاق ایک ہی مرتبہ مسنون ہے، تین مرتبہ مصافحہ کہیں ثابت نہیں، لہذا معانقہ بھی ایک ہی مرتبہ ہونا چاہئے۔ (۲)

ملحوظات:

(۱) معانقہ کے معنی ہیں: گردن سے گردن ملانا، عرب میں متوارث بھی یہی ہے کہ پورا جسم الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملاتے ہیں، ہمارے یہاں جو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ سینہ بھی ملاتے ہیں، اور بعض تو پیٹ بھی اس میں شامل کرتے ہیں اور پورا جسم باہم پیوست کر کے خوب بھینچتے ہیں، یہ صحیح نہیں، البتہ اصاغر کے ساتھ فرط محبت میں یا اپنی ازواج کے ساتھ کوئی ایسا کرتا ہے تو اس میں گنجائش ہے، احادیث میں اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ (۳)

(۲) معانقہ میں ایک بحث یہ کی جاتی ہے کہ: اس میں تیامن افضل ہے، یا تیاسر؟ یعنی دونوں دائیں طرف کی گردنیں ملائیں یا بائیں طرف کی، افضل کیا ہے؟:

تو اس سلسلہ میں احادیث میں اور فقہاء کی عبارات میں کوئی صراحت نہیں ہے، مگر عام اصول کے مطابق کہ: ”ہر اچھے کام میں دائیں جانب کو پسند کیا گیا ہے“ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ میں بھی دائیں جانب کی رعایت کی جائے۔

---

(۱) (آپ کے مسائل: ۲۵۸/۷)

(۲) (کتاب النوازل: ۱۵ / ۲۷۷، کتاب الحظر والاباحۃ، م: المرکز العلمی مرادآباد، فتاوی محمودیہ: ۱۹/ ۱۱۸، کتاب الحظر، م: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

(۳) (دلائل و تفصیل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی: ۴۰۷/۸ تا ۴۱۳)

اور بعض لوگ جو بائیں جانب کو ترجیح بلکہ اس پر اصرار کی حد تک زور دیتے ہیں تو ان کے پاس یہ دو دلیلیں ہیں:

ایک: ''ہم نے اپنے بعض اکابر کو بائیں جانب معانقہ کرتے دیکھا''۔

دوسری: ''معانقہ کا منشاء ہیجان المحبۃ ہے اور اس کا محل قلب ہے، لہٰذا قلب کی جانب کی رعایت کی جائے گی''۔

لیکن دیکھا جائے تو ان دونوں باتوں میں کوئی وزن نہیں، اول میں تو اس لئے کہ: شریعت کے مقابل میں کسی بڑے سے بڑے کا بھی عمل قابل اعتبار نہیں، ثانی میں اس لئے کہ: وہ شرعی اصول کے خلاف محض ایک قیاسی بات ہے۔

قطع تعلق کا بیان

قطع تعلق کی آخری حد اور اس کی کچھ تفصیلات

ایک اصولی بات ہے کہ: کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق جائز نہیں، مگر یہ کہ حقوق اللہ میں سے کسی حق کی بنا پر ہو تو گنجائش ہے۔

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ عام حالات میں تو قطع تعلق میں تین دن کی قید لگائی گئی ہے مگر علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے حق یعنی دین کے خاطر زیادہ مدت بلکہ زندگی بھر کے لئے ترک تعلق کیا جا سکتا ہے، دعائے قنوت میں ہے: ونترک من یفجرک ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں جو آپ کا گناہ کرتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں اپنے تین مخلص صحابہ سے جو بغیر عذر کے شریک نہیں ہوئے تھے پچاس دن کا بائکاٹ کیا تھا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیٹے سے زندگی بھر نہ بولنے کی قسم کھائی تھی —— البتہ جب تک نصیحت وفہمائش سے نفع کی امید ہو اصلاح کرتے رہنا چاہئے، یک دم ترک تعلق درست نہیں، مگر یہ کہ تعلق کی وجہ سے خود کے

گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی جائز مصلحت ہو۔

اسی طرح حقوق اللہ کے علاوہ میں بھی خاص احوال میں تین دن سے زیادہ کا ترک تعلق کیا جاسکتا ہے، مثلاً میاں بیوی میں یا ماں باپ اور اولاد میں ناچاقی ہوگئی تو اس میں زائد مدت تک کی گنجائش ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ کا ایلاء کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں خواہ کتنی ہی مدت گذر جائے رشتہ منقطع نہیں ہوتا، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، مگر بھائی بہنوں میں یہ گنجائش نہیں، کیونکہ ان میں تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ (۱)

(۱)(مأخوذ: تحفة القاری شرح البخاری: ۱۱/۱۰۱، کتاب الأدب، باب الهجرة، حدیث: ۶۰۷۳؛ ومرقاة المفاتیح شرح مشكوة المصابیح: ۷۵۹/۸، کتاب الآداب، باب ماینهی من التهجار والتقاطع، رقم الحدیث: ۵۰۲۷)

متفرقات

قرآنی معلومات

۱-قرآن کریم میں سورتیں: ۱۱۴/ہیں

۲-مکی سورتوں کی تعداد ۸۶/ہیں۔

۳-مدنی سورتوں کی تعداد ۲۸/ہیں۔

فائدہ:(۱) جو آیتیں یا سورتیں ہجرت سے پہلے اتریں وہ مکی ہیں اور جو ہجرت کے بعد اتریں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔

فائدہ:(۲) مکی سورتوں کی بعض علامات یہ ہیں:

الف: ہر وہ سورت جس میں لفظ کلا آیا ہو۔

ب: ہر وہ سورت جس کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہوں، سوائے سورۂ بقرہ اور آل عمران کے۔

ج: ہر وہ سورت جس میں نبیوں اور امم ماضیہ کے حالات وواقعات مذکور ہوں، سوائے سورۂ بقرہ کے۔

اور مدنی سورتوں کی علامات یہ ہیں:

الف: جس سورت میں حدود وفرائض کا ذکر ہو۔

ب: جس سورت میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام بیان کئے گئے ہوں۔

ج: جس سورت میں منافقین کا ذکر آیا ہو، سوائے سورۂ عنکبوت کے۔

۴-قرآن کریم کی احزاب/منزلیں: ۷/ہیں

فائدہ: سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن ختم کرلیا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے حزب

یا منزل کہا جاتا ہے۔

۶-قرآن کریم میں کل آیات: ۶۲۳۶؍ ہیں۔

۷-کلمات کی تعداد: ۷۷۴۳۹؍ ہیں۔

۸-حروف کی تعداد: ۳۴۰۷۴۰؍ ہیں۔

۹-قرآن کریم کی سورتوں کی ۴؍ قسمیں ہیں: طوال، مئون، مثانی اور مفصل۔

طوال: سات لمبی سورتوں کو کہتے ہیں: بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور ساتویں میں اختلاف ہے: انفال یا توبہ۔

اور مئون: وہ سورتیں ہیں جن کی آیات کی تعداد ۱۰۰؍ سے زیادہ یا اس کے لگ بھگ ہو، اور یہ وہ سورتیں ہیں جو طوال سے متصل ہیں۔

اور مثانی: یہ وہ سورتیں ہیں جن کا پڑھنا نماز میں بکثرت ہو، بعض نے کہا مثانی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔

اور مفصل: سورۂ حجرات سے آخر تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے، پھر اس کی تین قسمیں ہیں: ۱-طوال مفصل: یہ سورۂ حجرات سے بروج تک ہے، ۲-اوساط مفصل: یہ بروج سے لم یکن تک ہے، ۳-قصار مفصل: یہ لم یکن سے آخر تک ہے۔

کس صحابی سے کتنی روایات مروی ہیں؟

سب سے پہلے نمبر پر سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں: ان کو اللہ کے رسول ﷺ نے دعا دی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں جمع روایات کا ایسا شوق پیدا ہوا جو ان کے علمی سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنا، اب ہم آپ کے سامنے صحابہ اور ان کی مرویات کی تعداد علی سبیل التنزیل بیان کرتے ہیں۔

درج ذیل ۷؍ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہزار سے اوپر روایات مروی ہیں:

۱-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: ۵۳۷۴

۲-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ۲۶۳۰
۳-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۲۲۸۶
۴-ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: ۲۲۱۰
۵-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: ۱۶۶۰
۶-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما: ۱۵۴۰
۷-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ: ۱۱۷۰

درج ذیل ۴ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ۵۰۰ سے اوپر روایات مروی ہیں:

۸-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ۸۴۸
۹-حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ: ۷۰۰
۱۰-حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: ۵۳۷
۱۱-حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: ۵۳۶

درج ذیل ۲۷ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ۱۰۰ سے اوپر روایات مروی ہیں:

۱۲-حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ۳۷۸
۱۳-حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: ۳۶۰
۱۴-حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ: ۳۰۵
۱۵-حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ: ۲۸۱
۱۶-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: ۲۷۱
۱۷-حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ: ۲۷۰
۱۸-حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ: ۲۲۵
۱۹-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ: ۱۸۸
۲۰-حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ: ۱۸۱
۲۱-حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ: ۱۸۰

۲۲-حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ: ۱۷۹

۲۳-حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ: ۱۷۰

۲۴-حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ: ۱۶۷

۲۵-حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: ۱۶۴

۲۶-حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: ۱۶۳

۲۷-حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: ۱۵۷

۲۸-حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ: ۱۵۵

۲۹-حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ۱۴۶

۳۰-حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ: ۱۴۶

۳۱-حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: ۱۴۲

۳۲-حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: ۱۳۶

۳۳-حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ: ۱۳۲

۳۴-حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما: ۱۲۸

۳۵-حضرت ثوبان مولی النبی رضی اللہ عنہ: ۱۲۸

۳۶-حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ: ۱۱۴

۳۷-حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ: ۱۰۲

۳۸-حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: ۱۰۰

یہ وہ صحابہ ہیں جن کی مرویات ۱۰۰ سے زائد ہیں، اور سو سے کم والے تو بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے، کہا جاتا ہے کہ کل (ٹوٹل) ایک ہزار صحابہ کی مرویات کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (۱)

(۱)(عالمي تاريخ: ۱۵۲، بحوالة: أسماء الصحابة الرواة ومالكل واحد من العدد: ۴تا۳۶، وتلقيح ابن الجوزي: ۱۸۳تا۱۹۴)

ان مقامات کی تعداد جہاں کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے

وہ مقامات جہاں رسول اللہ ﷺ نے کمال ایمان کی نفی فرمائی ہے (جیسے لاایمان لمن لاأمانة له ؛لاصلاة لجار المسجد إلافي المسجد وغیرہ) اس کی تعداد کم وبیش ۲۸/ بیان کی گئی ہے۔ (۱)

ان مقامات کی تعداد جہاں قرآن میں نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر ہے

ایسے مقامات کی کل تعداد ۳۱/ ہیں۔

ذوالحلیفہ کی مسافت

مدینہ سے ذوالحلیفہ کی مسافت کیا ہے؟ یہ بحث عصر کے وقت اور میقات کے تذکرے میں کی جاتی ہے، اس لئے اس کو جاننا ضروری ہے، اس سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں، تاہم راجح قول وہی معلوم ہوتا ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ نے قطبی کے توسط سے سمہودی کا بیان کیا ہے، سمہودی رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی کے باب السلام سے ذوالحلیفہ کی چوکھٹ تک پیائش کی تو اس مسافت کو انیس ہزاسات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا، علامہ قطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ پانچ میل (شرعی) سے کچھ ہی کم ہے، کیونکہ میل ہمارے یہاں کے مروج آہنی ذراع سے چار ہزار ذراع ہوتا ہے۔ (۲)

(۱)(أشرف المشکاة: ۱/ ۲۱۰)

(۲)وقیل سبعة وقیل أربعة قال العلامة القطبي في منسکه والمحرر من ذلك ما قاله السید نور الدین علي السمهودي في تاریخه قد اختبرت ذلك فکان من عتبة باب المسجد النبوي المعروف بباب السلام إلى عتبة مسجد الشجرة بذي الحلیفة تسعة عشر ألف ذراع بتقدیم المثناة الفوقیة وسبعمائة ذراع بتقدیم السین واثنین وثلاثین ذراعا ونصف ذراع بذراع الید.اهـ.

قلت: وذلك دون خمسة أمیال فإن المیل عندنا أربعة الاف ذراع بذراع الحدید المستعمل الآن والله أعلم. (ردالمحتار: ۲/ ۴۷۳، کتاب الحج)

فلکیات

شمسی وقمری تقویم میں تفاوت

قمری تقویم کو ہجری اور اسلامی تقویم کہا جاتا ہے، اور شمسی تقویم کو عیسوی اور انگریزی۔

- ایک سال شمسی: ۳۶۵ر دن، ۵ر گھنٹے، ۴۸ر منٹ، ۴۶ر سکنڈ کا ہوتا ہے۔
- ایک سال قمری: ۳۵۴ر دن، ۸ر گھنٹے، ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے۔
- ماہ شمسی ماہ قمری سے ۲۱ر گھنٹے ۴۶ر منٹ بڑا ہوتا ہے۔
- ۳۳ر سال شمسی ہونے پر ایک سال قمری کا اضافہ ہوتا ہے، پس ۳۳ر سال شمسی ۳۴ر سال مزید ۴ دن قمری کے برابر ہوتا ہے۔(۱)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ: ''قرآن مجید نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کے مدت کو جس انداز سے بیان کیا ہے کہ:

{وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا}

(اور وہ اپنے غار میں رہے تین سو سال اور مزید نو سال، کھف: ۲۵)

اور صاف یہ نہیں کہا کہ وہ ۳۰۹ر سال رہے؛ تو اس انداز بیان میں یہی شمسی اور قمری سال کا تفاوت اجاگر کرنا مقصود ہے''، یعنی اس سے یہ اشارہ کردیا کہ وہ شمسی سال کے لحاظ سے ۳۰۰ر سال اور قمری سال کے اعتبار سے ۳۰۹ر سال غار میں رہے۔

رہا یہ سوال کہ یہ تحدیدی حساب کے خلاف ہے، کیونکہ ۳۰۰ شمسی سال کو قمری سال میں بدلتے ہیں تو تحدیدی حساب ۳۰۹ سال ۵۷ دن بنتا ہے، یعنی ۵۷ دن زائد ہوتے ہیں تو فقط ۳۰۹ سال کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ تقریبی

(۱) (مستفاد: عالمی تاریخ: ۱۸۰)

حساب کے لحاظ سے ہے، نیز اہل عرب کسر کا حساب نہیں کرتے۔ (۱)

شمسی وقمری سال میں موافقت معلوم کرنے کا ایک ضابطہ

اگر کسی سنہ قمری کی سنہ شمسی سے موافقت مطلوب ہو تو سنہ ہجری ۳۳ سے تقسیم کریں اور جو خارج قسمت ہو اس کو اس سنہ ہجری سے گھٹا دیں، پھر حاصل تفریق میں ۶۲۲ کو- جو ہجرت کا سن ہے- جوڑ دیں تو سال شمسی حاصل ہو جائے گا، ۱۳۹۴ھ کو شمسی کے مطابق کرنا ہے تو ۱۳۹۴ کو ۳۳ سے تقسیم کر دیں تو خارج قسمت ۴۲ نکلا، پھر اس کو ۱۳۹۴ میں سے گھٹا دیا تو حاصل تفریق ۱۳۵۲ آیا پھر اس میں ۶۲۲ کو جوڑ دیا تو ۱۹۷۴ نکل آیا، معلوہوا کہ ۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء کے مطابق ہے۔

اسی طرح سنہ عیسوی کو سنہ ہجری کے موافق کرنا چاہیں تو سنہ عیسوی سے ۶۲۲ کو- جو ہجرت کا سن ہے- گھٹا دیں پھر حاصل تفریق کو ۳۳ سے تقسیم کریں اور خارج قسمت کو حاصل تفریق میں جوڑ دیں تو سنہ عیسوی سنہ ہجری کے موافق ہو جائے گا، مثلاً ۱۹۷۳ء کو سنہ ہجری کے مطابق بنانا ہے تو ۱۹۷۳ سے ۶۲۲ کو گھٹا دیا، ۱۳۵۱ ربچا، پھر ۱۳۵۱ کو ۳۳ سے تقسیم کیا تو خارج قسمت ۴۱ رنکلا، پھر ۴۱ کو ۱۳۵۱ میں جوڑ دیا تو ۱۳۹۲ نکل آیا، معلوم ہوا کہ ۱۹۷۳ء ۱۳۹۲ھ کے مطابق ہے۔

---

(۱) فقيل للإشارة إلى أنها ثلثمائة بحساب أهل الكتاب بالأيام واعتبار السنة الشمسية وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار القمرية بياناً للتفاوت بينهما وقد نقله بعضهم عن عليّ رضي الله عنه. واعترض عليه بأنّ دلالة اللفظ عليه غير ظاهرة مع أنه لا يوافق ما عليه الحساب والمنجمون كما قاله الإمام، ولذا قيل إنّ روايته عن علي كرّم الله وجهه لم تثبت وفيه بحث فإن وجه الدلالة فيه ظاهر لأنّ المعنى لبثوا ثلثمائة سنة وتسعا زائدة على حساب غيرنا والعدول عن الظاهر يشعر به والتفاوت ما ذكر كما بينوه لكنه تقريبيّ كما بين في محله. (حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي: ۶/۹۱، سورة الكهف)

واضح رہے کہ: یہ ضابطہ اکثری ہے، کلی نہیں۔ (۱)

چاند کے مطلع پر باقی رہنے اور اس کے گھٹنے بڑھنے کی مقدار

رات کی لمبائی جتنے گھنٹے ہو اس کے منٹ بنا کر ۱۴ر سے تقسیم کریں اتنے ہی منٹ چاند کی پہلی تاریخ میں چاند نظر آتا ہے پھر غروب ہو جاتا ہے، دوسری رات اس کی دوگنا مقدار رہتا ہے، تیسری رات میں سہ گنا... ایسے ہی بڑھتے بڑھتے چودھویں رات کو مکمل ہو جاتا ہے، اس کے بعد اسی حساب سے گھٹتا رہتا ہے۔

پس دس گھنٹے کی رات میں تقریباً ۴۳ر منٹ؛ اور بارہ گھنٹے کی رات میں تقریباً ساڑھے ۵۱ر منٹ؛ اور چودہ گھنٹے کی رات میں ار گھنٹہ: پہلی شب میں دکھائی دے گا، اور اسی حساب سے یومیہ اضافہ ہوتا جائے گا، پھر چودھویں کے بعد مذکورہ حساب سے کمی ہوتی جائے گی۔ (۲)

نوری سال کی تعریف اور مقدار

حال ہی میں سائنس دانوں نے زمین کی جسامت کے سات سیارے دریافت کئے ہیں جو کہ ایک ٹریپسٹ ون (Trappist -1) نامی سیارے کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اس خبر کے عام ہوتے ہی ہر شخص کو ان سیاروں کے متعلق جاننے کی جستجو پیدا ہوئی، ابتدا میں یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سیارے ہم سے کتنے دور ہیں؟ سائنس دانوں کے مطابق یہی سیارے ہم سے صرف چالیس نوری سال دور ہیں۔

اب یہ نوری سال کیا ہے اس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں آیئے ہم آپ کے سامنے اس کی وضاحت کرتے ہیں:

سائنس کا ایک معمولی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہوگا کہ روشنی ایک سیکنڈ

(۱-۲) (عالمی تاریخ: ۱۸۱)

میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل (186000) یعنی تین لاکھ (300000) کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے، چونکہ ایک حقیقی سال میں تین کروڑ پندرہ لاکھ چھپن ہزار آٹھ سو اسی (3,15,56,880) سیکنڈ ہوتے ہیں، اس لئے اس تعداد کو ایک لاکھ چھیالیس ہزار میں ضرب دینے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سال میں روشنی تقریباً ساٹھ کھرب میل (6 Trillion mil) یعنی پچانوے کھرب کلومیٹر (9.5 Trillion km) کا فاصلہ طے کرتی ہے، اب اگر کوئی جرم سماوی (Celesitial object) ایسا ہو کہ وہاں سے روشنی کو زمین تک پہنچنے میں ایک سال لگ جائے تو زمین سے اس جرم سماوی کا فاصلہ ساٹھ کھرب میل سمجھا جائے گا کہ اسی فاصلے کو نوری سال (Light year) سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ جب کہا جائے کہ فلاں ستارے کا فاصلہ ایک نوری سال ہے تو سمجھا جائے گا کہ اس ستارے سے چل کر روشنی کو زمین تک پہنچنے میں ایک سال لگ جاتا ہے۔

فاصلوں کو نوری سال سے کیوں بتایا جاتا ہے؟:

چونکہ خلا میں فاصلے کافی زیادہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے اگر ہم ستاروں کے فاصلوں کو صرف کلومیٹر یا میل میں بیان کریں گے تو ہمارے اعداد کے ہندسے ختم ہو جائیں گے اور بہت لمبا چوڑ عدد بن جائے گا جس کو بار بار بیان کرنا اور لکھنا دشوار ہوگا، اسی وجہ سے دور دراز واقع ستاروں کے فاصلوں کو نوری سال سے واضح کیا جاتا ہے۔

چنانچہ قطب تارے (Polar star) کو ہی لے لیں یہ زمین سے ۴۶۶ نوری سال کے فاصلے پر ہے، اس وقت اس کی جس کیفیت کا ہم مشاہدہ کررہے ہیں وہ اب سے ۴۶۶ سال پہلے کی ہے معلوم نہیں اب یہ قطب صاحب کس حال میں ہیں کیوں کہ ۴۶۶ سال بعد اس کی روشنی ہم تک پہنچ رہی ہے، اب اگر اس کو کچھ ہو چکا ہوگا تو اس کا پتہ ہمیں ۴۶۶ سال کے بعد ہی لگے گا۔ (فهم الفلكيات: ۲۱۰-۲۱۱)

فائدہ: صرف دور واقع ستارے ہی نہیں ہر قسم کی روشنی کو ہم تک پہنچنے میں کچھ نا کچھ وقت لگتا ہے، پس چاند کی روشنی ہم تک ۱۳ ؍سیکنڈ میں، سورج کی روشنی ۸ ؍منٹ ۳۰ ؍سیکنڈ میں، اور سیارہ زہرہ کی روشنی ۶ ؍منٹ میں پہنچتی ہے۔

تمت بالخیر

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مؤلف کی ایک گراں قدر کتاب ''فقہی ضوابط'' کے متعلق اکابر کے تاثرات:

۱

امیر المومنین فی الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری ادام اللہ فیوضہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند:

یہ کتاب طلبہ کے لئے تو مفید ہے ہی، اساتذہ کے لئے بھی مفید ہے، اگر اساتذہ اس کا مطالعہ کریں تو ان کی فقہ کی تعلیم میں چار چاند لگ جائیں گے اور ان کے لئے بکھری ہوئی جزئیات کو ایک لڑی میں پرو کر پیش کرنا آسان ہو جائے گا۔

۲

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی پاکستان:

... ماشاء اللہ ایک علمی ضرورت پوری فرمائی ہے، جس کے بارے میں امید ہے کہ اہل علم اور طلبہ کے لئے ان شاء اللہ مفید ہوگی۔

۳

فقیہ النفس حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وناظم المعہد العالی اسلامی حیدرآباد:

مؤلف کی یہ کاوش 'تالیف برائے تالیف' نہیں ہے؛ بلکہ واقعی اس سے ایک ایسے

گوشہ کی تکمیل ہوتی ہے جس پر کام کی ضرورت تھی، مؤلف عزیز نے صرف نقل ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے؛ بلکہ استنباط سے بھی کام لیا ہے، غالباً اردو زبان میں اس طرح کی یہ پہلی کوشش ہے، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کے اساتذہ وطلبہ کے لئے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے، اگر اساتذہ اس کتاب کو اپنے سامنے رکھیں گے تو انشاء اللہ نفع محسوس کریں گے۔

۴

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہم

شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ شاہی مرادآباد:

امید ہے کہ یہ کتاب تعریفات جرجانی سے بھی برصغیر کے علماء اور طلبہ کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

۵

حضرت مولانا مفتی سید سلمان صاحب منصور پوری مدظلہم

شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ شاہی مرادآباد:

اس کتاب کے مطالعہ سے بالخصوص فقہ وفتاویٰ میں مشغول طلبہ واساتذہ کو بھرپور رہنمائی ملے گی، فقہی کتابوں کا سمجھنا آسان ہوگا اور علم میں بصیرت اور جلاء پیدا ہوگی۔

اس کتاب میں اوزان، مقادیر اور اعداد سے متعلق فقہی مسائل باریک بینی سے جمع کیے گئے ہیں، کتاب کے شروع میں مصنف نے ایسے نقشے بھی دیے ہیں جن سے پوری کتاب بیک نظر سامنے آجاتی ہے، کتاب پڑھ کر حیرت ہوئی کہ مصنف نے موضوع سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کرلیا ہے--- حاشیہ میں ہر بات کا حوالہ ہے، کوئی مسئلہ بے حوالہ نہیں، اس سے کتاب باوقار بن گئی ہے اور اہلِ علم کے لیے قابل استفادہ ہوگئی ہے۔

(محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم)

مؤلف نے اپنی اس تالیف کے ذریعے طلبہ، علما اور اربابِ فتاویٰ کے لیے بڑی آسانی فراہم کردی ہے۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

احقر کی پُرزور سفارش ہے کہ فقہ کا ہر طالبِ علم اسے ضرور پڑھے، کوئی دارالافتاء وکتب خانہ اس سے خالی نہ ہو۔

(نمونۂ سلاف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم)

ایک ایسی کتاب جس میں ان اوزان ومساحات کے بیان کے ساتھ ان سے متعلق فقہی مسائل واحکام بھی سامنے آجائیں، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

یہ کام یقیناً محنت طلب اور جانفشانی کا متقاضی تھا، خوشی کی بات ہے مولانا نے یہ اہم اور بیش قیمت کام انجام دیا ہے، وہ واقعی اس کام پر مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

(فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم)

Printed by : HS OFFSET PRINTERS #011-23244240